عہد فاروقی میں نظام حسبہ اور عصری تطبیقات

(تجزیاتی مطالعہ)

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

قاضی محمد اظہار الحق

ایم فل سکالر

رجسٹریشن نمبر: 1351-Mphil/IS/S17

نگران مقالہ

ڈاکٹر امجد حیات

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

نمل، اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

2020ء

عہد فاروقی میں نظام حسبہ اور عصری تطبیقات

(تجزیاتی مطالعہ)

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

قاضی محمد اظہار الحق

ایم فل سکالر

رجسٹریشن نمبر:1351-Mphil/IS/S17

نگران مقالہ

ڈاکٹر امجد حیات

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

نمل، اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

2020ء

©(قاضی محمد اظہار الحق)

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز سے اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے بعنوان: **عہد فاروقی میں نظام حسبہ اور عصری تطبیقات (تجزیاتی مطالعہ)**

The System of Accountability in The Farooqi Era and its Modern Applications: An Analytical study

Ahd-e-Farooqi main Nizab-e-Hisbah our Asri Tatbiqat (Tajziati Mutalah)

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: قاضی محمد اظہار الحق

رجسٹریشن نمبر: 1351-Mphil/IS/S17

ڈاکٹر امجد حیات
(نگران مقالہ)

____
دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)

____
دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان
(پرو-ریکٹر اکیڈمکس، نمل)

____
دستخط پرو-ریکٹر اکیڈمکس

تاریخ ________________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں قاضی محمد اظہار الحق ولد قاضی ضیاء الرحمٰن

رجسٹریشن نمبر: 1351-Mphil/IS/S17

طالب، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد، حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **عہد فاروقی میں نظام حسبہ اور عصری تطبیقات (تجزیاتی مطالعہ)**

The System of Accountability in The Farooqi Era and its Modern Applications: An Analytical study

Ahd-e-Farooqi main Nizab-e-Hisbah our Asri Tatbiqat (Tajziati Mutalah)

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے اور **ڈاکٹر امجد حیات** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: **قاضی محمد اظہار الحق**

دستخط مقالہ نگار: ____________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

انتساب

میں اپنے اس تحقیقی کام کا انتساب

سید الانبیاء والمرسلین، امام الاولین والآخرین حضور سرور کائنات محمد ﷺ

کے نام کرتا ہوں اور اپنے والدین کے نام کرنا اپنی دنیاوی اور اخروی سعادت سمجھتا ہوں۔ کہ جنہوں نے ہر مقام پر میری مدد کی اور اس قابل بنایا کہ آج میں جو بھی ہوں انہی کی بدولت ہوں۔ اللہ ان کا سایہ مجھ پر ہمیشہ سلامت رکھے۔ آمین۔

اظہار تشکر (Acknowledgements)

میں اپنے رب کا شکر کس زبان اور کس عمل سے ادا کروں جس کی توفیق اور مہربانی سے اس مقالہ کی تکمیل ممکن ہو سکی۔ برملا اس بات کا اعتراف میں اپنے لیئے اعزاز سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا یا کیا اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ سب میرے رب کی توفیق کا ثمر ہے۔ میں اپنے محترم والدین کا احسان مند ہوں جنہوں نے اسلامی ماحول میں میری پرورش کی اور دین متین کی خدمت کے لیے مجھے وقف کیا۔ اللہ کے فضل اور انہی کی دعاؤں کے طفیل آج میں اس مقام پر پہنچا۔ اللہ کریم ان کی زندگی میں برکتیں عطا فرمائے۔

نگران مقالہ محترم جناب ڈاکٹر امجد حیات صاحب کا تہہ دل سے مشکور ہوں جن کی مسلسل توجہ اور رہنمائی سے یہ مقالہ لکھنا ممکن ہوا۔ مفید مشوروں کے ساتھ ساتھ انداز الفت سے اصلاح بھی فرمائی۔ رب ذوالجلال ان کے علم و عمل اور عمر میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔ شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ نمل کے تمام اساتذہ اور بالخصوص گرامی المرتبت ڈاکٹر نور حیات خان صاحب (صدر شعبہ علوم اسلامیہ) کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ جنھوں نے اپنی خاص رہنمائی سے مقالہ کو مزید مفید بنایا۔ اللہ پاک سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

Abstract

The System of Accountability in The Farooqi Era and its Modern Applications: An Analytical study

The Qur'an al-Hakim has clarified the fact that there are two aspects to the iqamat of religion, one is positive and the other is negative, commanding good and forbidding evil is the main pillar of religion. Command to do good and forbid evil is another name of Hisba. The real purpose of the Prophet Muhammad's SAW revelation was to call to monotheism and self-purification, as well as to reform one's morals. His Holiness was the authority on all religious and administrative matters however, he had appointed officers and workers at various places for the betterment of the situation, purification of morals and establishment of justice.

After the Prophet's time, the short two-year caliphate of Hazrat Abu Bakr Siddiq (RA) was full of emergencies. He did not spare a single minute in subduing them and at the same time he did not feel the need to change the system from the time of the Prophet. When Hazrat Omar Farooq (RA) flourished on the throne of the Khilafah, the system of government was slightly different. In his time, Omar (RA) took a number of steps to promote public morality and Islamic values, which were greatly expanded in this system. He also performed the duty of ombudsman himself. There may not be a proper title for Hisba, but he did a good job of all the things that can fall into the category of Hasba in any way. This article discusses Hazrat Omar Farooq's (RA) accounting system, describing the nature, methodology and resources used in His time, here are some suggestions on how to look or get an appointment for antique items.

The importance of research on this topic can be felt in view of the increasing (individual and collective) corruption and disorder in the present,that the methods of Hazrat Omar Farooq's (RA) accounting system and their results and fruits should be collected in the system of accounting in such a way that everyone can play his role in reforming the society knowing the real purpose of enjoining the good and forbidding the evil.

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	مقالہ کی منظوری کا فارم (Thesis Acceptance Form)	IV
2	حلف نامہ (Declaration)	V
3	انتساب (Dedication)	VI
4	اظہار تشکر (A word of thanks)	VII
5	تلخیص مقالہ (Abstract)	VIII
6	فہرست عنوانات (Table of Content)	IX
7	**مقدمہ**	XI
8	**باب اول: حسبہ کا مفہوم، تصور اور ضرورت و اہمیت**	1
9	فصل اول: حسبہ کا تعارف	2
10	فصل دوم: شریعت اسلامیہ میں حسبہ کا تصور اور اہمیت	12
11	فصل سوم: حسبہ کا تاریخی پس منظر	24
12	**باب دوم: عہد فاروقی میں نظام حسبہ کی نوعیت**	36
13	فصل اول: حسبہ کا نفاذ انفرادی و اجتماعی طور پر	37
14	فصل دوم: عمال وولاۃ پر حسبہ کا نفاذ	66
15	فصل سوم: منافقین اور کفار پر حسبہ کا نفاذ	76
16	**باب سوم: عہد فاروقی میں نظام حسبہ کا طریقہ کار، وسائل اور معاشرتی اثرات**	86
17	فصل اول: حضرت عمرؓ کا نظام حسبہ کے قیام میں طریقہ کار	87
18	فصل دوم: حضرت عمرؓ کا نظام حسبہ کے نفاذ میں وسائل کا استعمال	104
19	فصل سوم: عہد فاروقی میں نظام حسبہ کے معاشرتی اثرات	125
20	**باب چہارم: عہد فاروقی کے منہج حسبہ سے عصری استفادہ**	136
21	فصل اول: حضرت عمرؓ کے منہج حسبہ کی علامات و خصوصیات	137

162	فصل دوم: محتسب اور محتسب علیہ کے لیے آپؐ کے منہج حسبہ سے استفادہ	22
172	فصل سوم: مروجہ احتساب میں آپؐ کے منہج حسبہ سے استفادہ	23
180	نتائج بحث	24
182	سفارشات و تجاویز	25
186	فہرست آیات کریمہ	26
189	فہرست احادیث مبارکہ	27
191	فہرست اعلام	28
194	فہرست اماکن	29
195	فہرست اصطلاحات	30
196	فہرست مصادر و مراجع	31

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

موضوع تحقیق کا تعارف:(Introduction of the Research Topic)

قرآن حکیم نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ اقامت دین کے دو پہلو ہیں ایک ایجابی اور دوسرا سلبی یعنی کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا دین کا مرکزی ستون ہے۔ حسبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ہی دوسرا نام ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حقیقی مقصد دعوت توحید اور تزکیہ نفس کے علاوہ اصلاح اخلاق تھا۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس جملہ مذہبی و انتظامی امور کی مرجع تھی تاہم آپ نے اصلاح احوال، تزکیہ اخلاق اور قیام عدل کے لیے مختلف مقام پر حکام و عمال مقرر فرما رکھے تھے۔

عہد نبوی ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دو سالہ مختصر دور خلافت ہنگامی حالات سے دوچار رہا۔ آپؓ نے انہیں فرو کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا ساتھ ہی آپ نے عہد نبوی سے جاری نظام میں تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ فرمائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے تو نظم مملکت قدرے مختلف تھا آپؓ کے دور میں اس نظام میں نہایت وسعت پیدا ہوئی اخلاق عامہ اور اسلامی اقدار کی ترویج کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد اقدامات کیے اور خود محتسب کا فریضہ بھی انجام دیا۔ حسبہ کے لیے باقاعدہ عنوان نہ سہی، لیکن آپؓ نے ان تمام امور کو بحسن خوبی انجام دیا جو کسی بھی طرح حسبہ کے زمرے میں آسکتے ہیں۔ مقالہ ہذا میں آپؓ کے نظام حسبہ کے بارے میں بحث کی گئی ہے کہ آپؓ کے دور میں نظام حسبہ کی کیفیت، طریقہ کار اور مستعمل وسائل کو بیان کرتے ہوئے عصر حاضر میں موجود جرائم کے سد باب کے لیے ممکنہ تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

ضرورت واہمیت:(Importance of the Research Topic)

قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ایک پر امن معاشرے کی بقا کے لیے بے لاگ احتساب کی بے حد ضرورت ہے فرمان الٰہی کے مطابق ہر انسان بقدر استطاعت محتسب ہے۔ احتساب کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا دوسرا نام ہے۔ معروف سے مراد تمام شعبہ ہائے زندگی میں اللہ اور رسول کے احکام و فرامین کی پابندی کرنا، اس کے برعکس منکر کا اطلاق ہر اس طرز عمل پر ہوتا ہے جس سے اللہ اور رسول ﷺ نے منع فرمایا ہو۔ اس لیے مسلم معاشرے میں احتساب کی ضرورت اسلام کے ابتدائی دور سے ہی محسوس کی جاتی رہی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم عمل احتساب میں بہت حریص تھے اور حضرت عمرؓ وہ پہلے صحابی ہیں جنہوں نے درہ[1] ہاتھ میں اٹھایا اور احتساب کا اہتمام پہلے خود سے اور اپنے اہل وعیال سے شروع کیا۔ آپؓ کے مختلف واقعات اور فیصلوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے احتسابی طریقوں کی وجہ سے معاشرے میں کس قدر امن وسکون تھا۔ دور حاضر میں بڑھتی ہوئی (انفرادی و اجتماعی) بدعنوانی و بدنظمیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس موضوع تحقیق کی اہمیت کو محسوس کیا جاسکتا ہے کہ نظام حسبہ میں آپؓ کے طریقوں اور ان کے نتائج و ثمرات کو اس طرح سے جمع کیا جائے تاکہ ہر کوئی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اصل مقصد کو جانتے ہوئے اصلاح معاشرہ میں اپنا کردار ادا کر سکے۔

سابقہ کام کا جائزہ:(Literature Review)

ایسی کتب جن میں نظام حسبہ کے موضوع پر عام بحث پائی جاتی ہے، زیادہ نہیں تو کچھ کم بھی نہیں ہیں۔ ایسی تصانیف میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں جن میں حسبہ کے متعلق کچھ مباحث پائی جاتی ہیں۔

حسبہ کے بنیادی ماخذ میں ابو الحسن علی الماوردی کی "الاحکام السلطانیہ" ہے جو کہ بیس ابواب پر مشتمل ہے آخری باب میں حسبہ کے متعلق سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، امام غزالی نے "احیاء العلوم الدین" میں بھی اس پر بحث کی ہے۔

ضیاء الدین السنامی کی "نصاب الاحتساب"، امام تیمیہ کا رسالہ الحسبہ فی الاسلام" جس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر حافظ اکرام الحق نے کیا اور یہ "کتاب اسلام کا نظام حسبہ" کے نام سے موجود ہے، ابو الفرج جمال الدین ابن جوزی کی "منہاج القاصدین" حافظ ابن قیم کی کتاب "الطرق الحکمیہ" میں حسبہ سے متعلق مباحث تفصیلا مذکور ہیں۔

السقطی المالقی کی "کتاب فی آداب الحسبہ" اور رسالہ "القضاء والحسبہ" جو کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کی تصانیف ہیں، قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ جزوی طور پر الحسبہ فقہی مسائل کی مباحث سے بھی تعلق رکھتا ہے ان میں سے ایک رسالہ "تنبیہ الحکام فی الاحکام" لابن المناصف اور دوسرا محمد العقبانی المسانی کا "التحفۃ" ان رسائل سے بعد کے مؤلفین استفادہ کرتے آئے ہیں۔

الحسبہ کے موضوع پر اہم رسالہ "نہایۃ الرتبۃ فی طلب الحسبہ" عبد الرحمٰن بن نصر کا ہے، ابن بسام المحتسب نے ساتویں صدی ہجری میں ایک رسالہ تحریر کیا اور مصری عالم ابن الاخوہ نے اپنی تالیف "معالم القربۃ فی احکام الحسبہ" میں محتسب اور اس کے فرائض سے متعلق اہم معلومات جمع کی ہیں۔

---

[1] درہ، کوڑہ: چمڑے کا تسمہ جس سے محتسب ضرب لگاتا ہے۔

اسی طرح ساجد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی کی تصنیف "اسلام میں پولیس اور احتساب کا نظام" کھرڑوی، عبد الواحد کا مقالہ "خلافت فاروقی کا تصور احتساب" جو کہ ترجمان الحدیث (لاہور)، ۷:۷(مئی ۱۹۷۸) میں چھپا ہے۔

مقاصد تحقیق:(Objectives of the Research)

۱۔ حضرت عمرؓ کے دور میں رائج نظام حسبہ کا مطالعہ کرنا اور آپؓ کے نظام احتساب کی نوعیت کو جاننا جس کے ذریعے آپؓ نے نظام حسبہ کو عام کیا۔

۲۔ آپؓ کے اس جداگانہ طریقہ احتساب کو بیان کرنا جس کے ذریعہ آپؓ نے ایک بہت بڑی ریاست میں امن وامان کو احسن انداز میں قائم کیا۔

۳۔ آپؓ کے احتسابی فیصلوں کے معاشرتی ثمرات کو بیان کرنا تا کہ آپ کی احتسابی تعلیمات سے دور حاضر میں موجود جرائم کا تدارک ممکن ہو سکے۔

تحقیقی سوالات:(Research Questions)

۱۔ عہد فاروقی میں نظام حسبہ کی صورتیں اور طریقہ کار کیا تھا؟

۲۔ عہد فاروقی میں نظام حسبہ کی تنفیذ میں کیا کیا وسائل وذرائع اختیار کئے گے ؟

۳۔ عہد فاروقی میں نظام حسبہ کے معاشرتی ثمرات و نتائج کیا تھے اور انکی روشنی میں عصر حاضر میں معاشرتی جرائم کے سدباب کے لیے استفادہ کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں ؟

اسلوب تحقیق:(Research Method)

مقالہ ہذا کا اسلوب تحقیق، بیانیہ اور تجزیاتی ہے جس کے لئے درج ذیل ٹولز کو اختیار کیا گیا ہے:

موضوع سے متعلق مطبوعہ وغیر مطبوعہ مواد سے استفادہ کیا گیا ہے۔

ابواب بندی، فصول بندی کی تفصیلی فہرست مقالہ کے شروع میں دی گئی ہے۔

حسب ضرورت توضیحی حواشی کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

حوالہ جات کے لئے اصل مصادر تک رسائی کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔

جن اقوال کا حوالہ اصل مصادر میں دستیاب نہیں ہو سکا تو ثانوی ماخذ سے حوالہ لیا گیا ہے۔

مقالہ کے آخر میں خلاصہ البحث اور سفارشات بھی مرتب کی گئی ہیں۔

آبواب بندی

باب اول: حسبہ کا مفہوم، تصور اور ضرورت واہمیت

فصل اول: حسبہ کا تعارف

فصل دوم: شریعت اسلامیہ میں حسبہ کا تصور اور اہمیت

فصل سوم: حسبہ کا تاریخی پس منظر

باب دوم: عہد فاروقی میں نظام حسبہ کی نوعیت

فصل اول: حسبہ کا نفاذ انفرادی واجتماعی طور پر

فصل دوم: عمال وولاۃ پر حسبہ کا نفاذ

فصل سوم: منافقین اور کفار پر حسبہ کا نفاذ

باب سوم: عہد فاروقی میں نظام حسبہ کا طریقہ کار، وسائل اور معاشرتی اثرات

فصل اول: حضرت عمرؓ کا نظام حسبہ کے قیام میں طریقہ کار

فصل دوم: حضرت عمرؓ کا نظام حسبہ کے نفاذ میں وسائل کا استعمال

فصل سوم: عہد فاروقی میں نظام حسبہ کے معاشرتی اثرات

باب چہارم: عہد فاروقی کے منہج حسبہ سے عصری استفادہ

فصل اول: حضرت عمرؓ کے منہج حسبہ کی علامات و خصوصیات

فصل دوم: محتسب اور محتسب علیہ کے لیے آپؓ کے منہج حسبہ سے استفادہ

فصل سوم: مروجہ احتساب میں آپؓ کے منہج حسبہ سے استفادہ

خاتمہ

نتائج بحث

سفارشات و تجاویز

فہرست آیات کریمہ

فہرست احادیث مبارکہ

فہرست اعلام

فہرست اماکن

فہرست اصطلاحات

فہرست مصادر و مراجع

باب اول

حسبہ کا تعارف، تصور اور ضرورت و اہمیت

فصل اول: حسبہ کا تعارف

فصل دوم: شریعت اسلامیہ میں حسبہ کا تصور اور اہمیت

فصل سوم: حسبہ کا تاریخی پس منظر

فصل اول

حسبہ کا تعارف و مفہوم

لغوی واصطلاحی مفہوم

نظام حسبہ کے ابتدائی خدوخال رسالت مآب ﷺ کے مبارک دور سے ہی واضح طور پر متعارف ہو چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک پہنچتے پہنچتے اس ادارے کا خاکہ اور بھی واضح ہو چکا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اصطلاح کی لغوی تحقیق پر طائرانہ نظر ڈالی جائے۔

لغوی طور پر حسبہ کئی معانی میں مستعمل ہے:

ا۔ الحسب کافی ہونا، کفایت کرنا جیسے کہا جاتا ہے۔

"مَرَرْتُ برجلٍ حَسْبِكَ"[1]

یعنی میں ایسے آدمی کے پاس سے گزرا جو تجھے کافی ہو جائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾[2]

ترجمہ: اے نبی آپ کو اور آپ کے متبعین مومنین کو اللہ ہی کافی ہے۔

۲۔ حاسب یحاسب محاسبۃ وحسابا کے وزن پر حساب لینا، امور کی انتظامی نگرانی اور کسی بے اعتدالی کی صورت میں مناسب کاروائی کرنا، نفس کا محاسبہ کرنا اپنے اندر جھانکنا جیسے فرمان الٰہی ہے۔

﴿اقْرَأْ كَتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾[3]

ترجمہ: اپنا اعمالنامہ پڑھ آج تجھے اپنے محاسبہ کے لیے کافی ہے۔

۳۔ باب ،، سمع یسمع اور حسب یحسب ،، کے وزن پر گمان کرنے ، خیال لانے، ظن کرنے اور اعمال ومعاملات میں حسن نیت کا درس دیتا ہے جیسے ارشاد ربانی ہے۔

﴿أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ﴾[4]

ترجمہ: کیا تم گمان کرتے ہو کہ اصحاب کہف۔

﴿يَحْسَبُ أَن مَالَه أخلده﴾[5]

---

1 ابراھیم مصطفی، أحمد الزیات، حامد عبد القادر، محمد النجار، المعجم الوسیط، مجمع اللغۃ العربیۃ بالقاھرۃ، دار الدعوۃ، 1/171

2 سورۃ الانفال: 8/64

3 سورۃ الاسرا: 17/14

4 سورۃ الکہف: 18/9

5 سورۃ الھمزۃ: 104/3

ترجمہ: وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ رہے گا۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

﴿وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ﴾[1]

ترجمہ: اور تم ان کو جاگتے ہوئے خیال کرتے ہو حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔

یعنی آپ ان کے کلام کا کچھ گمان نہیں کرسکتے۔[2]

۴۔ باب" نصر اور کرم کے" اوزان خاندانی شرف والا ہونا کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے جسے لوگ اپنے آبا کے مفاخر کے لیے بولتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے۔

" حَسَبُهُ دينُهُ، ويقال مالُهُ. والرجل حسيبٌ"[3]

لیکن اگر انسان شرف سے خالی ہو تو وہاں حسب کا لفظ نہیں بولا جاتا اسی طرح حا کی کسرہ کے ساتھ الحسبۃ کا معنیٰ اجر ہے یہ معنیٰ اشیا کے جوہر کی سلامتی اور معیار کے تحفظ کا پہلو نمایاں کرتا ہے۔

الحسبۃ انتظام وانصرام کے معنیٰ میں بھی آتا ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے۔

"وَفُلَانٌ حَسَنُ الْحِسْبَةِ بِالْأَمْرِ، إِذَا كَانَ حَسَنَ التَّدْبِيرِ، اى حسن التدبير والكفاية والنظر فيه"

فلاں شخص معاملات میں اچھی تدبیر اور خوب دیکھ بھال کرنے والا ہے۔

۵۔ احتسب یحتسب احتسابا مواخذہ کرنا جیسے کہا جاتا ہے۔

"احْتَسَبَ فُلاَنٌ على فُلاَنٍ"[4]

یعنی فلاں آدمی نے فلاں کا اس کے کسی قبیح کام پر مواخذہ کیا۔

اسی طرح اعمال صالحہ میں حسن نیت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جیسے آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

---

[1] سورۃ الکھف:18/18

[2] أحمد مختار عبد الحميد عمر (المتوفى:1424ه)، معجم اللغة العربية المعاصرة، عالم الكتب، 1429ه-2008م، 1/488

[3] أبو نصر إسماعيل بن حماد الجوهري الفارابي (المتوفى:393ه) الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، دار العلم للملايين- بيروت، 1407ه-1987م، 1/110، 109

[4] أبو الحسن علي بن إسماعيل بن سيده المرسي (المتوفى:458ه)، المحكم والمحيط الأعظم، المحقق: عبد الحميد هنداوي، دار الكتب العلمية- بيروت، 1421ه-2000م، 3/208

(مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ) [1]

ترجمہ: جس نے رمضان کے روزے ایمان وحسن نیت سے رکھے تو اللہ اس کے سابقہ گناہ بخش دیں گے۔

۶۔ حسبہ بمعنیٰ رک جانا بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ الماوردی [2] فرماتے ہیں کہ یہ لفظ حسبک سے مشتق ہے محتسب بھی لوگوں کے حقوق میں کمی کرنے والوں سے ان کا تحفظ کرتا ہے۔ نحاس [3] کہتے ہیں کہ اصل میں وہ لوگوں کے مفادات کے تحفظ کی سعی کرتا ہے۔ [4]

۷۔ حسب یحسب سے ایک مصدر الحسبان آتا ہے جس میں دو لغات ہیں ایک معنیٰ عذاب ومصیبت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ویُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبانا مِن السَّماءِ﴾ [5]

ترجمہ: اور تیرے باغ پر آسمان سے آفت بھیج دے گا۔

---

[1] أبو داود سليمان بن داود بن الجارود الطيالسي البصري (المتوفى: 204ھ)، مسند أبي داود الطيالسي، المحقق: الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي، دار هجر – مصر، 1419ھ-1999م، 4/115، ح: 2481

[2] أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي مکمل نام ونسب ہے جبکہ الماوردي کے نام سے مشہور ہیں شافعی فقیہ واصولی تھے بصرہ کے قصبہ بیع ماء الورد میں ۳۶۴ بمطابق ۹۷۴ پیدا ہوئے اور بصرہ ہی میں پرورش پائی، نیشاپور کے قاضی بھی رہے خلفائے عباسیہ اور بنی بویہ کے درمیان سفارت کا کام سے بھی منسلک رہے اور بغداد میں علوم عربیہ کے مدرس کی خدمات بھی انجام دیں اور ۴۵۰ھ بمطابق ۱۰۵۸ بغداد میں فوت ہوئے۔ (تاريخ بغداد، أبو بكر أحمد بن علي الخطيب البغدادي (المتوفى: 463ھ)، المحقق: الدكتور بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي - بيروت، 1422ھ-2002م، 13/587

[3] أبو جعفر النَّحَّاس أحمد بن محمد بن إسماعيل بن يونس المرادي مکمل نام ونسب ہے ۳۳۸ھ بمطابق ۹۵۰ مصر میں بعہد خلیفہ مطیع اللہ عباسی فوت ہوئے مفسر، ادیب، نحوی اور صاحب تصانیف عالم تھے۔ (نزهة الألباء في طبقات الأدباء، عبد الرحمن بن محمد بن عبيد الله الأنصاري، أبو البركات، كمال الدين الأنباري (المتوفى: 577ھ)، المحقق: إبراهيم السامرائي، مكتبة المنار، الزرقاء– الأردن، 1405ھ-1985م، 1/217

[4] أبو جعفر النَّحَّاس أحمد بن محمد بن إسماعيل بن يونس المرادي النحوي (المتوفى: 338ھ)، عمدة الكتاب، المحقق: بسام عبد الوهاب الجابي، دار ابن حزم - الجفان والجابي للطباعة والنشر، 1425ھ-2004م، 1/118۔ اسلام کا نظام حسبہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، مترجم ڈاکٹر حافظ اکرام الحق یٰسین، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، مارچ 2016، ص 15، 14

[5] سورة الكهف: 18/40

یعنی: آگ. اسی طرح الْجَرَاد والعجاج کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ابو زیاد کہتے ہیں الحُسبانُ کا مطلب شرّ وبلاء ہے۔الحُسبانُ کا دوسرا معنیٰ چھوٹے تیر اور اس کا واحد حُسْبانَةٌ ہے۔[1]

صاحب المقاییس اللغة[2] نے حسب کے چار اصول ذکر کیے ہیں۔

پہلا اصول: گنتی کے لیے جیسے تو کہے۔

"حَسَبْتُ الشَّيْءَ أَحْسُبُهُ حَسْبًا وَحُسْبَانًا."

جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

﴿الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾ [3]

ترجمہ: سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

﴿اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾ [4]

ترجمہ: پڑھ اپنا نامہ اعمال، آج اپنا حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔

اسی سے حسبان بمعنیٰ گمان آتا ہے اور ان دونوں یعنی گنتی اور گمان میں فرق حرکت وتصریف کی تبدیلی سے کیا جاتا ہے تو اس کا ایک معنی یہ ہوا کہ جب کوئی کہے، حسبته كذا، تو گویا یہ وہ چیز ہے جسے ہونے والے کاموں میں سے شمار کیا جاتا ہے اسی طرح وہ مفاخر بھی جو انسان اپنے آبا میں شمار کرتا ہے اور اسی سے الحسبة ہے کیونکہ انسان اللہ کے پاس اجر کو شمار کرتا ہے۔

دوسرا اصول: الکفایة جیسے تو کہے شَيْءٌ حِسَابٌ، یعنی کافی. اسی طرح کہا جاتا ہے: أَحْسَبْتُ فُلَانًا، جب میں نے اسے دیا تو وہ راضی ہو گیا۔

---

[1] المحکم والمحیط الأعظم، 3/207

[2] أبو الحسین أحمد بن فارس بن زکریاء الرازي نام ونسب ہے۔ مفسر قرآن، ادیب وامام لغت اور صاحب کثیر التصانیف عالم تھے۔۳۲۹ھ بمطابق ۹۴۱ء قزوین میں پیدا ہوئے ہمدان میں تعلیم حاصل کی اور ری میں سکونت اختیار کی اور ری میں ہی ۳۹۵ھ بمطابق ۱۰۰۴ء فوت ہوئے۔ (وفیات الأعیان وأنباء أبناء الزمان، 1/118۔ الوافي بالوفیات، صلاح الدین خلیل بن أیبک بن عبد اللہ الصفدي (المتوفى: 764ھ)، المحقق: أحمد الأرناؤوط وترکي مصطفى، دار إحیاء التراث – بیروت، 1420ھ- 2000م، 7/181 الأعلام، خیر الدین بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزرکلي الدمشقي (المتوفى: 1396ھ)، دار العلم للملایین، أیار / مایو 2002م، 1/193

[3] سورة الرحمٰن: 55/5

[4] سورة الاسرا: 17/14

تیسرا اصول: الحُسْبَانُ، سے آتا ہے اور یہ حُسْبَانَةٍ، کی جمع ہے۔

وَهِيَ الْوِسَادَةُ الصَّغِيرَةُ. وَقَدْ حَسَّبْتُ الرَّجُلَ أُحَسِّبُهُ، إِذَا أَجْلَسْتَهُ عَلَيْهَا وَوَسَّدْتَهُ إِيَّاهَا.

اور اسی سے لوگوں کا قول، أَصَابَ الْأَرْضَ حُسْبَانٌ، یعنی ٹڈی. اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے۔

﴿وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِنَ السَّمَاءِ﴾ [1]

ترجمہ: اور وہ اس پر آسمان سے آفت (یعنی اولے) بھیجے گا۔

چوتھا اصول: الْأَحْسَبُ سے ہے اور یہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس کی جلد بیماری کی وجہ سے سفید ہو جائے اور بال گر جائیں گویا وہ برص والا ہو۔[2]

لفظ الحسبہ کئی معانی کے لیے مستعمل ہے اور ان سب معانی میں کسی قدر مطابقت پائی جاتی ہے جیسے کافی ہونا، کفایت کرنا، بے اعتدالی پر محاسبہ و مواخذہ کرنا، گمان و خیال کرنا، خاندانی شرف والا ہونا، انتظام وانصرام کرنا، اچھی نیت، حساب و گنتی وغیرہ ان سب معانی میں الحسبہ اور اس سے ملتے جلتے الفاظ استعمال ہوتے ہیں ۔ نظام الحسبہ واحتساب میں یہ سب امور شامل ہیں اور اگر ان سب کو محتسب وحسیب میں دیکھا جائے تو اس میں بھی یہ خواص پائے جاتے ہیں یعنی محتسب مظالم و تعدی اور لوگوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کفایت کرتا ہے، وہ مختلف امور کی نگرانی کرتا ہے اور بے اعتدالی کی صورت میں مناسب اقدامات کرتا ہے، مظالم و بے قانونی پر بطور مواخذہ سزا بھی دیتا ہے، لوگوں کے امور کی نگرانی کرتا ہے اور سب امور مہمہ پر اجر و ثواب کی نیت رکھتا ہے۔

حسبہ کا اصطلاحی مفہوم:۔

حسبہ امر بالمعروف کا نام ہے جب کہ اسے علی الاعلان ترک کیا جا رہا ہو اور نہی عن المنکر ہے جب کہ علی الاعلان اس کا ارتکاب ہو رہا ہو اور محتسب وہ شخص ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دیتا ہے۔[3]

---

[1] سورۃ الکھف، آیت:40

[2] أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني الرازي، أبو الحسين (المتوفى:395ھ) معجم مقاییس اللغة، المحقق: عبد السلام محمد هارون، دار الفکر، 1399ھ-1979م،2/59تا61

[3] عبد الکریم زیدان، أصول الدعوة، مؤسسة الرسالة، 1421ھ-2001م،1/174

امام ابن خلدون[1] کہتے ہیں۔

حسبہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے متعلق خالص دینی امر ہے اور یہ ایسا امر ہے جسے مسلمانوں کے امور کے قائم کرنے والے یعنی حاکم پر فرض ہے کہ وہ اہل شخص کو اس کام پر متعین کرے محتسب کے معاون وانصار مقرر کرے جو منکرات پر بحث کریں اور مجرموں کو بطور تادیب سزائیں دیں۔[2]

احتساب امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مجموعہ کا نام ہے عدل واخلاق بھی اس میں شامل ہیں غرض ہر وہ کام جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے یعنی وہ تمام امور جن کا تعلق اخلاق ومعاشرت، تہذیب وتمدن ،صنعت وحرفت، قانون ودستور اور مذہب وسیاست سے ہے۔ ان میں احکام خداوندی اور تعلیمات محمدی ﷺ کے مطابق عمل کرنا معروف کہلاتا ہے اور اس کے برعکس منکر کا اطلاق ہر اس طرز عمل اور زاویہ فکر پر ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ناپسند فرمایا ہو۔ اسلامی نظام حیات کے ہر شعبہ کو دجل وفریب، منافقت وریاکاری، ذخیرہ اندوزی اور ظلم وزیادتی سے پاک کرنا نہی عن المنکر کہلاتا ہے۔[3]

محمد رافت عثمان کہتے ہیں کہ حسبہ ایسا خالص دینی امر ہے جو قضا سے مشابہ ہے جسے اسلامی تاریخ سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور یہ حسبہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فکر پر قائم ہوتا ہے۔[4]

حسبہ حقوق اللہ سے متعلق کسی منکر یعنی ناپسندیدہ کام سے روکا جائے تاکہ جس کو منع کیا جارہا ہے وہ برائی کے ارتکاب سے رک جائے۔[5]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

---

[1] عبد الرحمن بن محمد بن محمد بن الحسن الحضرمي الاشبيلي نام ونسب، ولي الدين لقب، أبو زيد كنيت اور ابن خلدون کے نام سے معروف ہیں۔ اپنے زمانے کے عظیم فلسفی ومورخ، ادیب اور صاحب تصانیف مالکی فقیہ تھے۔ ۷۳۲ھ بمطابق ۱۳۳۲ تیونس میں پیدا ہوئے اور ۸۰۸ھ بمطابق ۱۴۰۶ قاہرہ میں فوت ہوئے۔ (ذيل التقييد في رواة السنن والأسانيد، محمد بن أحمد بن علي، تقي الدين، الحسني الفاسي (المتوفى:832ھ)، المحقق: كمال يوسف الحوت، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، 1410ھ/1990م، 2/100-101۔ الاعلام للزرکلی، 3/329

[2] عبد الرحمن بن محمد بن محمد، ابن خلدون أبو زيد، ولي الدين الحضرمي الإشبيلي (المتوفى:808ھ)، ديوان المبتدأ والخبر في تاريخ العرب، المحقق: خليل شحادة، دار الفكر، بيروت، 1408ھ-1988م، 1/280

[3] پروفیسر شہباز احمد چشتی، پاکستان میں اسلامی نظام احتساب (خدوخال اور لائحہ عمل)، زاویہ پبلشرز لاہور، ص:46

[4] محمد رأفت عثمان، النظام القضائي في الفقه الإسلامي، الناشر: دار البيان، 1415ھ، 1994م، 1/147

[5] ضياء الدين، محمد بن محمد بن أحمد بن أبي زيد بن، (المتوفى:729ھ)، معالم القربة في طلب الحسبة، دار الفنون «كمبردج»، 1/21

" أَصْلُ ذَلِكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ جَمِيعَ الْوِلَايَاتِ فِي الْإِسْلَامِ۔۔۔"[1]

ترجمہ: معلوم ہو کہ اسلام میں تمام وزارتوں کی ایک ہی غرض وغایت ہے کہ دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔

ان تمام ولایات میں یہ بنیادی طور پر شرعی ولایت و دینی منصب ہے تو ان ولایات میں سے جس نے علم کے ساتھ عدل کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی حتی المقدور اطاعت کی تو ایسا محتسب متقی صالحین میں سے ہے اور جس نے ظلم کیا اور جہالت کے ساتھ اس میں عمل کیا تو گناہگار ظالموں میں سے ہے اور اللہ کا یہ قانون ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ، وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ﴾[2]

ترجمہ: بیشک نیکوکار جنت میں اور گناہ گار جہنم میں ہیں۔

تو جب ایسا ہے تو سپہ سالاری بھی اس زمانے کے شامی و مصری عرف کے مطابق اقامت حدود کے ساتھ خاص تصور کی جائیگی ایسی حدود کہ جس میں اتلاف کیا جاتا ہے جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا، جنگی سزائیں وغیرہ اور وہ سزائیں جس میں اتلاف نہیں ہوتا جیسے چور کو کوڑے، جھگڑوں کے فیصلے اور ایسی تہمتیں جن میں کوئی ثبوت و گواہ نہ ہو، یہ سب حسبہ میں داخل ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ محتسب وہ ہے جو امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فرض انجام دے اور یہ والیوں، قاضیوں اور اہل دیوان کے خصائص کے علاوہ ہے اسی طرح یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایسا حکم جو لوگوں پر کسی دعویٰ پر موقوف نہ ہو یعنی اس میں دعویٰ ضروری نہیں، تو یہ ولایت حسبہ ہے۔[3]

السنامی[4] کہتے ہیں احتساب یہ ہے کہ معروف کو جب چھوڑ دیا جائے تو اس کے چھوڑنے کے ازالہ کا حکم دینا امر بالمعروف اور منکر کو کیا جائے تو اس کے ازالہ کا حکم دینا نہی عن المنکر ہے۔

---

[5] تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن عبد الله بن أبي القاسم بن محمد ابن تيمية الحراني الحنبلي الدمشقي (المتوفى: 728ھ)، الحسبة في الإسلام، أو وظيفة الحكومة الإسلامية، دار الكتب العلمية: 1/ 272

[2] سورۃ انفطار: 82/ 13

[3] الحسبة في الإسلام، 1/ 15

[4] عمر بن محمد بن عوض نام، ضیاء الدین لقب اور السنامی نسبت ہے۔ تفسیر قرآن، امور انتظامیہ میں مہارت رکھنے والے حنفی عالم تھے۔ یمن اور یمامہ درمیان ایک قصبہ السنام کی طرف منسوب ہیں۔ ارض ہند میں پیدا ہوئے اور پرورش پائی ۶۹۶ھ بمطابق ۱۲۹۷ فوت ہوئے۔ عمر کا ایک بڑا حصہ نظام الحسبہ سے منسلک رہے پوری عمر بدعات و مناکیر کے خلاف جدوجہد کرتے رہے۔ نصاب الاحتساب ان کی مشہور کتاب ہے۔ (الإعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام المسمى بـ (نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر)، عبد الحي بن فخر الدين بن عبد العلي الحسني الطالبي (المتوفى: 1341ھ)، دار ابن حزم - بيروت، لبنان، 1420ھ، 1999م، 2/ 182

" الْحِسْبَة فِي الشَّرِيعَة عَام تتنَاوَل كل مَشْرُوع "[1]

ترجمہ: حسبہ میں ہر شرعی کام کہ جسے اللہ تعالیٰ کی خاطر کیا جائے شامل ہے اور یہ عرف میں چند امور کے ساتھ مخصوص ہے۔

کشف الظنون میں علم الاحتساب کے بارے مذکور ہے کہ وہ ایسا علم ہے جو اہل شہر کے درمیان واقع ہونے والے روزمرہ کے معاملات سے کہ جن کے بغیر تمدن کی تکمیل نہیں ہو سکتی، اس طرح بحث کرتا ہے کہ فریقین میں مکمل رضامندی کے قیام کی غرض سے عدل وانصاف کے مطابق چلانا کیونکر ممکن ہے۔ علم الاحتساب کا مقصد عوام کی اصلاح کے لیے حسب ضرورت اور بقدر ضرورت زجر و توبیخ ہے اس کام کی خاطر لوگوں کو اچھائیوں کا حکم دیا جاتا ہے اور برائیوں سے روکا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان تنازعات، فخر ومباہات پیدا نہ ہوں اور نہ ہی ایک دوسرے سے بلا وجہ تجاوز کی کوشش کریں یہ حکومت کی صوابدید پر ہے کہ لوگوں کو باز رکھنے کے لیے مناسب طریقے اختیار کرے اس کے بعض اصول و قواعد فقہی ہیں بعض استحسان پر مبنی ہیں کہ جن کے بارے حکومت ہی فیصلہ کرنے کی مجاز ہے اور اس کا فائدہ شہروں کے امور کو بہتر طریقے سے چلانا ہے۔[2]

یہ ایک نگران ادارہ ہے جو حکومت قائم کرتی ہے اور اسے اسکے خاص ملازمین چلاتے ہیں۔ اس کا مقصد اخلاق، مذہب اور اقتصادیات کے دائرے میں افراد کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا ہے یعنی ان کی عام اجتماعی سرگرمیوں کی نگہداشت ہو، تاکہ عدل وانصاف اور اقتدار اعلیٰ کو بروئے کار لایا جاسکے اور اس معاملہ میں شریعت اسلامی اور مختلف زمانوں اور علاقوں میں جو معروف وپسندیدہ طریقے مروج ہیں ان کی روشنی میں اس اہم کام کو سرانجام دیا جاسکے۔[3]

حاصل کلام یہ ہے کہ حسبہ واحتساب اسلامی ریاست میں ایسا نگران ادارہ ہے جس کی بنیاد اوامر الٰہی اور منہیات الٰہی کی عظمت کو معاشرے میں قائم کرنا ہے اور اس سے معاشرے کی اصلاح وابستہ ہے۔ یہ ادارہ ملکی سالمیت اور عامۃ الناس کے مصالح کا تحفظ کرنے والا ادارہ ہے اس کا دائرہ کار اتنا وسیع ہے کہ اسی نظام کے تحت حاکم وقت کا بھی احتساب ہوتا ہے اور رعایا کا بھی، تجار وصنعت کار ہوں یا خریدار، عہدے داران بالا ہوں یا ماتحت سب

---

[1] عمر بن محمد بن عوض الحنفي (المتوفى: 734ھ)، نصاب الاحتساب، 1/ 83

[2] مصطفى بن عبد الله كاتب جلبي القسطنطيني الحاج خليفة (المتوفى: 1067ھ)، كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، مكتبة المثنى- بغداد، 1941م، 1/ 1

[3] ڈاکٹر ایم ایس ناز، اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، 1999، ص: 65

افراد کی اصلاح کا ضامن نظام الحسبہ ہے اور یہ سب کی اصلاح کے لیے ایک منظم نظام ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی ادوار میں ایسے حکمران ووالی گزرے ہیں جو بذات خود محتسب تھے اور ساتھ ساتھ محتسب کا تقرر بھی کرتے تھے۔ محتسب بے باکی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہر بے اعتدالی پر چاہے وہ حاکم سے سرزد ہو یا عوام سے،اس کا احتساب کرتا تھا اور جہاں بطور تادیب سزا کی ضرورت ہوتی سزا بھی دیتا مگر احتساب شعبہ قضا کا مترادف نہیں کیونکہ قضا میں باقاعدہ گواہوں اور ثبوتوں کی بناپر فیصلہ کیا جاتا ہے اور پھر انتظامیہ اس پر عمل درآمد کرواتی ہے جبکہ حسبہ میں محتسب فوری سزا بھی دیتا ہے اور وعظ ونصیحت سے اصلاح کی بھی کوشش کرتا ہے۔

فصل دوم

شریعت اسلامی میں حسبہ کا تصور اور اہمیت

شریعت اسلامی میں حسبہ کا تصور:۔

حسبہ چونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے عبارت ہے اور معروف کی ترویج اور منکرات کی روک تھام حسبہ واحتساب کی بنیاد ہے اس لیے وہ تمام امور جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں آتے ہیں، احتساب میں شامل ہیں چاہے وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد جیسے ارشاد ربانی ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾[1]

ترجمہ: بیشک اللہ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے، رشتہ داروں کو دینے، فحاشی، منکر وبغاوت سے رکنے کی نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

یہ آیت کریمہ حسبہ میں بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے جو امور بیان کیے ہیں وہی حسبہ سے مقصود ہیں یعنی محتسب کا کام ہے کہ وہ عدل واحسان کا حکم کرے عدل واحسان کے قیام کی مساعی کرے، راہ خدا میں دینے، رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی ترغیب دے تاکہ معاشرے میں انس ومحبت اور ایثار وقربانی کے احساس کی فضا پیدا ہو۔ منکر وبغاوت سے رکنے کی نصیحت کرے اور جہاں تادیبی کاروائی کی ضرورت ہو وہاں سزا بھی دے تاکہ ریاستی نظام تعطل کا شکار نہ اور امن وعافیت اور سلامتی پیدا ہو کیونکہ منکرات سے ایک تو اللہ کی مدد نہیں آتی دوسرا اس کے معاشرے پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں پھر بغاوتیں پیدا ہوتی ہیں جن سے ملکی سالمیت اور مصالح عامۃ الناس متاثر ہوتے ہیں۔

اسی طرح تمام آیات جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ آیات حسبہ کی مشروعیت کی دلیل ہیں اور قرآن کریم میں حسبہ کے مختلف اسالیب مذکور ہیں جیسے کبھی تو اللہ تعالیٰ کسی کام کا حکم دیتے ہیں، کہیں اللہ تعالیٰ نے مومنین کا اسے وصف لازم قرار دیا ہے اور اسے اس امت کی خیریت کا سبب قرار دیا ہے جیسے ارشاد ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[2]

---

[1] سورۃ النحل:16/90

[2] سورۃ آل عمران:3/110

ترجمہ: تم بہترین اُمت ہو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے نکالے گئے ہو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آئیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے، ان میں سے کچھ مومن اور اکثر فاسق ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امت کی خیریت کا سبب ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو قرار دیا ہے اور نظام حسبہ کی بنیاد ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے اور اوامر و نواہی کے بیان کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کتب نازل کی ہیں ان کے مطابق زندگی کو ڈھالنا محتسب کی ذمہ داری ہے اس آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے فاسق یعنی دین اسلام سے خارج ہونے کا سبب اپنی کتب سماوی کی عدم پیروی کو قرار دیا ہے اور ان کی بہتری کو ایمان علی محمد ﷺ کے ساتھ مشروط کیا ہے کیونکہ امام طبری کے مطابق ان کی کتب آپ ﷺ کی بشارات سے بھری ہوئی ہیں ان پر لازم تھا کہ اپنی کتب پر عمل پیرا ہوتے ہوئے محمد ﷺ کی تصدیق کرتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔[1]

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

﴿يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ [2]

ترجمہ: وہ لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سبقت اختیار کرتے ہیں اور وہی لوگ صالحین میں سے ہیں۔

اور اس کی غایت کے طور پر وضاحت کی گئی ہے کہ اگر ان کو زمین میں قرار و حکومت دی جائے تو یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو رواج دیں گے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [3]

ترجمہ: تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے اور وہی لوگ فلاح یاب ہیں۔

ایسے ہی ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

---

[1] محمد بن جریر، أبو جعفر الطبري (المتوفى: 310ھ)، جامع البيان في تأويل القرآن، 1420ھ-2000م، 7/107

[2] سورۃ آل عمران: 3/114

[3] سورۃ آل عمران: 3/104

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾[1]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں حکومت دیں تو یہ نماز قائم کریں گے زکاۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔

ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو صالحین کا وصف قرار دیا ہے اور معاشرے کی ترقی ہی اسی میں ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو پیدا کرے جن میں ایسی صفات ہوں جو معاشرے کو صالح بنا کر اللہ کی خوشنودی اور ابدی راحت بصورت جنت حاصل کریں یہ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی جیسے دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا وصف بیان کیا کہ اگر ان کو حکومت دی جائے تو یہ وہی کام کریں گے جو اللہ چاہتے ہیں جن سے معاشرہ درست ہوتا ہے اس کے لیے نماز وزکاۃ کے نظام کا قیام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نظام قائم کرنا ان کا وصف قرار دیا ہے اور یہ سب امور نظام حسبہ میں مطلوب ہیں۔

اور اس کو ترک کرنا لعنت کا مستحق ٹھہرنا ہے جیسے ارشاد فرمایا۔

﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ، كَانُوا لا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾[2]

ترجمہ: بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، ان پر داود، عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی ہے کیونکہ وہ سرکش ہوگئے تھے اور حد سے بڑھ گئے تھے۔

احادیث نبویہ ﷺ میں احتساب وحسبہ سے متعلق ہدایات:۔

سنت نبوی ﷺ سے ایسی کئی نصوص ہیں جو نظام حسبہ کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں جیسے ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

(مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ)[3]

ترجمہ: جو شخص برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

---

[1] سورۃ الحج:41/22

[2] سورۃ المائدہ:78/5

[3] مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى:261ھ)، المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، دار إحياء التراث العربي–بيروت، باب بیان کون نہی عن المنکر، 69/1، ح:78

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برائی کو روکنے کے لیے طاقت کا استعمال کیا جاسکتا ہے اور جہاں طاقت کے ذریعے ممکن نہ ہو وہاں زبان سے برائی کی مذمت اور اسے روکنے کی کوشش کی جانی چاہیے اور یہ دو مضبوط ایمان کے درجے ہیں اور محتسب بھی یہی کرتا ہے جہاں تک ممکن ہو ہاتھ سے برائی کو روکنے کی کوشش کرتا ہے جہاں ضرورت ہو تعزیر کے طور پر سزا دے سکتا ہے اور جہاں وعظ وارشاد کے ذریعے احتساب کی ضرورت ہو وہاں صرف وعظ سے ہی کام لے سکتا ہے تو جب ایسا معاشرہ پیدا ہو گا کہ برائی کو ہاتھ یا زبان سے مٹانا ممکن ہو تو لوگوں کے دلوں میں منکرات سے نفرت پیدا ہو گی اور وہ بھی برائی کو روکنے کی مساعی کرتے رہیں گے کم از کم درجہ میں برائی کو دل سے تو برا جانیں گے۔

(لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُسَلِّطَنَّ اللهُ عَلَيْكُمْ شِرَارَكُمْ، ثُمَّ يَدْعُو خِيَارُكُمْ، فَلاَ يُسْتَجَابُ لَهُمْ)[1]

ترجمہ: تم نیکی کا حکم کرو اور برائی سے منع کرو، اگر ایسا نہ کرو گے تو تم پر اللہ تم ہی سے برے لوگ مسلط کر دیں گے پھر تمہارے اچھے لوگ دعائیں مانگیں گے تو ان کی دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی۔

(أَفْضَلُ شُهَدَاءِ أُمَّتِي رَجُلٌ قَامَ إِلَى إِمَامٍ جَائِرٍ فَأَمَرَهُ بِالْمَعْرُوفِ، وَنَهَاهُ عَنْ الْمُنْكَرِ فَقَتَلَهُ عَلَى ذَلِكَ)[2]

ترجمہ: میری اُمت کا اُفضل شہید وہ ہے جو ظالم امام کے سامنے کھڑا ہو اور اسے نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرے تو امام اسے اس فعل کی پاداش میں قتل کر دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محتسب کا کام حکمرانوں کو بھی وعظ و نصیحت کرنا اور انہیں ظلم و جور سے روکنا بھی ہے اور اسے حاکم وقت کے جور و ظلم سے نہیں ڈرنا چاہیے بلکہ وہ اپنے فرائض کو عمدگی کے ساتھ انجام دے اور اگر حاکم محتسب کو امر بالمعروف پر سزا کے طور پر قتل کر دے تو وہ اس اُمت کا اُفضل شہید ہے۔

امر بالمعروف کو چھوڑ دینا ہلاکت و بربادی کا باعث ہے اور ایسی قوم کو حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے بری قوم قرار دیا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

---

[1] اُبو عبد اللہ اُحمد بن محمد بن حنبل الشیبانی (المتوفی: 241ھ)، مسند الإمام اُحمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالۃ، 1421ھ-2001م، 38/332، حدیث حذیفہ بن الیمان، ح: 23301

[2] سلیمان بن اُحمد بن اُیوب الشامی، اُبو القاسم الطبرانی (المتوفی: 360ھ)، مسند الشامیین، مؤسسۃ الرسالۃ- بیروت، 1405-1984, 4/356، ح: 3541

(بِئْسَ الْقَوْمُ قَوْمٌ لَا يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ)[1]

ایسی قوم کے لیے ہلاکت ہے جو انصاف کا حکم نہیں کرتی اور ہلاکت ہے اس قوم کے لیے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرتی۔

اسی طرح آپ ﷺ کے کئی اقوال ہیں جو مظالم سوق یا بازار و تجارت کی اصلاح پر دلالت کرتے ہیں جیسے آپ ﷺ نے فرمایا۔

(الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ، وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ)[2]

ترجمہ: دوسرے شہر سے سامان لانے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔

(لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ)[3]۔

ترجمہ: ذخیرہ اندوزی کرنے والا غلطی پر ہے۔

(دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ اللَّهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ)[4]

ترجمہ: لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ ان کو ایک دوسرے کے ذریعے رزق دیتا ہے۔

(لا يَمْنَعُ أَحَدُكُمْ جَارَهُ أن يغرز خشبته فِي جِدَارِهِ)[5]

ترجمہ: کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنی ہی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے نہ روکے۔

---

[1] أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774ھ)، مسند أمير المؤمنين أبي حفص عمر بن الخطاب، المحقق: عبد المعطي قلعجي، دار الوفاء-المنصورة، 1411ھ-1991م، 2/660

[2] ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني (المتوفى: 273ھ)، سنن ابن ماجه، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء الكتب العربية-فيصل عيسى البابي الحلبي، باب الحكرہ والجلب، 2/728، ح: 2153

[3] أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد العبسي (المتوفى: 235ھ)، مصنف ابن أبي شيبة، المحقق: عادل بن يوسف العزازي وأحمد بن فريد المزيدي، دار الوطن-الرياض، 1997م، 2/169، ح: 655

[4] محمد بن عيسى بن سورة، الترمذي، أبو عيسى (المتوفى: 279ھ)، السنن الترمذي، المحقق: بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي-بيروت، 1998م، باب ماجالايبيع حاضر للباد، 2/517، ح: 1223

[5] مالک بن أنس بن مالک (المتوفى: 179ھ)، موطأ الإمام مالک، المحقق: بشار عواد معروف- محمود خليل، مؤسسة الرسالة، 1412ھ، باب القضافی المرفق، 2/467، ح: 2896

رسول اللہ ﷺ خوراک کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے اور اس میں اپنا ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس ہوئی، تو آپ نے غلے کے مالک سے پوچھا: یہ کیا ہے تو اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ یہ بارش سے بھیگ گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

(أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ» ثُمَّ قَالَ: «مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا)[1]

تم نے اسے غلے کے اوپر کیوں نہ رکھا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے اور جس نے ملاوٹ کرکے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

ان تمام احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے معاشرے کی اصلاح کے لیے محتسب کا کردار عملی طور پر ادا کیا اور ایسے فرامین ارشاد فرمائے جن پر عمل پیرا ہو کر ایک اسلامی ریاست احتساب کے نظام کو بہتر سے بہتر انداز سے اپنا سکتی ہے۔

نظام حسبہ کا بنیادی مقصد:۔

دین اسلام کا کوئی بھی حکم انسانی عقل کے لیے نقصان دہ نہیں ہے اور نہ ہی جسم کے لیے۔اس کے ساتھ ساتھ انسان کو بے لگام بھی نہیں چھوڑا گیا کہ صرف اپنی عقل کی بنیاد پر فیصلے کرتا رہے بلکہ اس مقصد کے حصول کے لیے وحی کے سلسلہ کو رکھا گیا اور ساتھ ساتھ عقل کے استعمال کا دروازہ بھی کھلا رکھا گیا ہے۔ قرآن میں جابجا انسان کو تفکر و تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔اللہ کے ہر حکم میں حکمت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے کبھی انسان کی سمجھ میں آتی ہے اور کبھی نہیں آتی۔

پانچ مقاصد شریعت جو کہ علماء اسلام نے بیان کیے ہیں جو کہ حفظ دین، حفظ نفس، حفظ عقل، حفظ نسل، حفظ مال ان میں جو بھی چیز آئے گی وہ مصلحت کہلائے گی۔ قرآنی نصوص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی بنیادی ضرورت ہی حفظ دین ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾[2]

ترجمہ: اور میں نے جن اور آدمی نہیں پیدا کیے مگر یہ کہ میری عبادت کریں۔

عبادت صرف چند مخصوص اُمور کی ادئیگی کا نام نہیں بلکہ یہ اصطلاح انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے اور اس دین کی تبلیغ کی وجہ سے اس امت کو خیر امت کا تاج پہنایا گیا ہے۔اس کے ساتھ دعوت کا طریقہ بھی بتادیا گیا کہ عمدہ طریقہ سے دعوت دی جائے۔اب دین کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اُوامر پر مکمل طور پر عمل کیا جائے اور

---

[1] السنن الترمذي، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع،2/597،ح:1315

[2] سورۃ الذٰریات:51/56

منکرات سے مکمل بچا جائے۔حسبہ کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ دین صرف اللہ کا باقی رہے کیونکہ یہ دین انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے ضروری ہے تاکہ اسلامی قوانین کا نفاذ ہو اور معاشرتی بیماریوں کا خاتمہ ہو سکے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور حسبہ میں فرق:۔

الحسبہ کا لغوی و اصطلاحی تصور ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے ملتا ہے جن میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تلقین کی گئی ہے۔بنیادی طور پر ہر مسلمان عاقل و بالغ کا انفرادی اور مسلم معاشرے کا اجتماعی فریضہ ہے کہ وہ حسب استطاعت نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اس کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جبکہ اس انفرادی و اجتماعی فریضہ کی بجا آوری میں حکومت بھی ان معاملات میں ذمہ دار ہے جن میں قوت اور جبر کی ضرورت ہوتی ہے اور افراد ان میں بے اختیار ہوتے ہیں، ایسے فرائض حکومت کا مخصوص ادارہ ہی سر انجام دے سکتا ہے اور الحسبہ ایسے ہی اجتماعی دینی ادارے کا نام ہے جس کی دینی اہمیت و افادیت تاریخ اسلام کے ہر دور میں تسلیم کی گئی ہے۔

حسبہ کی ضرورت و اہمیت:۔

حسبہ کی ضرورت و اہمیت اس امر سے واضح ہے کہ:

ا۔حسبہ وصف ذات باری جل تعالیٰ ہے:۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾[1]

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور رشتہ داروں کو ان کا حق دینے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فحش و منکرات اور سرکشی سے منع کرتے ہیں اللہ تمہیں نصیحت کرتے ہیں تاکہ تم یاد کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معروفات کے حکم دینے اور برائی و منکرات سے روکنے کو اپنا وصف بیان فرمایا ہے۔

2۔حسبہ وصف رسالت مآب ﷺ ہے:۔

جیسا ارشاد ربانی ہے:۔

﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[2]

---

[1] سورۃ النحل:16/90

[2] سورۃ الاعراف:7/157

ترجمہ: وہ (رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔

۳۔ حسبہ انبیا کی بعثت کا مقصد ہے:۔

جیسے ارشاد ہے:۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾[1]

ترجمہ: اور یقیناہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے تاکہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو۔

۴۔ حسبہ مومن مرد و عورت کا بنیادی وصف ہے:۔

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[2]

ترجمہ: مومنین و مومنات ایک دوسرے کے دوست ہیں نیکیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے منع کرتے ہیں۔

اس آیت میں مومنوں کا وصف امر بالمعروف و نہی عن المنکر بیان فرمایا گیا ہے۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ حسبہ ایک خالص دینی امر ہے اور ایسا وصف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے، اپنے رسول اور رسول کی اُمت و متبعین کا خاصہ قرار دیا ہے یہ امر حسبہ کی اہمیت کو واضح کرتا ہے کہ رب العالمین اور اس کا پیغمبر اور اس کے بندے ایک ہی وصف سے متصف ہیں۔

۵۔ مصائب وآفات انسانی اعمال کا نتیجہ ہیں:۔

اس کی اہمیت و ضرورت اس امر سے بھی واضح ہے کہ دنیا میں انسان پر مصائب وآفات انسان کے اعمال کی وجہ سے آتی ہیں جیسے اعمال ہونگے اس کے مطابق اس سے دنیا میں معاملہ کیا جاتا ہے کیونکہ انسان کو بلاوجہ و بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا بلکہ اس کو ذمہ دار بنایا گیا ہے اور اس سے پوچھ گچھ ہو گی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى﴾[3]

ترجمہ: کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔

---

[1] سورۃ النحل:16/36

[2] سورۃ التوبۃ:9/71

[3] سورۃ القیامۃ:75/36

یعنی انسان پر مصائب تادیب (فسق بحالت ایمان ہو تو)، انتقام (فسق وعدوان ایسا ہو کہ اس کی تلافی نہ کی جاسکے سوائے انتقام کے) یا استیصال کے لیے (اگر کفر وعدوان اللہ کے راہ میں حائل ہو) آتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾[1]

ترجمہ: اور جو بھی مصیبت انسان کو پہنچتی ہے وہ اس کی کمائی ہوئی ہے اور اللہ تو بہت سوں کو معاف کرتا ہے۔

تو اللہ چاہتے ہیں کہ انسان اس کا مطیع ومنقاد بن کر فلاح پالے تو اگر کوئی گناہ کرتا ہے یا ایک گروہ گناہ میں ملوث ہے اور دوسرے لوگ اسے روکنے کی جسارت نہیں کرتے تو سب ہی گناہ گار ہونگے اور وہی مصیبت دوسروں کو بھی پہنچے گی جیسے قوم موسیٰؑ کے بچھڑے کی عبادت کرنے سے نہ روکنے والے گروہ کے ساتھ معاملہ کیا گیا تھا۔

۶۔ برائی کو مٹانا سلامتی ہے:۔

برائی کو نہ مٹانا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب لوگ برائی کو دیکھیں اور اسے ختم نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔[2] جبکہ مسند الحمیدی میں ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا مواخذہ نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ کا عذاب ان کو لپیٹ لے۔[3] یہی وجہ ہے کہ انسان چاہے جتنے بھی اچھے اعمال انفرادی طور بجالائے مگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو چھوڑ دے تو اسے اچھے اعمال اس فریضہ کے چھوٹنے سے عذاب سے نہیں بچاسکتے جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اہل قریہ عذاب میں مبتلا کیے گئے حالانکہ ان کے اٹھارہ ہزار اعمال انبیا علیہم السلام جیسے تھے تو اس پر اصحاب کرامؓ نے پوچھا کہ کیسے عذاب میں مبتلا کیے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اللہ کے لیے غضبناک نہیں ہوئے، انہوں نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ترک کیا تھا۔[4]

---

[1] سورۃ الشوریٰ: 30/42

[2] مسند الإمام أحمد، 178/1

[3] أبو بكر عبد الله بن الزبير بن عيسى (المتوفى: 219ھ)، مسند الحميدي، حقق نصوصه وخرج أحاديثه: حسن سليم أسد الدَّارَانيّ، دار السقا، دمشق-سوريا، 1996م، 149/1، ح: 3

[4] یہ روایت کسی مستند متن حدیث سے نہیں ملی البتہ تفسیر روح البیان اور معالم القربہ میں مذکور ہے (روح البيان، إسماعيل حقي بن مصطفى، المولى أبو الفداء (المتوفى: 1127ھ)، دار الفكر-بيروت، 74/2۔ معالم القربة في طلب الحسبة، 18/1

۷۔حسبہ کی ضرورت واہمیت اس کے دائرہ کار سے بھی واضح ہوتی ہے:۔

اس کے تحت ذیل امور آتے ہیں۔

1- اَمر بالمعروف ونھي عن المنکر، مجمع عام میں حسب ضرورت وعظ ونصیحت۔

2- کیل ووزن کے اوزان وپیمانوں اوران کی مقادیر کی اصلاح۔

3- بازاروں میں سامان خرید وفروخت کی نگرانی اس طور پر کہ کوئی دھوکہ، ملاوٹ نہ کرسکے اور دھوکہ وفریب کرنے کی اصلاح کے لیے سزا، تعزیر وحدود کے طور پر مواخذہ کرنا۔

4- مصنوعات، کاریگر، اور مصنوعات کے خریدار کی نگرانی کرنا اور ان پر نظر رکھنا کہ کہیں دھوکہ وفریب تو نہیں ہورہا اور اگر ان میں تنازعات پیدا ہو جائیں تو ان میں فیصلہ کرنا۔

5- مختلف نقود وثمن پر نظر رکھنا کہ کہیں جعلی وکھوٹے سکے سے دھوکہ نہ دیا جاسکے۔

6- مختلف ایسے معاملات میں اختلافات اور تنازعات کہ جن میں عدالت جانے کی ضرورت نہیں ہوتی ان کو بر موقع حل کرنا، ایسے معاہدات جن پر فقہ اسلامی کا اتفاق ہے ان کی نگرانی کرنا۔

7-معاشرتی جرائم جیسے خیانت، چوری، ملاوٹ، گناہوں پر اصرار، رذیل حرکات کا ارتکاب اور احکام دین کی مخالفت کرنے والوں کو بوقت وقوع جرم فوری کوڑے مارنا۔

8- شریعت کے خلاف ہر نئی چیز یعنی بدعت کی روک تھام کرنا، اسی طرح ذخیرہ اندوزی کیے ہوئے اموال کو منظر عام پر لانا جمعے کے دن اذان ہونے کے بعد بیع وشرا کو روکنا، سودی معاملات کی روک تھام کرنا اسی طرح حرام اشیا کی خرید وفروخت جیسے شراب، خنزیر کا گوشت، بتوں کی خرید وفروخت وغیرہ کی روک تھام کرنا۔

9- غذائی وادویاتی اجناس واشیا کی نگرانی کرنا کہ کہیں مضر صحت اشیا کی خرید وفروخت نہ ہوتی ہو اور اس معاملہ میں دھوکہ سے کام نہ لیا جارہا ہو اسی طرح ادویات کی صنعت کی دیکھ بھال کرنا کہ اس میں کوئی حرام اشیا کا استعمال نہ ہو۔ اسی طرح ہسپتالوں کی نگرانی بایں طور کہ صفائی ستھرائی کا انتظام اچھا ہو۔

10- راستوں اور سڑکوں کی نگرانی کرنا بھی محتسب کی ذمہ داری ہے۔

11- اسی طرح طہارت کے آلات، طہارت کی جگہیں، مساجد ومدارس اجتماعات کی جگہوں، پانی کی چشموں، نہروں وغیرہ پر بھی نظر رکھنا بھی محتسب کی ذمہ داری ہے تاکہ ان چیزوں کے ساتھ جو دینی ومعاشرتی اصلاح کے جو امور مربوط ہیں ان کی نگرانی کی جائے۔[1]

---

[1] الحضارة الإسلامية، عبد الرحمن بن حسن حَبَنَّكَة الميداني الدمشقي (المتوفى: 1425ھ)، دار القلم- دمشق، 1418ھ-1998م، 1/632-634

الغرض محتسب کے فرائض میں جتنے بھی امور شامل ہیں وہ عمومی طور پر دینی ومعاشرتی اصلاح اور احکام خداوندی کی حفاظت کے لیے ہیں جس ملک میں حسبہ کا بہترین نظام قائم ہو گا اس میں معاشرتی برائیاں کم ہو جائیں گی۔ یہ ایک خالص دینی فریضہ ہے جسے آپ ﷺ کی ذات گرامی سے لے کر آج تک ہر مسلم ریاست میں اپنایا گیا ہے۔

فصل سوم

حسبہ کا تاریخی پس منظر

حسبہ قبل از بعثت نبوی:۔

حسبہ واحتساب دین اسلام کا اہم جزو ہے اور دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ وعطا کردہ ابدی قانون ہے اسی لیے یہی دین تمام انبیا کا بھی تھا اسی وجہ سے آدم علیہ السلام سے محمد رسول اللہ ﷺ تک دین کے احکام انبیا کے ذریعے مخلوق خدا کو دیئے جاتے رہے اگرچہ نافرمانی اور غفلت کی وجہ سے لوگ دین چھوڑ دیتے تھے اور پھر ضلالت کے قعر مذلت میں گر جاتے تھے تاہم پھر بھی دین کی مسخ شدہ حالت باقی رہتی تھی جس کو متبعین اپنے اپنے ناموں سے پکارتے تھے ایسا ہی حال اسلام سے قبل مکہ مکرمہ اور اہل عرب کے لوگوں کا تھا کہ وہ اگرچہ بت پرستی وتوہم پرستی جیسے کاموں کے گرویدہ تھے مگر پھر بھی معاشرتی برائیوں کے کنٹرول یا معاشرتی نظام کو بہتر بنانے کے لیے ایسے اصول رکھتے تھے جس سے ان میں ظلم کو روکنے کی تدابیر کی جاتی تھیں جیسے بقول ڈاکٹر ایم ایس ناز پنچایئت، کاہن نظام، اور تحکیم یہ اجتماعی طور پر کیے جانے والے کام تھے جس سے اہل عرب عمل احتساب اور مظالم کو اپنے گمان میں مٹانے کے لیے فیصلے کرتے تھے[1] اس کے علاوہ بعض معاشرتی اخلاق حمیدہ جیسے بھوکوں کو کھانا کھلانا، مظلوموں کی مدد کرنا، بے کسوں کا سہارا بننا وغیرہ امور بھی لوگوں میں موجود تھے اور اسی سلسلے میں حلف الفضول کا معاہدہ بھی ہوا تھا جس میں آپ ﷺ بھی شریک تھے علاوہ ازیں اہل مکہ اپنے آپ کو دین حنیف کا پیروکار کہتے تھے یعنی اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے اس لیے ان میں سے جو کام اہل مکہ کے ہاں تھے ان کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے تھے اسی طرح لقمان حکیم کے مواعظ حسنہ لوگوں میں معروف تھے ان کو سنایا کرتے تھے۔

عہد رسالت مآب ﷺ میں نظام حسبہ:۔

رسول اللہ ﷺ نے عہد جاہلیت کی ہر برائی کو وحی الٰہی اور اللہ کی عطا کردہ حکمت وبصیرت سے مٹایا اور اس دنیا کو ایک نیا نظام حیات عطا فرمایا ہے اس لیے ہر نیکی اور ہر اچھے نظام کی اَصل ابتدا تو آپ ﷺ سے ہی ہوتی ہے جہاں دین کے تمام امور کی ہدایات آپ ﷺ سے ملتی ہیں ایسے ہی حسبہ کا نظام بھی جیسا کہ آپ کی ذات عالی کے اوصاف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾[2]

ترجمہ: وہ نیکی کا حکم کرتے، برائی سے روکتے، طیبات کو حلال قرار دیتے، خبائث کو حرام ٹھہراتے ہیں اور جو ان پر بوجھ ہے تنگی اور طوق کا، اسے دور کرتے ہیں۔

---

[1] اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ص:238

[2] سورۃ الاعراف:157/7

اور یہی امور تو حسبہ میں شامل ہیں گویا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پہلا محتسب قرار دیا ہے۔اس کے علاوہ آپ ﷺ اپنے ارشادات سے معروف کی ترویج کرتے تھے منکرات کی روک تھام کرتے تھے تاہم جب تک باقاعدہ ریاست کی بنیاد نہیں رکھی گئی اس وقت تک باقاعدہ حسبہ کا ادارہ یا حسبہ کا نظام نہیں تھا جب آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی اس وقت ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی اور میثاق مدینہ کی صورت میں دستور دیا گیا جسے نظام حسبہ میں پہلا عملی اقدام بھی قرار دیا جاسکتا ہے اس سے پہلے حسبہ کا نظام انفرادی طور پر تھا اور اس معاہدہ کی رو سے یہ اجتماعی اقدام تھا اور اس کی رو سے تمام افراد پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ ایک دوسرے کی مذموم حرکات پر نظر رکھیں اور اصلاح معاشرہ کی کوشش کریں۔[1] آپ ﷺ کے دور میں عدل وانصاف کے قیام کے لیے، محاصل کی وصولی کے لیے، اصلاح احوال کے لیے اور تزکیہ اخلاق کے لیے مختلف مقامات پر حکام وولاۃ مامور کیے جاتے تھے: باذان بن ساسان[2] کی تقرری بطور والی یمن، شہر بن باذان[3] کی صنعا اور ان کے بعد خالد بن سعید بن العاصؓ کو اسی شہر میں مامور کیا گیا۔مہاجر بن ابی امیہ مخزومیؓ کو کندہ وصدف کا والی بنایا گیا، حضرموت کی ولایت پر زیاد بن لبید انصاریؓ، جند کی ولایت پر معاذ بن جبلؓ، نجران میں عمرو بن العاصؓ، تیما پر یزید بن ابی سفیانؓ، مکہ مکرمہ پر عتاب بن اسیدؓ، عمان پر عمرو بن العاصؓ، بحرین پر علا بن الحضرمیؓ کو والی مقرر کیا اور علی بن ابی طالبؓ کو یمن کے خمس کی وصولی سپرد فرمائی گئی۔[4] ان میں سے ہر صحابی والی وحاکم کے ساتھ ساتھ محتسب کے فرائض بھی سرانجام دیتا تھا۔باقاعدہ طور پر حسبہ کا ادارہ ومحکمہ قائم نہیں تھا جو حاکم ووالی ہوتا وہی محتسب کا کام بھی سرانجام دیتا تھا اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اصلاح معاشرہ اور قیام عدل کے لیے خصوصی ہدایات ملتی تھیں البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض امور پر ذاتی طور پر محاسبہ فرمایا ہے جیسے سالم بن عبد اللہ کی ابن عمرؓ سے روایت ہے

---

[1] اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ص:240

[2] باذان بن ساسان بہرام چوبین کے اولاد سے تھا اور پہلا عجمی حاکم تھا جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے یمن پر حاکم بنایا اور اپنی وفات تک اہل یمن پر حاکم رہا۔(سمط النجوم العوالي، عبد الملك بن حسين بن عبد الملك العصامي المكي (المتوفى: 1111هـ)، المحقق: عادل أحمد عبد الموجود- علي محمد معوض، دار الكتب العلمية- بيروت، 1419هـ-1998م، 2/13

[3] شہر بن باذان حاکم یمن باذان کا بیٹا تھا آپ ﷺ نے اسے صنعا کا حاکم بنایا تھا اور اسود عنسی جھوٹے مدعی نبوت کے ہاتھوں قتل ہوا (البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (المتوفى: 774هـ)، المحقق: علي شيري، دار إحياء التراث العربي، 1408هـ-1988م، 2/277

[4] أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد الجزري، عز الدين ابن الأثير (المتوفى: 630هـ)، الكامل في التاريخ، تحقيق: عمر عبد السلام تدمري، دار الكتاب العربي، بيروت- لبنان، 1417هـ/1997م، 2/196۔ سمط النجوم، 2/13

(رَأَيْتُ النَّاسَ يُضْرَبُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَرَوْا الطَّعَامَ جُزَافًا أَنْ يَبِيعُوهُ حَتَّى يُبْلِغَهُ إِلَى رَحْلِهِ)[1]

کہ میں نے عہد نبوی میں دیکھا کہ لوگ غلہ کے ڈھیر خرید لیتے اور اسے راستے ہی میں فروخت کر دیتے تو ان کو ضرب لگائی جاتی تھی۔

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ اہل سوق پر محتسب مقرر کرنے کی اصل ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر تاجر اپنے معاملات میں احکام شرعی کی خلاف ورزی کریں تو انہیں سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ امام نووی کے نزدیک ولی امر کو بیع فاسد کرنے والے شخص کو تعزیری سزا دینے کے اختیار پر یہ حدیث دلیل ہے۔[2] اسی طرح ایک موقع پر بازار میں غلے کے ایک ڈھیر سے گزرے اور غلے میں ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس ہوئی تو غلے کے مالک سے فرمایا: تم نے اسے غلے کے اوپر کیوں نہ رکھا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے اور جس نے ملاوٹ کر کے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔[3]

اسی طرح عمال وولاۃ کا بھی احتساب فرماتے تھے جیسا کہ ابن الاتبیہ[4] کو وصولی صدقات پر مامور فرمایا ہوا تھا اور جب واپس آئے تو کہنے لگے یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:۔

(فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ، فَيَنْظُرَ يُهْدَى لَهُ أَمْ لَا)[5]

یہ ہدیہ گھر بیٹھے تجھے کیوں نہ ملا اس کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں اس کی مذمت کی اور مسلمانوں کے اموال میں خیانت پر سخت وعیدیں ارشاد فرمائیں۔

---

[1] أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق السجستاني (المتوفى: 275ه)، سنن أبي داود، المحقق: محمد محيي الدين عبد الحميد، المكتبة العصرية، صيدا-بيروت، كتاب البيوع، باب بيع الطعام قبل ان يستوفى، 3/282، ح:3498

[2] أبوزكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى:676ه)، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، دار إحياء التراث العربي-بيروت، 1392، 10/171

[3] صحيح مسلم، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا، 1/99، ح:102

[4] بنو ازد یا بنو اسد سے ایک صحابی ہیں عبد اللہ نام ہے اور ابن الاتبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا تھا تو ان کے ہدیہ لینے پر آپ ﷺ نے ان کا محاسبہ کیا تھا۔ (تهذيب الأسماء واللغات، أبوزكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى:676ه)، دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان، 2/301

[5] البخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري الجعفي، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه، 1422ه، باب من لم يقبل الهدية لعلة، 3/159، ح:2597

المختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے زریں عہد میں اگرچہ نظام حسبہ کا باقاعدہ ادارہ تو نہیں تھا مگر آپؐ کی تعلیمات میں حسبہ سے متعلق احکامات موجود ہیں اور عملی اقدامات کی امثلہ بھی موجود ہیں اور اس کے باقاعدہ ادارہ نہ ہونے کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ آپ خود ہی بطور محتسب اعلیٰ موجود تھے اور آپ کے مقرر کردہ عمال وولاۃ بھی اس فریضہ کو انجام دیتے تھے اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ابھی اسلامی ریاست کی تکمیل کا کام جاری تھا اس لیے باقاعدہ اداروں کا قیام نہیں ہوا تھا بلکہ والی ہی محاسب شمار کیے جاتے تھے۔

عہد خلافت راشدہ میں نظام حسبہ:۔

عہد خلافت راشدہ چونکہ اسلام کا تاسیسی دور تھا اور رسالت مآب ﷺ کے رحلت کے بعد کافی مشکلات کا سامنا بھی تھا اس لیے اس کا ابتدائی دور یعنی عہد صدیقی میں اسلامی نظام کے استحکام، بغاوتوں اور فتنوں کے استیصال کی جانب مسلمانوں کی توجہ رہی جن میں اہم واقعات منکرین زکاۃ و ختم نبوت کے ساتھ جنگیں، بیرونی خطرات بھی تھے جس کی وجہ سے اسلامی لشکر بیک وقت مختلف معرکوں میں مصروف رہتے تھے تاہم پھر بھی اس دور میں جیسے ایک ریاستی نظام کے تحت چلنے والے دوسرے ادارے تھے یا نظام مملکت کے لیے دوسرے شعبوں کے ساتھ ساتھ نظام حسبہ بھی موجود تھا جس کے لیے اگرچہ باقاعدہ ادارہ نہ تھا مگر جیسے عہد نبوی میں رسول اللہ ﷺ بذات خود محتسب اعلیٰ تھے ایسے ہی عہد خلافت راشدہ میں بھی خلفا محتسب اعلیٰ کے فرائض سرانجام دیتے تھے پھر ان کے ماتحت عمال وولاۃ، قضاۃ وغیرہ ان فرائض کو سرانجام دیتے تھے خلفائے راشدین کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ جہاں بھی کوئی عامل ووالی مقرر فرماتے تو ان کو نصائح کرتے اور ان کے متعلق شکایات پر ان کا احتساب بھی کرتے ذیل میں ہم اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں جس سے نظام حسبہ بعہد خلافت راشدہ کی وضاحت ہوتی ہے۔

ابن سعد ذکر کرتے ہیں کہ جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو ابو بکرؓ اہل رائے اور فقیہ صحابہ کرام سے مشورہ کرتے اور مہاجرین وانصار میں سے چند معروف اشخاص جیسے عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابن عوف، معاذؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ کی مجلس مشاورت بلالیتے۔[1] موسم حج میں لوگوں سے پوچھتے تھے کہ کہیں میرے عمال ظلم تو نہیں کرتے، اگر ان کی شکایات ہوتیں تو سنتے ایسے ہی ایک واقعہ حارث بن ہشام نے روایت کیا ہے کہ آپ نے خطبہ دیا اور لوگوں سے پوچھا کہ ہے کوئی جو اپنے اوپر ہونے والے مظالم بتائے یا کسی کا حق کسی نے ضبط کیا ہو؟ تو لوگوں نے آپ کے عمال کی تحسین کی پھر آپ مدینہ واپس ہوئے۔[2] اسی طرح جب آپؓ نے خالد بن ولید کو لشکر کا سالار بنا کر بھیجا تو نصیحت کے

---

[1] اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ص:246

[2] ابن سعد، أبو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع الهاشمي، البغدادي (المتوفى:230ھ)، الطبقات الكبرى، دار الكتب العلمية –بيروت، 1410ھ 1990م، 126/3-

طور پر فرمایا:اے خالد! تجھ پر لازم ہے کہ تو تقویٰ اختیار کرے ،اپنی رعیت سے نرمی کا برتاو کرے،اپنے علاوہ دوسروں پر ایثار کرے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے تحقیق میں نے تجھے بدریین مہاجرین وانصار پر والی بنایاہے ان سے مشاورت کرتے رہنا۔ [1]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی کے عاملین وحکام کو ان کے سابقہ عہدوں پر برقرار رکھا اور اپنے حکام کی تقرری کے وقت انہیں اس انداز میں نصائح فرمائے:جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے گناہ کم کر دیتا ہے اور اجر وثواب بڑھادیتا ہے بے شک اللہ کے بندوں کی بھلائی تقویٰ ہے اور تم اللہ کی ایسی راہ میں ہو جس میں افراط و تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت نہیں برتی جاسکتی۔ جس میں مذہب کے استحکام اور مملکت کی حفاظت مضمر ہے۔ اس لیے سستی وکاہلی اور غفلت سے کام نہ لینا۔ [2]

اسی طرح آپؓ نے فرمایا:جو ایسا عامل مقرر کرے جو رعایا کے حقوق کی حفاظت نہ کرسکے تو ایسے مقتدر وحاکم پر اللہ کی لعنت ہے اللہ اس کو جہنم میں جھونک دے گا چاہے وہ فرائض ونوافل ادا کرتا ہو۔ [3]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رات کو راستوں اور گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کی تکالیف وشکایات سن سکیں تو جن تکالیف سے متعلق علم نہیں ہوتا تھا اور ان کو دور کرنا ممکن ہوتا تو ان کو دور کرتے تھے اور جو ان کی خطائیں اور غلطیاں ہوتیں تو ان کی اصلاح فرماتے تھے پھر جب باقاعدہ نظام حسبہ قائم ہو گیا تو کچھ افراد مقرر کر دیے تھے جو لوگوں کی اغلاط پر مواخذہ کرتے تھے۔ [4] حضرت عمر رضی اللہ عنہ ظلم وجور سے پہلے ہی پیش بندی کے طور پر ایسے کام کرتے تھے جن سے انصاف کی فراہمی میں مدد ملتی تھی جیسا کہ آپ نے حکام وعمال کی تنخواہوں میں اضافہ کیا اور ساتھ ساتھ ان کو سادگی اختیار کرنے کی تلقین بھی کی،روزانہ پیش آنے والے مسائل کا فیصلہ کرنے کے لیے اہل رائے اصحاب کی شوریٰ تشکیل دی جس کے اہم اراکین میں علی المرتضیٰؓ،عبدالرحمان ابن عوف،معاذ بن جبل،ابی بن کعب،زید بن ثابتؓ رضوان اللہ علیہم شامل تھے۔جب بھی کوئی عامل وحاکم مقرر فرماتے تو اسے ان چار باتوں کی نصیحت فرماتے:اہل حاجت کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھنا،کوئی دربان نہ رکھنا،ترکی گھوڑے پر سواری نہ کرنا اور باریک کپڑے نہ پہننا نہ ہی عمدہ کھانا کھانا۔

---

[1] سليمان بن موسى بن سالم، أبو الربيع (المتوفى:634ھ)،الاكتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله صلى الله عليه وسلم والثلاثة الخلفاء،دار الكتب العلمية–بيروت،1420ھ،2/100،97

[2] اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار،ص:247

[3] ایضا،ص:248

[4] الدكتورة نادية شريف العمري، أضواء على الثقافة الاسلامية،مؤسسة الرسالة،1422ھ-2001م،1/186

علاوہ ازیں آپؓ نے پولیس کا محکمہ قائم کیا جسے احداث کہا جاتا تھا جو زنا و سرقہ جیسے کاموں کی ابتدائی رپورٹ دیتا تھا اور پھر ان کے مقدمات شعبہ قضا کے ذریعے فیصل کیے جاتے تھے۔ قدامہ کو مالگزاری پر مامور کیا اور ابوہریرہؓ کو پولیس کی افسری کے لیے مقرر کیا اور ان کے ذمہ یہ امور لگائے: دوکاندار ناپ تول میں دھوکہ نہ دینے پائیں، کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادے، شراب اعلانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ۔[1] حضرت عمرؓ اپنے عمال کا سختی سے احتساب کرتے تھے اور اس میں کسی عہدے کا پاس ولحاظ نہ رکھتے تھے۔ سعد بن ابی وقاصؓ کوفہ کے گورنر تھے اور ان کے گھر کا دروازہ بازار کی طرف کھلتا تھا جس سے آوازیں آتی تھیں اس لیے آپؓ نے اسے بند کرا دیا تو حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو آپ نے وہ دروازہ جلوا دیا تاکہ لوگوں کی فریاد کے لیے کوئی مشکل نہ رہے اسی طرح گورنر مصر کے بیٹے کو محض گھوڑا آگے نکلنے پر کوڑے مارے، حضرت عمرؓ نے عمروؓ، ابن عمر اور اس قبطی کو مدینہ طلب کیا اور بر سر دربار ابن عمرو کو کوڑے لگوائے اور قبطی کو کہا کہ عمروؓ کو بھی کوڑا مارے اگرچہ قبطی اس پر راضی نہیں ہوا۔ پھر عمروؓ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: تم نے کب سے ان لوگوں کو غلام سمجھ لیا ہے حالانکہ ان کی ماوں نے انہیں آزاد جنا ہے۔[2]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے عہد میں حج کے موقع پر تمام عمال کو جمع کرتے اور جس عامل کے متعلق شکایات ہوتیں اس کی تحقیق کرکے اس کا ازالہ کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: مجھے معلوم ہوا ہے بعض عمال بے وجہ لوگوں پر سختی کرتے ہیں اس لیے اعلان عام ہے کہ جس کو مجھ سے یا میرے کسی عامل سے کوئی شکایت ہو تو وہ حج کے موقع پر بیان کرے میں اس کا تدارک کرکے مظلوم کو اس کا حق دلواوں گا۔[3]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد کے ابتدائی دور میں عہد عثمانی کے بعض ایسے عمال کو برطرف کیا کہ جن کے متعلق بدعنوانی کی شکایات تھی اور ان کی جگہ پر نئے گورنر مقرر کیے اور ان کو مناسب ہدایات دیں جیسے والی اصطخر منذر بن جارود کے متعلق شکایت موصول ہوئی کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر وسیاحت میں گزارتے ہیں تو ان کو طلب کیا فرائض میں کوتاہی کی تحقیق کے بعد معزول کر دیا۔ اسی طرح ایک اور عامل کے متعلق شکایات موصول ہونے پر اسے لکھا: تم عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہو بخورات وروغنیات کا زیادہ استعمال کرتے ہو تمہارے دستر خوان پر

---

[1] اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ص:250

[2] عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عبد الحکم (المتوفی:257ھ)، فتوح مصر والمغرب، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، 1415ھ، 1/195

[3] اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ص:253

الوان نعمت ہوتے ہیں جبکہ منبر پر تم صدیقین جیسا وعظ کرتے ہو اور حکومت میں اباحیت سے کام لیتے ہو، پس اپنے گناہوں سے توبہ کرکے اپنے نفس کی اصلاح کرو اور اللہ کے حقوق ادا کرو۔[1]

المختصر عہد خلافت راشدہ میں اگرچہ باقاعدہ طور پر نظام حسبہ کے لیے کوئی ادارہ قائم نہیں تھا مگر ہر خلیفہ اپنے وقت میں محتسب اعلیٰ کا درجہ رکھتا تھا اور پھر ان کے ماتحت عمال وحکام ،قضاۃ اس فریضہ کو سرانجام دیتے تھے،اپنے عمال کا مواخذہ کرتے تھے اور ان کو نصائح کرتے تھے اصلاح معاشرہ کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے البتہ حضرت عمرؓ نے پہلی مرتبہ ایک مربوط ومضبوط نظام متعارف کروایا جس کے لیے سب سے پہلے شعبہ پولیس قائم کیا پھر عہد عثمانی ومرتضوی میں مزید ترقی ہوئی۔عہد خلافت راشدہ میں حسبہ کی ذمہ داری خلفا، عمال وقضاۃ ہی انجام دیا کرتے تھے۔

عہد بنو امیہ میں نظام حسبہ:۔

خلافت راشدہ کے بعد اگرچہ شورائی خلافت کا نظام ملوکیت وشخصی حکومت میں تبدیل ہوچکا تھا مگر پھر بھی جن سلطنتوں کو قرب زمانہ حاصل ہے ان میں خلافت راشدہ سے مماثلت پائی جاتی ہے ان ہی میں سے خلافت اموی بھی ہے جس کی ابتدا امیر معاویہؓ سے ہوئی اور معاویہؓ جلیل القدر صحابی تھے اور خلافت راشدہ کے نظام کا مشاہدہ کرچکے تھے اور ذمہ دار مناصب سے بھی منسلک رہے۔ان کے دور میں مہاجرین وانصار جیسی شوریٰ نہیں تھی مگر عرب کے نامور مدبر ان کی شوریٰ میں شامل تھے جن میں مغیرہ بن شعبہؓ، عمرو بن العاصؓ اور زیاد بن ابیہ سر فہرست ہیں۔پولیس کے محکمے کو امیر معاویہؓ نے بطور خاص ترقی دی،امن وامان قائم تھا یہاں تک کہ راستے میں پڑی چیز کوئی اٹھانے کی جرت نہ کرتا تھا،والی عراق زیاد کا دعویٰ تھا کہ کوفہ سے خراسان تک اگر کسی کا ایک ٹکڑا ضائع ہوجائے تو مجھے پتا چل جاتا ہے کہ کس نے لیا ہے۔محتسب کی ذمہ داریاں حضرت امیر معاویہ خود نبھاتے تھے مسعودی کے بیان کے مطابق آپ دربار میں آنے سے پہلے روزانہ مسجد میں جاکر رعایا کی تکالیف سنتے کمزور وناتواں،لاوارث ہر طبقہ کے لوگوں کو آزادی حاصل تھی کہ وہ ان کے سامنے پیش ہوکر اپنی شکایات بلاخوف وتردد پیش کرسکیں امیر معاویہؓ فوری شکایات کا ازالہ کرتے تھے۔پھر دربار میں تشریف لاتے اور اشراف کو حاضری کا موقعہ دیتے اور ان سے کہتے کہ تم اشراف اس لیے ہو کہ تمہیں کم مرتبہ لوگوں پر برتری حاصل ہے لہٰذا تم ان لوگوں کی حاجات مجھ سے بیان کرو جو میرے پاس نہیں آسکتے۔[2]

---

[1] پاکستان میں اسلامی نظام احتساب، ص:103

[2] اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ص:256

اصلاح احوال کے لیے دمشق کے سرکش لوگوں کی فہرست تیار کی ہوئی تھی اور زیاد نے ایسے لوگوں کی نگرانی پر جعد بن قیس کو مامور کیا ہوا تھا۔ اسی طرح عمال کو جب مقرر کرتے تو ان کو نصائح فرماتے چنانچہ عبید اللہ بن زیاد کو جب گورنر بنایا تو اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اللہ سے ڈرتے رہنا، تقوی اللہ پر کسی چیز کو ترجیح نہ دینا، جب اپنے دشمن کے مقابل آجائے تو اسی کے ساتھ ہونا جس طرف اکثریت ہے اللہ کی کتاب کے مطابق اموال تقسیم کرنا، ناحق کسی کو نہ دینا اور ناحق کسی کو مایوس بھی نہ کرنا۔[1]

عبد الملک کے زمانے میں محمد بن قاسم نے ایک مظلوم عورت کی فریاد پر سندھ کو فتح کیا اور ایسا عدل وانصاف قائم کیا کہ اس کی موت کی خبر سن کر ہندو اس کی یاد میں اس کا بت بنا کر پوجنے لگے۔ عبد الملک کے زمانے میں قضاۃ محتسب کا کردار ادا کرتے تھے اور بڑے سے بڑے عہدے دار سے بھی مرعوب نہ ہوتے تھے یہاں تک کہ حکام وقت کا احتساب کرتے ہوئے بھی کوئی رعایت نہ کرتے تھے۔ ایک بار عبد الملک اپنے چچازاد بھائی کے خلاف مقدمہ لے کر قاضی خیر ابن نعیم کے روبرو پیش ہوا اور ان کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا جبکہ قاضی کو یہ بات ناگوار گزری اور اس نے مدمقابل کے ساتھ کھڑے ہونے کا کہا تو عبد الملک مقدمہ چھوڑ کر چلا گیا قاضی نے حاکم کی ناراضگی کی ذرا برابر بھی پروا نہیں کی اور ضابطے کی مکمل کاروائی کی۔ ابن عائشہ کا بیان ہے ہے کہ عبد الملک کے پاس جو شخص بھی آتا اسے ان چار باتوں سے مجتنب رہنے کا کہتا تھا: جھوٹ نہ بولنا کیونکہ جھوٹے کی کوئی قدر ومنزلت نہیں ہوتی، میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا کیونکہ میں اپنے حال اور ضمیر سے واقف ہوں، میرے استفسار کے بغیر کوئی جواب نہ دینا کیونکہ یہ وقت کا ضیاع ہے اور میری رعایا پر برانگیختہ نہ کرنا کیونکہ میرا ان پر مہربان رہنا ضروری ہے۔ اموی دور میں احتسابی عمل سب سے موثر عمر بن عبد العزیز کے دور میں تھا اور وہ خود محتسب اعلی کے فرائض سرانجام دیتے تھے عمال کا احتساب کرتے تھے اہل سمرقند نے عمر بن عبد العزیز کو شکایت کی کہ قتیبہ بن مسلم نے ان کے شہر پر دھوکہ سے قبضہ کیا ہے تو انہوں قاضی سے فیصلہ کروایا قاضی نے فیصلہ دیا کہ عرب سمرقند کو خالی کردیں اور باہر پڑاو ڈالیں پھر مقابلہ ہویا مصالحت کرلیں یا کسی ایک فریق کا بزور شمشیر قبضہ ہو جائے۔ عراق کے بیت المال سے اس قدر لوگوں کو مال واپس کیا گیا کہ بیت المال خالی ہو گیا اور پھر سرکاری مصارف کے لیے شام سے مال منگوانا پڑا۔[2]

آپ نے ظلم کے سارے راستے مسدود کردیے تھے یہاں تک کہ عمال کو رعایا کا مال کم قیمت پر خریدنا منع تھا۔ فارس کے منصب داروں کی شکایات موصول ہوئیں تو آپ نے بشر بن صفوان، ابن عجلان اور خالد بن سالم کو

---

[1] تاريخ الطبري، 5/297

[2] ابن سعد، أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي (المتوفى: 230ھ)، الطبقات الكبرى، تحقيق: محمد عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية- بيروت، 1410ھ-1990م، 5/264

تحقیق کے لیے بھیجا۔اسی طرح ایک مصری عورت نے اپنی مرغیوں کی چوری ہونے کی شکایت کی تو آپ نے عامل مصر کو لکھا کہ جا کر اپنی نگرانی میں اس عورت کی دیواریں اونچی کر دو۔اسی طرح بعض عمال کی اخلاقی حالت کی شکایات پر ان کو معزول کر دیا،ایک عامل نماز میں سستی کرتا تھا اس لیے تمام عمال کو لکھا کہ نماز کے اوقات میں تمام کام معطل کر دو اور جو شخص نماز کو ضائع کرنے والا ہے وہ دوسرے فرائض کو بھی ضائع کرنے والا ہو گا۔

المختصر عہد اموی اگرچہ شخصی نظام حکومت تھا مگر اس میں اسلام اور اسلامی احکام کی ترویج کا اہتمام کیا جاتا تھا نظام حسبہ عہد اموی کی ابتدا اور عمر بن عبدالعزیز کے دور میں کافی مضبوط تھا اسلامی اقدار کی حفاظت کی جاتی تھی معاشرے کی اصلاح کی خاطر خواہ کوشش کی جاتی تھی عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس معاملے میں پورے عہد اموی میں امتیاز حاصل تھا آپؒ نے عدل وانصاف قائم کیا یہاں تک کہ خلافت راشدہ کی یادیں تازہ ہو گئیں آپ خود احتسابی کے ساتھ ساتھ بذات خود محتسب اعلیٰ تھے اور ہر طبقہ کی اصلاح کا کام کرتے تھے عمال کا مواخذہ کرتے تھے اپنے خاندان کے ظلم وتعدی سے لوگوں کو محفوظ کرنے کے لیے اقدامات کرتے تھے۔

عہد بنو عباس میں نظام حسبہ:۔

عہد بنو عباس بھی اگرچہ شخصی حکومت کا دور تھا مگر اس عہد کو اسلامی علوم وفنون کی ترویج وترقی کے ساتھ ساتھ منظم نظام مملکت کا عہد بھی کہا جاتا ہے یہ تاریخ ساز عہد ہے اسی دور میں مملکت کے کئی سابقہ شعبہ جات کو ترقی ملی اور نئے شعبہ جات بھی قائم ہوئے ان ہی شعبہ جات میں باقاعدہ طور پر حسبہ کا نظام اور اس محکمے کا اجرا بھی ہے جس کے بارے اگرچہ یہ اختلاف ہے کہ کس خلیفہ کے دور میں محکمہ قائم ہوا ہارون الرشید، مہدی، منصور وغیرہ کے ادوار میں البتہ راجح یہ ہے کہ منصور کے دور میں یہ محکمہ قائم ہوا جیسا کہ امام ابن کثیر دمشقی نے نقل کیا ہے کہ منصور بیعت خلافت کے بعد حج پر گیا اور یوم عرفہ خطبہ دیا، خطبہ کے بعد ایک شخص نے اعتراض کیا اور خلیفہ کو وعظ ونصیحت کی خلیفہ خوش ہوا اور اسی شخص کو والی حسبہ مقرر کر دیا۔[1]

طبری کے قول کے مطابق منصور کے دور میں محمد بن زکریا یمنی بغداد میں محتسب مقرر ہوا جبکہ اندلس میں منذر بن سعید جو احتساب میں بہت متشدد تھے اقامت احکام میں کوئی ان کا ہمسر نہیں تھا احتساب میں خلیفہ وقت کی بھی پروانہ کرتے تھے۔اسی طرح اتابک سلطان دمشق نے نجم الدین انصاری کو محتسب مقرر کر رکھا تھا اسی طرح اخشیدی دور میں محمد بن سعد قرطبی محتسب تھے اور مصر میں جب قحط پڑا تو غلے کے کنٹرول پر محتسب ہی کو انچارج بنایا گیا اور اس نے غلہ ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کر دی تھی۔خلیفہ المنصور کے عہد میں ایک دیہاتی نے عامل کی شکایت کی جس پر خلیفہ نے دیہاتی کو اختیار دے دیا کہ تم عامل کو باندھ کر میرے پاس لاو۔ایک مرتبہ خلیفہ نے مزدوروں سے

---

[1] البدایۃ والنہایۃ،10/130-131

کچھ سامان اٹھوایا اور مزدوری کم دی مزدور قاضی کے پاس پہنچ گئے اور مقدمہ دائر کر دیا اور خلیفہ کی رعایت کیے بغیر خلیفہ کے خلاف فیصلہ سنایا، خلیفہ اس عمل سے اتنا خوش ہوا کہ قاضی کو دس ہزار انعام بھی دیا۔[1]

خلیفہ ہارون الرشید کو عباسی دور کا بہترین بادشاہ تصور کیا جاتا ہے جو عدل وانصاف کے معاملے میں مشہور ہے اور اس نے باقاعدہ طور پر مالی معاملات اور شرعی محاصل کی اصلاح کے لیے امام ابویوسف سے کتاب الخراج بھی لکھوائی جو کہ صرف خراج وصدقات کے متعلق نہیں بلکہ اس میں حکام ورعایا کے تعلقات، حقوق وفرائض سے متعلق اسلامی طرز حکومت کے لیے ہدایات ہیں جن کے مطابق ہارون الرشید عمل کرتا تھا۔ علی بن عیسی عباسی عامل کے جور وستم سے خراسان کی عوام تنگ آچکی تھی جب ہارون کو علم ہوا تو اس نے اسے معزول کر کے ہرثمہ بن اعین کو والی مقرر کیا اور اسے لکھا: میں تمہیں خراسان اور اس کے تمام علاقوں کا حاکم بناتا ہوں اور تمہیں اللہ کا خوف، اس کی اطاعت، اس کے احکام کی رعایت اور ان کی حفاظت کا حکم دیتا ہوں، تمام کاموں میں کتاب اللہ کو رہنما بنانا، اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھنا، مشتبہ امور میں خود فیصلہ کرنے کے بجائے دین کے ماہرین اور کتاب اللہ کے عالموں سے پوچھنا۔ اس حکم نامے میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جو محتسب کے فرائض میں شامل ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ہارون الرشید بذات خود محتسب اعلیٰ تھا اور اس کے عمال بھی محتسب کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ متوکل باللہ نے لوگوں کو خلاف سنت طریقوں سے ہٹا کر صراط مستقیم پر لگایا، رویئت باری تعالیٰ اور خلق قران کے مناظرات کا انسداد کیا۔ خلیفہ المہتدی عدل وانصاف اور شریعت کی پابندی میں عباسی خلفا میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور اس نے احتساب کے لیے قبۃ المظالم کے نام سے ایک عمارت بنوائی تھی جس میں بیٹھ کر عوام وخواص کی دادرسی کیا کرتا تھا اور اپنے عمال کا بھی احتساب کرتا تھا چنانچہ رملہ کے ایک آدمی نے گورنر کے ظلم کی شکایت کی تو مہتدی نے گورنر کو خط لکھا اور مظلوم کا حق دلایا[2] اور متقی للہ کے زمانے میں والی الحسبۃ الاسمر نام کا امیر تھا۔[3]

---

[1] محمد بن علي بن طبا (المتوفى: 709ه)، الفخري في الآداب السلطانية والدول الإسلامية، المحقق: عبد القادر محمد مايو، دار القلم العربي، بيروت، 1418ه-1997م، 1/176

[2] أبو الحسن الهلال بن المحسن الصابي (المتوفى: 448ه)، تحفة الأمراء في تاريخ الوزراء، مكتبة الأعيان، 1/244۔ محمد بن علي بن محمد المعروف بابن العمراني (المتوفى: 580ه)، الإنباء في تاريخ الخلفاء، دار الآفاق العربية، القاهرة، 1421ه-2001م، 1/134

[3] أبو بكر محمد بن يحيى بن عبد الله الصولي (المتوفى: 335ه)، أخبار الراضي بالله والمتقي لله = تاريخ الدولة العباسية، مطبعة الصاوي-مصر 1935م، 1/284

خلاصہ کلام:۔

حسبہ امر بالمعروف کانام ہے جب کہ اسے چھوڑا جارہاہو اور نہی عن المنکر ہے جب کہ علی الاعلان اس کا ارتکاب کیا جارہاہو اور محتسب وہ شخص ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتاہے حسبہ واحتساب اسلامی ریاست نگران ادارہ ہے جس کی بنیاد اوامر الٰہی اور منہیات الٰہی کی عظمت کو معاشرے میں قائم کرناہے اور اس سے معاشرے کی اصلاح وابستہ ہے۔یہ ادارہ ملکی سالمیت اور عامۃ الناس کے مصالح کا تحفظ کرنے والا ادارہ ہے اس کا دائرہ کار اتنا وسیع ہے کہ اسی نظام کے تحت حاکم وقت کا بھی احتساب ہوتاہے اور رعایا کا بھی، یہ ایک خالص دینی فریضہ ہے جسے آپ ﷺ کی ذات گرامی سے لے کر آج تک اسلامی حکومت نے اپنایاہے۔

عباسی عہد میں ایک تو خلفا بذات خود محتسب تھے پھر ان کے عمال وحکام بھی یہ فرائض سرانجام دیتے تھے، ان کے قضاۃ وپولیس کے ذمہ بھی حسبہ کے فرائض تھے اور اس کے ساتھ ساتھ اسی دور میں حسبہ کا باقاعدہ ادارہ قائم کیا گیا مہتدی نے قبۃ المظالم کے نام سے عمارت بنوائی جس میں خود بیٹھ کر انصاف کیا کرتا تھا جس کے لیے ہر خلیفہ کے دور میں محتسب مقرر ہوتے تھے جو اپنے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

کاروبار تجارت کو اسلامی اصولوں کے مطابق بنانے ، تجار کی تجارتی سرگرمیوں کو عادلانہ خطوط پر ڈھالنے، ناپ تول کے نظام کو باقاعدہ بنانے، مصنوعات کے معیار کو برقرار رکھنے، اشیا کو ملاوٹ سے پاک رکھنے، تجارتی کمپنیوں کو غیر شرعی معاملات جیسے سودی لین دین وغیرہ سے بچانے کے لیے اسلامی حکومتیں محتسب کا تقرر کرتی آئی ہیں اس کار خیر کا باقاعدہ آغاز ہارون الرشید نے کیا۔عباسیوں کے آخری دور میں جب بازاروں کا نظام مروج ہوا تو ہر بازار کے لیے الگ الگ محتسب مقرر ہوا۔[1]

[1] ڈاکٹر نور محمد غفاری، تجارت کے اسلامی اصول وضوابط، شیخ الہند اکیڈمی کراچی، ص:24

باب دوم

عہد فاروقی میں نظام حسبہ کی نوعیت

فصل اول: حسبہ کا نفاذ انفرادی واجتماعی طور پر

فصل دوم: عمال وولاۃ پر حسبہ کا نفاذ

فصل سوم: منافقین اور کفار پر حسبہ کا نفاذ

فصل اول

حسبہ کا نفاذ انفرادی و اجتماعی طور پر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انفرادی طور پر حسبہ کا نفاذ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی ذات کا بھی احتساب کرتے تھے اور اپنے خاندان ،امت مسلمہ اور رعایا کا انفرادی واجتماعی طور پر احتساب کیا کرتے تھے پہلے آپؓ کے انفرادی احتساب پر بحث کی جائے گی پھر اجتماعی طور پر آپؓ کا نظام حسبہ زیر بحث ہو گا۔انفرادی احتساب میں عقائد کی اصلاح ،عبادات میں کوتاہی پر مواخذہ،اخلاق ومعاملات سب ہی شامل ہیں۔

ا۔عقائد کے بارے میں احتساب:۔

مثال نمبر ا۔جب آپ رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا تو مقام جابیہ [1] سے ایلیا[2] کی طرف کوچ کیا اور مسجد القدس کے قریب پہنچے تو پوچھا کہ کہاں نماز پڑھوں تو کعب [3] نے کہاں صخرہ کی طرف، تو آپ رضی اللہ عنہ نے کعب کا مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"ضاهيت وَاللهِ يَا كَعْب الْيَهُودِيَّة"[4]

کعب تو ہلاک ہو اللہ کی قسم تو اب بھی یہودی ہے۔

---

[1] جابیہ: دمشق کا ایک دیہات ہے اور اس کی طرف ایک دروازہ عبد الملک بن مروان کے زمانے میں بنایا گیا ہے جسے باب الجابیہ کہا جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں عمرؓ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب سے استفسار کیا تھا کہ کس طرف نماز پڑھوں۔(معجم البلدان، شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله الرومي الحموي (المتوفى:626ھ)، دار صادر، بیروت،1995م،2/91

[2] ایلیا: مسجد القدس کے غربی جانب پہاڑوں میں گھرا ہوا چھوٹا سا شہر ہے جہاں حضرت داود علیہ السلام کا حوض بھی ہے اس کے آس پاس انگور اور زیتون کے درخت ہیں۔یہ شہر بیت المقدس کا نام ہے جس کا معنی بیت اللہ ہے۔یہاں ہی سے امیر المومنین نے ابو عبیدہ بن جراح کو خط ارسال کیا کہ اہل قدس اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں۔(المسالك والممالك، أبو عبيد عبد الله بن عبد العزيز بن محمد البكري الأندلسي (المتوفى:487ھ)،دار الغرب الإسلامي،1992م،1/466۔معجم البلدان،1/293

[3] کعب: أبو إسحاق كعب بن ماتع بن ذي هجن الحميري جلیل القدر تابعی ہیں نبی ﷺ کا زمانہ پایا مگر زمانہ صدیق اکبرؓ میں ایمان لائے زمانہ فاروقی میں شام سے مدینہ آئے اور ۳۲ھ ۱۰۴ سال کی عمر میں حمص فوت ہوئے۔اسلام لانے سے پہلے یہود کے بہت بڑے عالم تھے اسلام لانے کے بعد ان سے صحابہ نے یہودی اخبار ان سے اخذ کیں اور انہوں نے صحابہ سے قران وسنت کی تعلیم پائی کعب الاحبار یا کعب الحبر مشہور تھے۔(تاریخ دمشق، أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (المتوفى:571ھ)، المحقق: عمرو بن غرامة العمروي، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع،1415ھ-1995م،50/151۔تهذيب الأسماء واللغات،2/28

[4] تاریخ طبری،3/611

کیونکہ میں نے تجھے دیکھا کہ تو نے جوتے اتار دیے ہیں تو تو چاہتا ہے کہ میرے قدم بھی اسی کے ساتھ مل جائیں، بلکہ میرا قبلہ تو میرے سینے میں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری مساجد کا اسے قبلہ بنایا ہم صخرہ کو قبلہ بنانے کا حکم نہیں کریں گے لیکن ہم کعبہ کا حکم کریں گے اسی کو پہلا قبلہ قرار دیا۔

یہاں کعب کا اس وجہ سے احتساب کیا کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ قبلہ صخرہ اب بھی ہے اور کوئی بھی مسلمان اس کی طرف نماز پڑھنے کا قصد بھی نہیں کر سکتا۔

مثال نمبر۲۔ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ [1] کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے برے انداز سے یاد کیا جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو اس قبر والے یعنی محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب کو جانتا ہے تو علی بن ابی طالب بن عبد المطلب کا ذکر صرف خیر کے ساتھ ہی کرے گا کیونکہ جس نے علی کو اذیت دی اس نے اس قبر والے کو اذیت دی۔

یہاں احتساب کی وجہ یہ ہے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بغض نفاق اور ان سے محبت ایمان کی علامت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ مومن ان سے محبت کرتا ہے اور منافق ان سے بغض رکھتا ہے۔ [2]

مثال نمبر۳۔ اصحاب رسول ﷺ کی توہین وتردید بھی ایمان کے لیے خطرہ ہے اور ان سے محبت ایمان کی دلیل ہے اور اہل سنت کا یہ مسلمہ اجماعی اصول ہے کہ اصحاب کے متعلق اپنی زبانوں کو صاف رکھنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

(لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي) [3]

میرے اصحاب کو گالی نہ دو۔

---

[1] علیؓ: أبو الحسن علي بن أبي طالب بن عبد المطلب الهاشمي القرشي، رسول اللہ ﷺ کے چچازاد، فاطمہ بنت النبی ﷺ کے شوہر، علوم کے سمندر، صحابہ میں عظیم بہادر سپاہ سالار، بہترین قاضی اور چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ ۲۳ قبل الہجرہ مکہ میں پیدا ہوئے، ۱۰ سال کی عمر میں اسلام کی گواہی دی، رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد فاطمہ ﷺ سے شادی کی، تمام غزوات میں سوائے تبوک کے شریک رہے وفات نبوی کے بعد خلفائے ثلاثہ کے مشیر خاص ومعاون خصوصی رہے۔ ۳۵ھ خلافت کے لیے منتخب ہوئے اور ۴۰ھ رمضان المبارک میں شہید ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 6/91۔ أسد الغابة في معرفة الصحابة، أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد بن عبد الكريم بن عبد الواحد الشيباني الجزري، عز الدين ابن الأثير (المتوفى: 630ھ)، المحقق: علي محمد معوض - عادل أحمد عبد الموجود، دار الكتب العلمية، 1415ھ-1994م، 4/87

[2] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب الدلیل علی ان حب الانصار وعلی، 1/86، ح:131۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اتباع السنۃ، باب فضل علی ابن ابی طالب، 1/42، ح:114

[3] مسند ابی داوود، 3/637، ح:2297

اس ہستی کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ اصحاب کے خرچ کیے ایک مد یا نصف مد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔

(أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ)[1]

میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔

جس کی چاہو اقتدا کرو، اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا۔

(لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي)[2]

میرے صحابہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنانا۔

یہی وجہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو ایک شخص کے بارے معلوم ہوا کہ اس نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ[3] کی تردید کی ہے تو انہوں نے اس شخص کو سزا دی اور کہا کیا تو ابن مسعود کی تردید کرتا ہے؟

مثال نمبر ۴۔ اسی طرح امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ متشابہات قرآن کے پیچھے پڑنا نہ صرف منع ہے بلکہ گمراہی کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾[4]

ترجمہ: اور دوسری آیات متشابہات ہیں کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کی پیروی کرتے ہیں اور ان کو معنیٰ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

[1] ابن بَطَّة، أبو عبد الله عبيد الله بن محمد (المتوفى: 387ھ)، الإبانة الكبرى لابن بطة، دار الراية للنشر والتوزيع، الرياض، 2/564، ح:702

[2] مسند امام احمد، 27/358، مسند عبداللہ بن مغفلؓ عن النبی ﷺ، ح:12803

[3] ابن مسعود: ابو عبدالرحمٰن عبد اللہ بن مسعود بن غافل، قدیم الاسلام صحابی، جلیل القدر مفسر وفقیہ، کاتب قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص (نعلین سنبھالنے کی خدمت) ہیں۔ حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کی، تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس کثرت سے آنا جانا رہتا یہاں تک کہ لوگ آپ کو اہل بیت میں شمار کرتے تھے۔ عہد فاروقی میں کوفہ کے بیت المال کے نگران رہے، ۳۲ھ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ آپ سے ۸۴۸ احادیث مروی ہیں۔ (طبقات ابن سعد، 3/111۔ الاستيعاب في معرفة الأصحاب، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (المتوفى: 463ھ)، المحقق: علي محمد البجاوي، دار الجيل، بيروت، 1412ھ-1992م، 3/987

[4] سورة آل عمران: 3/7

اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ نے صبیغ[1] نامی ایک شخص کا صرف اس وجہ سے احتساب کرتے ہوئے اس کے سر پر ایسی ضرب ماری کہ اس کے سر سے خون بہنے لگا کہ اس نے متشابہات القرآن کے متعلق سوال کیا تھا۔[2]

مثال نمبر۵۔ قرآن کی حفاظت کے اہتمام کے سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہ نے یہ حکم نامہ جاری کیا تھا کہ قرآن کے ساتھ اور کوئی بھی چیز بطور توضیح و تفسیر نہ لکھی جائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن کے اَصل متن کے ساتھ یعنی کلام اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا کلام خلط ملط نہ ہو جائے کیونکہ قرآن کلام اللہ اور صفت ربانی ہے اور اللہ کے علاوہ کسی کی بات اگر خلط ملط ہو جائے تو اس پر کلام اللہ ہونے کا شائبہ ہو سکتا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو شک و تردد سے پاک رکھا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ﴾[3]

ترجمہ: یہ وہ کتاب ہے جس میں کچھ شک نہیں کہ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص قرآن کے ساتھ ہر آیت کی تفسیر بھی لکھتا ہے تو آپ نے اسے بلا کر اس کا مواخذہ کرتے ہوئے اسے سزا دی۔[4]

مثال نمبر۶۔ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء ورسل اللہ کے نائبین و خلفا ہیں اور انبیاء کے علاوہ کوئی بھی اللہ کا خلیفہ نہیں کیونکہ ایک تو اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت ہی انہیں اپنا خلیفہ فرمایا اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اللہ حی و قیوم ہیں اور اس کا نائب و خلیفہ بھی ایسا ہونا چاہیے جو زندہ رہے حالانکہ اللہ ہی کا فیصلہ ہے کہ اس زمین پر جو کچھ بھی ہے وہ فانی ہے یہاں تک کہ انبیاء بھی اس دنیا کے ہمیشہ کے مکین نہیں البتہ انبیاء اپنے مشن رسالت کی وجہ سے ہمیشہ روحانی طور پر زندہ ہیں اور ان کو مٹی نہیں کھاتی۔

---

[1] صبیغ: صبیغ بن عسل یا صبیغ بن شریک التمیمي نام ونسب ہے، یہ شخص اکثر متشابہات قرآن سے متعلق سوالات کیا کرتا تھا ابو درداؓ، عمر فاروقؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ سے اس طرح کے سوال کیے جس کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے لگائے اور مدینہ سے اسے کوفہ کی طرف جلاوطن کر دیا تھا اور اس سے مجلس کرنے سے منع فرمایا تھا کیونکہ یہ کوڑے کھانے کے باوجود اپنے جرم سے باز نہیں آیا۔ (تاریخ دمشق، 23/408)

[2] أبو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمي، مسند الإمام الدارمي، بدون ناشر، 1436ھ-2015م، باب من ہاب الفتیا وکرہ التنطع والتبدع، 1/103، ح:150

[3] سورۃ البقرہ: 2/2

[4] مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کرہ ان یفسر القرآن، 6/136، ح:30106

اسی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کا اس بات کا احتساب کیا کہ اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔[1]

مثال نمبر۷۔ غیر اللہ کی قسم کھانے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی صراحت موجود ہے کہ جس نے اللہ کے علاوہ کسی کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔[2] اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ غیر اللہ کی قسم کھانے والے پر سختی کرتے تھے اور احتسابا سزا بھی جاری کرتے جیسے زبیرؓ[3] کو یہ کہتے سنا۔

"لاَ وَالْكَعْبَةُ "[4]

تو ان پر درہ اٹھالیا اور کہا کعبہ تجھے کھلا تا پلا تا نہیں۔

۲۔عبادات میں کوتاہی وکاہلی اور بے اعتدالی پر حسبہ کا نفاذ:۔

وضو نماز کی کنجی ہے اور شرائط نماز میں سے ہے کہ انسان حدث اصغر واکبر سے پاک ہو، اسی لیے رسول اللہ ﷺ وضو اہتمام سے کرتے تھے اور اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ کسی عضو کا کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے اور صحابہ کو بھی اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دیتے تھے جو لوگ وضو اہتمام سے نہیں کرتے ان کے لیے بطور وعید آپ ﷺ نے فرمایا۔

(وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ، أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ)[5]

آگ والی ایڑیوں کے لیے ہلاکت ہے، مکمل وضو کیا کرو،

یعنی آپ ﷺ نے ایڑیاں خشک رہنے پر ایڑیوں کے جہنم میں جلنے کی وعید سنائی ہے اصحاب رسول ﷺ سنت مطہرہ پر عمل کرتے تھے اور جو بھی اس سے اعراض کرتا تھا اس کا احتساب کرتے تھے چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] أبو بكر أحمد بن محمد بن هارون بن يزيد الخلال البغدادي الحنبلي (المتوفى: 311ھ)، السنة، المحقق: د. عطية الزهراني، دار الراية– الرياض، 1410ھ–1989م، باب جامع امر الخلافة بعد رسول الله ﷺ، 1/278، ح:341

[2] سنن الترمذی، باب ماجاء فی کراہیۃ الحلف بغیر اللہ، 3/162، ح:1535

[3] زبیر رضی اللہ عنہ: زبیر بن العوام بن خویلد القرشی، رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد، قدیم الاسلام صحابی، حواری رسول ﷺ، داماد ابو بکر الصدیقؓ اور صحابہ میں انتہائی بہادر جنگجو ہیں۔ ۱۵ سال کی عمر میں اسلام لائے ہجرت مدینہ کی تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ان سے ان کی اولاد، صحابہ کی ایک کثیر جماعت اور تابعین نے روایت کی ہے۔ وفات نبوی کے بعد بصرہ میں سکونت اختیار کی، خلفائے ثلاثہ کے مشیر خاص اور معاون رہے اور عہد علی المرتضیٰ واقعہ جمل میں عمرو بن جرموز کے ہاتھوں دھوکے سے شہید کیے گئے۔ (طبقات ابن، 3/73۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، 2/510

[4] مصنف ابن ابی شیبہ، باب الرجل یحلف بغیر اللہ، 3/79، ح:12282

[5] سنن ابی داود، باب فی اسباغ الوضو، 1/24، ح:97

نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے وضو کیا اور اعضائے وضو کا کچھ حصہ بھول گیا تو اسے رہ جانے والے حصہ کو دھونے اور نماز لوٹانے کا حکم دیا[1] جبکہ دوسری روایت کے مطابق اس آدمی نے پاوں کا ظاہری حصہ دھویا مگر پاوں کے نیچے والے حصہ کو چھوڑ دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا: تونے کیوں ان کو آگ کے لیے چھوڑ دیا؟[2]

مثال نمبر۲۔ دین تو تمام ہی رسول اللہ ﷺ کی اتباع واطاعت پر منحصر ہے جو بھی اطاعت نبوی سے اعراض کرے یا کوتاہی برتے اس کے لیے خرابی ہے اور اصحاب رسول ﷺ آپ ﷺ کی کامل طور پر اتباع کرتے تھے اور جو بھی کوتاہی کرے اس کا احتساب کرتے تھے چنانچہ عہد نبوی ﷺ میں ایک آدمی آپ کے پیچھے نماز میں شریک تھا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی اس کی نماز مکمل ہو گئی مگر وہ متصل ہی نماز کے لیے کھڑا ہو گیا جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا احتساب کرتے ہوئے اس کے کندھے پکڑ لیے اور اسے بیٹھاتے ہوئے کہا کہ اہل کتاب اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ فرض ونفل کے درمیان وقفہ نہیں کرتے تھے[3] کیونکہ آپ ﷺ کی سنت یہی تھی کہ فرض ونوافل کے درمیان وقفہ کیا کرتے تھے اور وہ شخص فرض کے فوری متصل نوافل کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔

مثال نمبر۳۔ الشفا بنت عبد اللہ عدوی[4] کے بیٹے سلیمان[5] کے ایک دن فجر کی نماز میں شریک نہ ہونے پر مواخذہ کرتے ہوئے ان کے سر پر ضرب ماری اور فرمایا: مجھے صبح کی نماز میں شریک ہونا پوری رات کے قیام سے زیادہ پسند ہے۔[6]

---

[1] سنن دار قطنی، باب فی فضل الوضوواستیعاب جمیع، 1/ 195، ح:384

[2] مصنف ابن ابی شیبہ، 1/ 26، ح:188

[3] سنن ابی داود، باب فی الرجل یتطوع فی مکانہ الذی صلی فیہ، 1/ 264، ح:1007

[4] الشفا بنت عبد اللہ عدوی: الشفاء بنت عبد اللہ بن عبد شمس العدوی قدیم الاسلام اور مہاجرہ مدینہ اور عقل وفضل والی صحابیہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں جاگیر بھی عطا کی تھی، عمر رضی اللہ عنہ ان سے رائے اور مشورہ بھی لیا کرتے تھے اور کبھی کبھی مدینہ کے بازار کی نگرانی بھی سونپی جاتی تھی۔ ۲۰ھ مدینہ میں فوت ہوئیں۔(اسد الغابہ، 7/ 162)

[5] سلیمان: سلیمان بن أبي حثمة بن حذيفة العدوی، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے ابن عبد البر کے قول کے مطابق بچپن میں اپنی والدہ الشفاء کے ساتھ مدینہ ہجرت کی اکثر علمائے رجال کا قول ہے کہ یہ تابعی ہیں۔ اپنی والدہ اور عمر بن خطابؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کی اولاد نے روایت کی ہے۔ (طبقات ابن سعد، 5/ 18۔ اسد الغابة فی معرفة الصحابہ، 2/ 547)

[6] أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458ھ)، فضائل الأوقات، المحقق: عدنان عبد الرحمن مجيد القيسي، مكتبة المنارة - مكة المكرمة، 1410، 1/ 513، ح:289

مثال نمبر۴۔ ایک شخص صبح کی نماز میں موجود نہیں تھے ان کی طرف قاصد بھیجا کہ کیوں نماز میں حاضر نہیں ہوئے تو انہوں نے بتایا کہ وہ بیمار ہیں اگر آپ کا قاصد نہ آتا تو میں گھر سے نہ نکلتا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو کسی کے لیے نکل سکتا ہے تو مسجد کے لیے نکل۔[1]

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے احتساب کیا کہ رات کا قیام مستحب عمل ہے اور فجر کی باجماعت نماز رسول اللہ ﷺ کی سنت موکدہ و دائمی عمل ہے قیام اللیل کی وجہ سے فجر کی جماعت چھوڑنا سنت کے خلاف ہے دوسری وجہ یہ ہے رسول اللہ ﷺ نے نماز باجماعت کی اتنی تاکید کی ہے کہ ایک مرتبہ فرمایا: اگر مجھے بچوں اور عورتوں کا خوف نہ ہوتا تو مسجد میں حاضر نہ ہونے والوں کے گھروں کو آگ لگا دیتا،[2] آپ رضی اللہ عنہ کے مواخذہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قیام اللیل کی خاطر دائمی عمل کو ترک کیا گیا حالانکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

(أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ)[3]

کہ اللہ کو دائمی عمل پسند ہے اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔

مثال نمبر۵۔ عصر کے بعد نوافل پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا اس لیے عمر رضی اللہ عنہ اگر کسی کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھتے تو اس کا مواخذہ کرتے چنانچہ علی رضی اللہ عنہ عصر کے دو نوافل پڑھ رہے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا اور فرمایا: آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔[4] اور منکدر[5] کو اس وقت میں نماز پڑھتے دیکھا تو سزا دی[6]، زید بن خالد[7] کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو انہیں بھی

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، 1/303، ح:3462

[2] صحیح مسلم، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، 1/451، ح:651

[3] مسند امام احمد، 12/194، ح:35317

[4] مصنف ابن ابی شیبہ، 2/430، ح:3967

[5] منکدر: منکدر بن عبد اللہ بن الھدیر، ایک روایت نبی ﷺ سے کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صحابی ہیں جبکہ امام بخاری نے آپ کی روایت کو مرسل قرار دیا ہے اور آپ کو ضعفا میں شمار کیا ہے، ابن عدی کہتے ہیں قلیل الروایہ ہیں، امام طبرانی نے صحابہ میں شمار کیا ہے جبکہ ابن حبان نے الثقات میں تابعین کے طبقہ میں ذکر کیا ہے۔ (اسد الغابۃ، 5/263)

[6] موطا امام مالک، 2/309، ح:747

[7] زید بن خالد: زید بن خالد الجھنی نام اور ابوزرعہ، ابو عبد الرحمٰن یا ابو طلحہ کنیت ہے، صلح حدیبیہ کے مقع پر اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ والے دن جہینہ کا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ ۷۸ھ بعمر ۸۵ سال کوفہ میں فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 4/256)

سزادی[1]، جبکہ ابن عباس[2] تو کہتے ہیں کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتا تھا جب آپ لوگوں کو مارتے تھے جو عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے۔[3]

مثال نمبر۶۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز باجماعت ہی پر کوتاہی کرنے پر احتساب نہیں کیا بلکہ نمازوں کی اصلاح اور دکھلاوے سے بچانے یا دکھلاوے کے شائبے کا جس چیز سے اظہار ہوتا تھا اس پر بھی احتساب کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جوان کو دیکھا کہ وہ نماز میں سر جھکا رہا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا :اپنے سر کو اٹھا کیونکہ ظاہری خشوع اس چیز میں کوئی اضافہ نہیں کرتا جو دل میں ہے، جو اپنے دل کے علاوہ ظاہری طور پر لوگوں کے سامنے خشوع ظاہر کرے تو اس نے نفاق پر نفاق کو ظاہر کیا ہے۔ یہاں اس جوان کا اس وجہ سے احتساب کیا کہ وہ ظاہری طور پر نماز میں اپنے سر کو جھکائے ہوا تھا جس سے اس کا یہ رویہ بناوٹی خشوع معلوم ہوتا تھا حالانکہ خشوع تو دل میں ہوتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے ہے کہ تقویٰ یہاں ہے اور اس میں اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔ اسی طرح خطبہ جمعۃ المبارک سننا واجب ہے اور اس کے درمیان باتیں کرنا بلکہ کسی کو یہ کہنا کہ چپ ہو جا یہ بھی درست نہیں جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

(إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ: أَنْصِتْ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَدْ لَغَوْتَ)[4]

جب تو امام کے خطبہ دیتے وقت اپنے ساتھ والے کو کہے چپ ہو جا تو تو نے لغو بات کی۔

رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ بھی ان چیزوں کا خیال رکھتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو امام کے خطبہ کے دوران باتیں کرتے دیکھا تو ان دونوں کا مواخذہ کیا۔[5]

مثال نمبر۷۔ روزہ ایک اہم عبادت ہے مگر فرض روزوں کے علاوہ انسان پر لازم نہیں کہ وہ کثرت سے روزے رکھے بلکہ مستحسن طریقہ یہی ہے کہ انسان کبھی کبھی روزہ رکھے اور کبھی نہ رکھے جیسا کہ آپ ﷺ کا معمول تھا، اتنے زیادہ روزے رکھنا کہ جس سے صحت خراب ہو مستحسن نہیں بلکہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عمرو بن العاص رضی اللہ

---

[1] مسند امام احمد، 28/265، ح:17035

[2] ابن عباسؓ: عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب القرشي الهاشمي نام ونسب اور أبو العباس یا أبو الجليل کنیت، رسول اللہ ﷺ کے چچازاد، صحابہ میں سے قرآن کے سب سے بڑے عالم، فقیہ اور ابو الخلفاہیں ۳ قبل الہجرت مکہ میں پیدا ہوئے فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے عہد خلافت راشدہ میں خلفا کے معین ومددگار رہے ۶۸ھ میں فوت ہوئے۔ (أسد الغابة، 3/391)

[3] موطا امام مالک، باب النہی عن الصلاۃ بعد الصبح، بعد العصر، 2/309، ح:747

[4] ایضا، باب ما جاء فی الانصات یوم الجمعۃ، 2/142، ح:104

[5] ایضا، 2/145، ح:346

عنہ [1] نے رسول اللہ ﷺ کو کثرت سے روزے رکھتے دیکھا تو خود بھی یہی طریقہ اختیار کیا جس پر آپ ﷺ نے ان کو منع کیا تھا اور ان کو ہر مہینے کے تین روزے رکھنے کا حکم دیا تھا۔[2] کیونکہ کثرت سے روزے رکھنے سے انسان جسمانی لحاظ سے کمزور ہو جاتا ہے اور پھر فرائض سے بھی محرومی کا باعث بنتا ہے اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ کو جب ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ صائم الدہر ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا احتساب کرتے ہوئے اس پر درہ بلند کر دیا اور فرمایا: کھاوا ے صائم الدہر کھاوا ے صائم الدہر۔[3]

مثال نمبر ۸۔ اگر مالی عبادات کو دیکھا جائے تو اس میں بھی وہی طریقہ مستحسن ہے جو رسول اللہ ﷺ کا بتایا ہوا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ آدمی کے گناہگار ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اپنے قوت لایموت کو ضائع کر دے اور ہمیشہ کے لیے فقیر ہو جائے،[4] یا جس کا شریعت تقاضا کرتی ہے صحابہ کا اس بارے میں یہی معمول تھا جیسے صاحب مال کے لیے جو نصاب پر پورا اترے اسی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لہذا اگر کوئی وجوب سے پہلے ہی ادا کر دے تو ادا ہو جاتی ہے مگر اس سے اس پر مشکلات آسکتی ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے ایک شخص کا احتساب کیا کہ وہ مقروض تھا اور اس کے پاس نصاب بھی تھا تو وہ وقت سے پہلے زکوٰۃ کرنا چاہتا تھا جس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلے اپنے اموال کا حساب کر پھر اپنے قرضے ادا کر پھر جو مال بچے اس کی زکاۃ ادا کر۔[5]

مثال نمبر ۹۔ حج کا احرام باندھنے کے بعد جو کام حاجی کے لیے منع ہیں ان سے رکنے کی تاکید کی گئی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے محرم کے لیے خوشبو لگانے سے منع فرمایا، سلے ہوئے کپڑے، جبے، موزے سے منع فرمایا ہے۔[6] یہی وجہ

---

[1] عمرو بن العاص: ابو عبد اللہ عمرو بن العاص بن وائل السہمی القرشی فاتح مصر اور بہادر و شاہسوار صحابہ میں سے ایک ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے، عہد خلفائے ثلاثہ فتوحات میں شریک ہوئے اور حلب، قنسرین، انطاکیہ اور مصر فتح کیے۔ حضرت عثمان کے دور میں مصر کے گورنر بھی رہے عہد مرتضوی میں امیر معاویہؓ کے طرف دار تھے اور مصر کے گورنر بنائے گئے اور ۴۳ھ قاہرہ میں فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 7/342۔ اسد الغابہ، 4/232)

[2] صحیح بخاری، باب صوم الدہر، 3/40، ح:1976

[3] مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کرہ صوم الدہر، 2/328، ح:9556

[4] مسند ابی داود، 4/38، ح:2395

[5] مصنف عبد الرزاق، باب لا زکوٰۃ الا فی الناض، 4/102، ح:7122

[6] صحیح بخاری، باب لبس الخفین للمرم، 3/12، ح:1842

ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے برا ابن عاذب[1] کا حالت احرام خوشبو لگانے پر احتساب کرتے ہوئے فرمایا: حاجی تو اذفر واغبر ہوتا ہے۔[2] عبد الرحمان بن عوف[3] نے موزے پہن رکھے تھے تو ان کا بھی احتساب کرتے ہوئے فرمایا: موزے قبا کے ساتھ ہیں۔[4]

مثال نمبر ۱۰۔ ایک شخص آداب ذکر و دعا کے التزام کے بغیر دعا مانگ رہا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا احتساب کرتے ہوئے فرمایا: یوں کہو! اے اللہ میں رائے کی جہالت و ضعف سے پناہ مانگتا ہوں، کیا تو نہیں چاہتا کہ اللہ تجھے رزق واولاد عطا فرمائے تو کس فتنے سے پناہ مانگ رہا ہے تجھے چاہیے کہ اس کی گمراہیوں سے پناہ مانگے۔ کیونکہ وہ شخص فتنے سے پناہ مانگ رہا تھا مگر اس کی گمراہی سے پناہ نہیں مانگ رہا تھا حالانکہ رسول اللہ ﷺ فتنے کی برائی سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اولاد واموال فی نفسہ فتنہ نہیں بلکہ ان میں مشغولیت مطلوب ومقصود سے غافل کر دے تو برا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾[5]

ترجمہ: بیشک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں۔

---

[1] البراء بن عازب: ابوعمارہ البراء بن عازب بن الحارث بن عدي الانصاری، رسول اللہ ﷺ کے شاہ سوار اور صحابی ہیں۔ چھوٹی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ اسلام لائے، ۱۵ سال کی عمر میں غزوہ خندق میں شریک ہوئے، عہد عثمانی میں فارس کے گورنر رہے، پھر قزوین اور زنجان فتح کیے اور ۷۱ھ کوفہ میں فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 4/269۔ اسد الغابہ، 1/362)

[2] حجة الوداع، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري (المتوفى: 456ھ)، المحقق: أبو صهيب الكرمي، بيت الأفكار الدولية للنشر والتوزيع- الرياض، 1998، 1/247

[3] عبد الرحمن بن عبد عوف: ابو محمد عبد الرحمن بن عبد عوف بن عبد بن الحارث بن زھرة، قدیم الاسلام صحابی، مہاجر مدنی، صحابہ میں سب سے بڑے تاجر وصاحب خیرات وصدقات، امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی چھ رکنی شوریٰ کے سربراہ اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ ہجرت مدینہ کے بعد تمام غزوات میں بنفس نفیس جان ومال سے شریک رہے، عہد صدیقی وفاروقی میں بھی اہم معاملات میں معاون خاص رہے۔ ۴۴ قبل ہجرت مکہ میں پیدا ہوئے اور ۳۲ھ فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 3/92۔ الاستیعاب، 2/844۔ اسد الغابہ، 3/475)

[4] أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (المتوفى: 321ھ)، شرح مشكل الآثار، تحقيق: شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة- 1415ھ، 1494م، 14/43، ح: 5429

[5] سورۃ انفال: 8/28

۳۔ انفرادی طور پر اخلاق وآداب کی اصلاح کے لیے نفاذ حسبہ:۔

مثال نمبر۱۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجات ومقام کی برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [1]

ترجمہ: بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سے بہتر وہی ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے۔

اسلام لانے کے بعد نسبی وعلاقائی، رنگ وزبان کی وجہ سے کوئی کسی سے اعلیٰ نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی اس چیز کی وضاحت فرمادی تھی اور اصحاب پیغمبر آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمدلی کے ساتھ رہتے تھے ایک دوسرے کی تحقیر نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اپنے نسبی مفاخر جتاتے تھے کیونکہ یہ جاہلیت کی رسم تھی، اگر کوئی شخص اپنی نسبی برتری جتانے کی کوشش کرتا تو اس کا مواخذہ کیا جاتا تھا چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ[2] نے ایک دفعہ لوگوں سے نسب پوچھنے شروع کیے یہاں تک کہ سلمان فارسی[3] تک پہنچے تو انہوں نے کہا کہ میں اسلام میں اپنا کوئی والد نہیں جانتا بلکہ میرا نسب تو سلمان بن اسلام ہے۔ جب اس واقعے کی خبر عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے سعد کو بلایا اور ان سے کہا کہ پھر نسب پوچھو جب سلمان تک پہنچے تو انہوں نے وہی بات کی جو پہلے کہہ چکے تھے تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قریش جانتے ہیں کہ یہ نسبی اعزاز جاہلیت میں تھے، میں عمر بن اسلام سلمان کا اسلام میں بھائی ہوں، اللہ کی قسم اگر میں نے اہل امصار سے ایسی کوئی بات سنی تو سزا دوں گا تجھے معلوم ہے

---

[1] سورۃ الحجرات:13/49

[2] سعد بن ابی وقاص: سعد بن أبي وقاص مالك بن وهيب بن عبد مناف قدی الاسلام صحابی، اسلام کی راہ میں پہلا تیر چلانے والے، عشرہ مبشرہ میں سے ایک اور فاتح قادسیہ ہیں۔ ۱۷ سال کی عمر میں اسلام لائے، دونوں ہجرتیں کیں، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے عہد خلافت راشدہ فتوحات اسلامیہ میں حصہ لیا عہد فاروقی میں مدائن وقادسیہ فتح کیے کوفہ کے گورنر رہے اور عہد عثمانی میں مدینہ واپس آئے پھر بصرہ منتقل ہوئے اور وہیں ۵۵ھ فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 101/3)

[3] سلمان فارسی: سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور۔ اسلام لانے کے بعد سلمان بن اسلام اور سلمان الخیر کے نام سے مشہور ہوئے۔ اسلام لانے سے پہلے یہود ونصاریٰ کی کتب کے حافظ وعالم تھے اور اپنا آبائی مذہب مجوس ترک کرنے کے بعد عیسائیت قبول کی، شام اور اس کے امصار میں ایک طویل عمر عیسائی عالموں سے فیض حاصل کیا اور ظہور اسلام کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی مگر قافلے والوں نے غلام بناکر فروخت کیا اور فروخت ہوتے ہوتے مدینہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ نے مکاتبت کی رقم ادا کرکے آزاد کیا۔ غزوہ خندق میں آپ ہی کے مشورہ سے مدینہ کے اردگرد خندق کھودی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد مدائن کے گورنر رہے اور ۳۶ھ مدائن ہی میں فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 230/7۔ اسد الغابہ، 510/2)

کہ اگر کسی کے نسب میں اوپر نو افراد جاہلیت میں ہیں تو وہ جہنم میں جائیں گے اور جس کا نسب اسلام میں کسی سے ملتا ہے تو وہ اس کے ساتھ جنت میں ہوں گے۔[1]

مثال نمبر۲۔ اسلام نے آقا و غلام، مالک و نوکر سب کو اپنے ساتھ برابری میں جوڑ دیا ہے سارے امتیازات ظاہری کو مٹا دیا ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اپنے غلاموں کے ساتھ ایسا سلوک ہوتا تھا کہ جو خود کھاتے وہی غلام کو کھلاتے اور جو خود پہنتے وہی غلام کو بھی پہناتے تھے اسی لیے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اصحاب کا بھی یہی معمول تھا جیسا کہ سفر شام میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سواری کا جانور تھا جس پر کبھی خود سوار ہوتے اور غلام مہار تھامے چلتا اور کبھی غلام کو سوار کرتے اور خود مہار پکڑ کر چلتے۔

مثال نمبر۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسکین اور غلاموں کو کھانے پر بلایا اور ان کے ساتھ کھانا کھایا تو اس وقت صفوان بن امیہ[2] پاس تھے اور انہوں نے غلاموں کے ساتھ کھانا کھانا پسند نہیں کیا جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے احتساب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ نے لعنت کی ہے ایسے لوگوں پر جو اپنے غلاموں کے ساتھ کھانے میں رغبت نہیں رکھتے۔[3]

مثال نمبر۴۔ ایک آدمی اپنی بیٹی کے محدود ہونے کے عیب کا ذکر کر رہا تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا احتساب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تو ایسی چیز کو ظاہر کرتا ہے جسے اللہ نے پوشیدہ رکھا ہوا ہے، اللہ کی قسم اگر تو نے لوگوں کے سامنے اس کی کسی بات کا ذکر کیا تو میں تجھے سزا دوں گا بلکہ تجھے چاہیے کہ تو اپنی بیٹی کا نکاح کسی عفیف مسلمان سے کر دے[4] کیونکہ اللہ تعالیٰ ستار ہیں اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عیبوں کو چھپانے کا حکم دیا ہے اور جو عیبوں کو چھپاتے ہیں اللہ ان کے عیبوں

---

[1] أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى:458ھ)، شعب الإيمان، حققه وراجع نصوصه وخرج أحاديثه: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند، 1423ھ-2003م، باب وما ينبغي للمرا لمسلم ان يحفظ لسانه، 7/127، ح:4768

[2] صفوان بن أمية: ابو وہب صفوان بن أمية بن خلف صحابي رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے، بعد کے غزوات میں شریک ہوئے فتوحات شام میں حصہ لیا۔ ۱۴۲ھ مکہ میں فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 2/718۔ اسد الغابة، 3/24)

[3] أبو عبد الله الحسين بن الحسن بن حرب السلمي المروزي (المتوفى:246ھ)، البر والصلة (عن ابن المبارك وغيره)، المحقق: د. محمد سعيد بخاري، دار الوطن- الرياض، 1419، باب ماجاني حق المملوك وحسن ملكته، 1/182، ح:351

[4] أبو محمد الحارث بن محمد بن داهر التميمي البغدادي الخصيب المعروف بابن أبي أسامة (المتوفى:282ھ)، بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، مركز خدمة السنة والسيرة النبوية- المدينة المنورة، 1413-1992، باب في من اصاب حدا ثم تاب، 2/559، ح:507

پر پردہ ڈالتے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ قیامت والے دن اس کی پردہ پوشی فرماوے گا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتماعی طور پر حسبہ کا نفاذ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت وخلافت کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ اسی ہی کی عبادت کی جائے اور اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے، اور یہ اسی طور ہو سکتا ہے کہ اس کے اوامر ونواہی کی تعظیم کی جائے اور جو بھی اس سے انحراف کرے بصورت انفراد یا اجتماع اس کا محاسبہ ومواخذہ کیا جائے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب جانتے تھے کہ کون سے امور دعوت الی اللہ کے لیے ضروری ہیں اور کن امور کی امت محمدیہ کو اشد ضرورت ہے اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ نے انفرادی واجتماعی طور پر احتساب کیا جیسا کہ انفرادی احتساب کے بارے میں ذکر کیا گیا یہاں اجتماعی طور پر آپ رضی اللہ عنہ کے نظام حسبہ پر تفصیل سے بحث کی جائے گی۔ اس بحث میں اجتماعی طور پر عقیدہ وعبادات، اخلاق ومعاشرت، عقوبات شرعیہ اور امور سیاسیہ میں آپ رضی اللہ عنہ کے احتساب کی تفصیلی ابحاث ذکر کی جائیں گی۔

ا۔ عقائد کی تصحیح کے معاملے میں آپ رضی اللہ عنہ کا احتساب:۔

ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے پاس سے گزرے اور وہ جماعت ایک سریۃ کے مقتولین کے بارے گفتگو کر رہی تھی، کچھ لوگ کہتے تھے کہ وہ جنتی شہدا ہیں جبکہ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ ان کا حساب ہو گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کیا بیان کر رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا: ہم یہ ذکر کر رہے تھے کہ ہم میں سے کچھ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں اور ہمارے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کا حساب ہو گا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا: کچھ لوگ ریاکاری کے لیے قتال کرتے ہیں اور کچھ لوگ دنیا کے حصول کے لیے قتال کرتے ہیں ، کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جب قتال ارہاق ہو جاتا ہے تو ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہوتا، کچھ لوگ حمیت کے لیے لڑتے ہیں۔

---

[1] مسند امام احمد، 9/463، مسند عبداللہ بن عمر، ح: 5646

"وَمِنْ النَّاسِ يُقَاتَلُونَ ابْتِغَاءَ وَجْهُ اللَّهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الشَّهَدَاءُ، وَإِنْ كُلُّ نَفْسٍ تَبْعَثُ عَلَى مَا تَمُوتُ عَلَيْهِ إِنَّهَا لَا تَدْرِي نَفْسٌ هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي قَتَلَ بِأَنَّ لَهُ إِنَّهُ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ"[1]

جبکہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے قتال کرتے ہیں تو یہی لوگ شہید ہیں کیونکہ ہر جان اسی کے لیے بھیجا گیا ہے جس پر اس کی موت واقع ہوئی ہے اور کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ جو جنگ میں قتل ہوا اس کے ما قبل و ما بعد گناہ بخش دیئے گئے ہوں۔

اس روایت میں عمر رضی اللہ عنہ نے اس جماعت پر اس لیے احتساب کیا کہ وہ ایسی بات پر بحث کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور ہر انسان کا عمل اس کی نیت کے مطابق ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے شہید کے اصل اطلاق کی بھی وضاحت کر دی کہ وہ وہی ہے جو خالص اللہ ہی رضا کے لیے قتال کرتا ہوا مارا جاتا ہے اس کے علاوہ جو لوگ قومی غیرت و حمیت، حصول مال، دکھلاوے کے لیے لڑنے والے یہ لوگ شہید نہیں بلکہ ان کے لیے وہی ہے جو ان کی نیت تھی کیونکہ آپ ﷺ کے فرمان۔

(إِنَّمَا الأَعْمالُ بالنِّيّاتِ وإِنَّمَا لِكُلِّ امرىءٍ مَا نَوَى)[2]

ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر ایک لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی تھی۔

مثال نمبر ۲۔ ایک روایت میں مروی ہے۔

"لَا تُسَمُّوا الْحَكَمَ، وَلَا أَبَا الْحَكَمِ، فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَكَمُ، وَلَا تُسَمُّوا الطَّرِيقَ السِّكَّةَ"[3]

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حکم اور ابو الحکم نام نہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ حکم ہے۔

اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اللہ کے نام کے ساتھ اشتباہ کی وجہ سے اس طرح کے نام اور کنیت رکھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ حکم اللہ تعالیٰ کا نام ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

(إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَكَمُ وَإِلَيْهِ الْحُكْمُ) [4]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حکم ہے اور اسی کی طرف حکم ہے۔

---

[1] أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (المتوفى: 211ھ)، المصنف، المحقق: حبيب الرحمن الأعظمي، المجلس العلمي-الهند، المكتب الإسلامي-بيروت، 1403، باب الشهيد، 5/266، ح:9563

[2] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب بدالوحی، 1/6، ح:1

[3] معمر بن أبي عمرو راشد الأزدي مولاهم، أبو عروة البصري، نزيل اليمن (المتوفى: 153ھ)، الجامع (منشور كملحق بمصنف عبد الرزاق)، المجلس العلمي بباكستان، وتوزيع المكتب الإسلامي ببيروت، 1403ھ، باب الكنى والاسماء، 11/42، ح:19859

[4] سنن أبي داود، باب في تغيير الاسم القبيح، 4/289، ح:4955

شیخ عبد الرحمان تمیمی [1] اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ دنیا وآخرت میں حکم ہے کیونکہ اپنی مخلوق کے درمیان اپنے انبیاء ورسل پر وحی نازل کرکے فیصلہ فرماتا ہے۔[2]

مثال نمبر۳۔ ایک روایت میں وارد ہے کہ عمر بن خطاب نے فرمایا۔

" قَدْ أَتَى عَلَيَّ زَمَانٌ وَأَنَا أَحْسِبُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يُرِيدُ بِهِ الله، فَقَدْ خُيِّلَ لِي الآنَ بِأَخَرَةٍ أَنِّي أَرَى قَوْمًا قَدْ قَرَؤُوهُ يُرِيدُونَ بِهِ النَّاسَ، فَأَرِيدُوا اللهَ بِقِرَاءَتِكُمْ، وَأَرِيدُوا اللهَ بِأَعْمَالِكُمْ"[3]

ترجمہ: ایک زمانہ ہوا میں لوگوں کا محاسبہ کرتا ہوں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قرآن پڑھتے ہیں پس اب مجھے خیال ہوا کہ ایک جماعت لوگوں کی رضا کے لیے قرآن پڑھ رہی ہے تو لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی قرآت سے اللہ کی رضا تلاش کریں اور اپنے اعمال اللہ کی خوشنودی کے لیے بجالائیں۔

اس روایت میں عمر رضی اللہ عنہ نے دکھلاوے کے لیے قرآن کی تلاوت کرنے والوں پر نکیر کی ہے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اور اس کے پاس تلاوت قرآن پر دیے جانے والے اجر کی ترغیب دلائی ہے کیونکہ صرف دنیا کی خاطر اور دنیا ہی کمانے کے لیے جو اعمال کیے جاتے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ﴾[4]

---

[1] شیخ عبد الرحمان تمیمی: عبد الرحمن بن حسن بن محمد بن عبد الوهاب النجدی، حنبلی عالم وفقیہ اور شیخ عبدالوہاب نجدی کے پوتے ہیں۔ ۱۱۹۳ھ نجد کے قصبے درعیہ میں پیدا ہوئے، شیخ عبد الرحمان سے فقہ کی تعلیم پائی پھر مصر چلے گئے وہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا۔ تحصیل علوم کے بعد ۱۲۴۱ھ ترکی بن عبداللہ کے زمانے میں ریاض کے قاضی رہے، پھر آل سعود کی دعوت پر ان کا ساتھ دیا اور ریاض میں ۱۲۸۵ھ فوت ہوئے۔ (الاعلام للزرکلی، 304/3)

[2] عبد الرحمن بن حسن بن محمد بن عبد الوهاب بن سليمان التميمي (المتوفى: 1285ه)، فتح المجيد شرح كتاب التوحيد، المحقق: محمد حامد الفقي، مطبعة السنة المحمدية، القاهرة، مصر، 1377ه/1957م، 431/1

[3] أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (المتوفى: 235ه)، الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، المحقق: كمال يوسف الحوت، مكتبة الرشد-الرياض، 1409، باب من كره ان يتاكل بالقران، 124/6، ح: 30001

[4] سورة الشورى: 20/42

ترجمہ: جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں اور جو شخص صرف دنیا کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اسے اس میں سے تھوڑا سا دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ نیت ہی اللہ اور دار آخرت کے لیے کیے گئے کام اور دنیا، جاہ ومال، مدح وثنا کے لیے کیے گئے کاموں میں فرق کرتی ہے۔[1]

۲۔عبادات سے متعلق عمر بن خطاب کے اجتماعی احتسابی کارہائے نمایاں:۔

مثال نمبر۱۔ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو فرمایا۔

" خَلِّلُوا "[2]

ترجمہ: خلال کرو۔

یہاں آپ رضی اللہ عنہ نے اس جماعت کو سنت نبوی ﷺ کی پیروی کرنے پر ابھارا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

(خَلِّلُوا بَيْنَ أَصَابِعِكُمْ لاَ يُخَلِّلُهَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِى النَّارِ)[3]

ترجمہ: اپنی انگلیوں کا خلال کیا کرو، اللہ عزوجل قیامت کے دن انہیں آگ میں نہیں ڈالے گا۔

مثال نمبر۲۔ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

" مَنْ مُؤَذِّنُوكُمْ؟ قَالُوا: عَبِيدُنَا وَمَوَالِينَا "[4]

ترجمہ: تم میں سے کون آذان دے گا؟ تو لوگوں نے کہا: ہمارے غلام وموالی۔

---

[1] تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني (المتوفى:728ھ)، مجموع الفتاوى، المحقق: عبد الرحمن بن محمد بن قاسم، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية، 1416ھ/1995م، 18/256

[2] مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی تخلیل اصابع فی الوضوء، 1/19، ح:85

[3] أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (المتوفى: 385ھ)، سنن الدارقطني، بيروت – لبنان، 1424ھ – 2004م، باب غسل القدمين والعقبين، 1/166، ح:316

[4] مصنف ابن ابی شیبۃ، 13/426

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تم میں ایک بڑی خامی ہے۔[1] جبکہ امام ابن کثیر[2] نے قیس بن ابی حازم[3] سے نقل کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تم میں نقص شدید ہے اگر خلافت کے ساتھ اذان دینے کی اجازت ہوتی تو میں اذان دیتا۔[4] یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے اذان چھوڑنے پر لوگوں کا محاسبہ کیا ہے اور اذان دینے والوں کو کم تر سمجھنے والوں کی تردید کرتے ہوئے اذان دینے کی ترغیب دلائی ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ موذنین کو افضل واشرف سمجھتے تھے اور اذان دینے کے اجر وثواب کی وجہ سے یہ تمنا کرتے تھے کہ میں خود اذان دیا کروں جیسا کہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

" لَوْلاَ أَنِّي أَخَافُ أَنْ يَكُونَ سُنَّةً مَا تَرَكْتُ الْأَذَانَ" [5]

ترجمہ: اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ سنت بن جائے گی تو میں اذان دینا نہ چھوڑتا۔

اور آپ کی تمنا بھی اسی لیے ہے کہ اذان دینے کے بڑے فضائل اور اس پر اجر عظیم حاصل ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

(الْمُؤَذِّنُونَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ)[6]

ترجمہ: اذان دینے والوں کی گردنیں قیامت والے دن لمبی ہوں گی۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فضل الاذان وثوابہ، 1/204، ح:2346

[2] ابن کثیر: أبو الفداء، عماد الدین إسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقيّ، حافظ الحدیث، مفسر قرآن، مورخ اور صاحب تصانف شافعی فقیہ ہیں۔ ۷۰۱ھ بمطابق ۱۳۰۲ شام کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے طلب علم کے لیے دمشق منتقل ہوئے اور تحصیل علوم کے بعد دمشق میں ہی سکونت اختیار کی اور وہیں ۷۷۴ھ بمطابق ۱۳۷۳ فوت ہوئے۔ (طبقات الشافعیین، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774ھ)، تحقیق: د أحمد عمر هاشم، د محمد زينهم محمد عزب، مكتبة الثقافة الدينية، 1413ھ - 1993م، مقدمہ مصنف۔ الاعلام للزرکلی، 1/320)

[3] قیس بن أبي حازم: أبو عبد الله قیس بن أبي حازم البجلي الأحمسي الكوفي كبار تابعيين میں سے ہیں اور ان کے والد صحابی ہیں۔ قیس نے عہد جہالت بھی پایا اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے نکلے تھے مگر مدینہ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرما چکے ہیں۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ انہوں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا مگر روایت نہیں کی لیکن جمہور کے نزدیک ان کو صحبت حاصل نہیں۔ ۸۴ھ فوت ہوئے ان کی ثقاہت پر اجماع ہے۔ (الاصابۃ، 5/399۔ تہذیب التہذیب، 8/386)

[4] مسند أمیر المؤمنین أبي حفص عمر بن الخطاب رضي الله عنه وأقواله علی أبواب العلم، 1/144

[5] مصنف عبد الرزاق، باب فضل الاذان، 1/486، ح:1870

[6] صحیح مسلم، باب فضل الاذان وھرب الشیطان عند سماعہ، 1/290، ح:387

مثال نمبر ۳۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور جب کسی قدر افاقہ ہوا تو لوگوں کے چہروں کی طرف دیکھا تو پوچھا۔ لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ تو لوگوں نے کہا: جی ہاں، تب آپ نے فرمایا۔

"لَا إِسْلَامَ لِمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ"[1]

ترجمہ: اس آدمی کا اسلام نہیں جو نماز چھوڑے۔

یہاں آپ رضی اللہ عنہ نے نماز باجماعت کی ترغیب دلائی ہے اور نماز کے تارک پر نکیر کی ہے کہ اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی تو اس نے کفر کیا۔ اسی لیے امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ تارک نماز اگر فرضیت نماز کا اعتقاد نہ رکھتا ہو تو بدلیل نص واجماع کافر ہے۔[2] اور امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم نے ترک اعمال میں سے نماز کے علاوہ کسی چیز کے بارے نہیں سنا کہ اس کا تارک کافر ہے اور ایمان و کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔[3]

مثال نمبر ۴۔ راستے میں نماز پڑھنے والوں کے احتساب سے متعلق منقول ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو راستے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

"صَلُّوا فِي الْمَسْجِدِ"[4]

ترجمہ: مسجد میں نماز پڑھو۔

اس روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے راستوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا اور مسجد میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی کیونکہ اس سے لوگوں کو دشواری ہوتی ہے اور مسجد کی اہمیت میں کمی آتی ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے یہ سنت نبوی ﷺ کے خلاف ہے جیسا کہ آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے ان پانچ مقامات پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

---

[1] عمر بن شبة (واسمه زيد) بن عبيدة بن ريطة النميري البصري، أبو زيد (المتوفى: 262ھ)، تاريخ المدينة لابن شبة، حققه: فهيم محمد شلتوت، السيد حبيب محمود أحمد–جدة، 1399ھ، 902/3

[2] تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم (المتوفى: 728ھ)، الفتاوى الكبرى لابن تيمية، دار الكتب العلمية، 1408ھ-1987م، 18/2

[3] أبو بكر أحمد بن محمد بن هارون بن يزيد الخَلَّال البغدادي الحنبلي (المتوفى: 311ھ)، أحكام أهل الملل والردة من الجامع لمسائل الإمام أحمد بن حنبل، تحقيق: سيد كسروي حسن، دار الكتب العلمية، بيروت–لبنان، 1414ھ-1994م، 471/1

[4] مسند امام أحمد، 342/1، مسند عمر ابن الخطاب، ح: 217

(فِي الْمَزْبَلَةِ، وَالْمجْزَرَةِ، وَالْمَقْبَرَةِ، وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ، وَالْحَمَّامِ، وَمَعَاطِنِ الْإِبِلِ، وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللَّهِ)[1]

مثال نمبر۵۔ روزے سے متعلق ابو وائل [2] سے روایت ہے کہ۔

" كُنَّا بِخَانِقِينَ فَأَهْلَلْنَا هِلَال شَوَّال "[3]

ہم نے خانقین کے مقام پر دن میں شوال کا چاند دیکھا۔

تو ہم میں بعض نے روزہ بر قرار رکھا جبکہ کچھ نے افطار کر لیا تو ہم عمر رضی اللہ عنہ کی تحریر لے آئے اس میں لکھا تھا: چاند کچھ اوقات بنسبت دوسرے اوقات کے بڑا ہوتا اس لیے جب تم دن میں چاند دیکھو تو روزہ اس وقت تک افطار نہ کرو جب تک دو آدمی گزشتہ دن چاند دیکھنے کی گواہی نہ دے دیں۔

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کا احتساب کیا ہے جو دن کو چاند دیکھ کر روزہ افطار کر دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

(فَصُومُوا لِرُؤْيَتِهِ، وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ الخ)

ترجمہ: رویئت ہلال کی وجہ سے روزہ رکھو اور رویئت ہلال سے ہی روزہ افطار کرو، اگر بادل ہوں تو تیس دنوں کا حساب کرو۔ اسی لیے علمائے کرام روزے کے معاملے احتیاط کا کہتے ہیں۔

مثال نمبر۶۔ حج جیسی اہم عبادت سے سستی و کاہلی برتنے والوں پر احتساب کرتے ہوئے فرمایا۔

"مَنْ مَاتَ وَهُوَ مُوسِرٌ وَلَمْ يَحُجَّ"[4]

جو شخص صاحب استطاعت ہوتے ہوئے بغیر حج کیے مرا تو اس کی موت کی حالت ایسی ہے جیسے یہودی یا نصرانی کی۔

---

[1] أبو بكر محمد بن هارون الرُّوياني (المتوفى: 307ه)، مسند الروياني، المحقق: أيمن علي أبو يماني، مؤسسة قرطبة – القاهرة، 1416، 2/ 420، مسند عبد الله بن عمر، ح: 1431

[2] أبو وائل: أبو وائل شقيق "بن سلمة الأسدي الكوفي، کبار تابعین میں سے اور ابن مسعودؓ کے شاگرد خاص ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا اور آپ ہی کے زمانے میں اسلام لائے مگر آپ کے بعد مدینہ ہجرت کی۔ (الاصابة، 3/ 311۔ تہذیب التہذیب، 4/ 361)

[3] مسند أمير المؤمنين أبي حفص عمر بن الخطاب رضي الله عنه وأقواله على أبواب العلم، 1/ 270۔ كتاب الفوائد (الغيلانيات)، أبو بكر محمد بن عبد الله بن إبراهيم بن عبدوَيه البغدادي الشافعي البزَّاز (المتوفى 354ه)، حققه: حلمي كامل أسعد عبد الهادي، دار ابن الجوزي – السعودية / الرياض، 1417ه – 1997م، 1/ 220، ح: 197

[4] أبو بكر أحمد بن محمد بن هارون بن يزيد الخَلَّال البغدادي الحنبلي (المتوفى: 311ه)، السنة، المحقق: د. عطية الزهراني، دار الراية – الرياض، 1410ه – 1989م، 5/ 45، ح: 1573

یہاں عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو حج بیت اللہ کی ترغیب دلائی ہے اور صاحب استطاعت حج نہ کرے تو اس کا احتساب کرتے ہوئے اس کو ڈرایا ہے اور اس کو اتنی بڑی سعادت اور فرض سے محرومی پر سخت وعید سنائی ہے کیونکہ صاحب استطاعت پر حج واجب ہے جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾[1]

لوگوں میں سے صاحب استطاعت پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے بھی فرمایا۔

(مَا يُوجِبُ الْحَجَّ؟ قَالَ: الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ)[2]

زاد راہ اور سواری والے پر حج واجب ہے۔

۳۔ اجتماعی اخلاق و آداب سے متعلق عمر رضی اللہ عنہ کا احتسابی عمل:۔

مثال نمبر۱۔ عمر بن خطابؓ نے ایک دن خطبہ کے دوران فرمایا: اے لوگو! اطیبوا مثواکم اور اپنے کاموں کی اصلاح کرو، اپنے رب اللہ سے ڈرو۔

" وَلَا تَلْبَسُوا نِسَاءَكُمْ الْقَبَاطِيَّ "[3]

اور اپنی عورتوں کو قبطی لباس نہ پہناو۔ کیونکہ وہ جسم کو ڈھانکتا نہیں بلکہ اس سے جسم صاف نظر آتا ہے۔

اس خطبہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے اجتماعی طور پر لوگوں کا اس بات پر محاسبہ کیا ہے کہ ان کی عورتیں ایسے لباس نہ پہنیں جس سے زیب وزینت ظاہر ہوتی ہو جیسے مصری لباس کیونکہ آپ جانتے تھے کہ عورتوں کا زینت کا اظہار مردوں کو فتنے میں ڈالتا ہے اور مصری لباس تنگ و چست تھا جس سے خواتین کے جسم کے اعضا کی شکل نظر آتی تھی۔

مثال نمبر۲۔ خواتین کا زیب وزینت کے ساتھ گھروں سے نکلنے پر احتساب کیا چنانچہ ایک دفعہ عید کے موقعہ پر آپ رضی اللہ عنہ خواتین کے پاس سے گزرے تو ایک عورت کے سر سے خوشبو محسوس کی تو فرمایا: یہ کون عورت ہے؟

"لَوْعَرَفْتُهَا لَفَعَلْتُ وَفَعَلْتُ"[4]

---

[1] سورۃ آل عمران: 3/97

[2] سنن ابن ماجه، باب مایوجب الحج، 2/966، ح: 2896

[3] مصنف عبد الرزاق، 5/164، ح: 9253

[4] أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (المتوفى: 235ه)، الأدب لابن أبي شيبة، المحقق: د. محمد رضا القهوجي، دار البشائر الإسلامية – لبنان، 1420ه-1999م، 1/177

اگر میں اسے پہچان لیتا تو میں کر گزرتا اور کر گزرتا۔

عورت کو چاہیے کہ وہ صرف اپنے شوہر کے لیے خوشبو لگائے اور جب گھر سے نکلے تو خوشبو نہ لگائے۔

مثال نمبر ۳۔ ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ ایک حوض کے پاس سے گزرے تو وہاں مردوں اور عورتوں سب کو وضو کرتے دیکھا تو مردوں کو درے مارے پھر حوض کے مالک سے کہا۔

" اجْعَلْ لِلرِّجَالِ حِيَاضاً، وَالنِّسَاءِ حِيَاضاً"[1]

مردوں کے لیے اور عورتوں کے لیے الگ الگ حوض بنا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ خواتین کو زیب وزینت کر کے باہر نکلنے اور مردوں سے اختلاط سے روکتے تھے اور اس پر مواخذہ بھی کرتے تھے کیونکہ عورت کا زیب وزینت کے ساتھ گھر سے نکلنا یا مردوں سے اختلاط کرنا مردوں کو فتنوں میں مبتلا کرنے والا کام ہے اور اسی سے زنا کے لیے راستے ہموار ہوتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ عورت بے وقعت و بے قدر ہو جاتی ہے فحاشی عام ہوتی ہے اور اس سے تحفظ نسل کی جو ریاستی اکائی ہے وہ بھی متاثر ہوتی ہے چونکہ آپ رضی اللہ عنہ ایک عادل حاکم و محتسب تھے اس لیے ہر بے اعتدالی پر احتساب کرتے تھے۔

مثال نمبر ۴۔ عمر رضی اللہ عنہ کی عادت شریفہ تھی کہ وہ تواضع وانکساری سے کام لیتے تھے اور کسی بھی انسان سے اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھتے تھے بلکہ آپ کے اخلاق فاضلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے غلاموں کو بھی اپنا مخدوم بنایا جیسا کہ سفر شام میں اپنے غلام کو آدھے سفر میں سواری پر بٹھایا اور خود اونٹ کی مہار پکڑے چلتے رہے اور آدھے سفر میں خود سوار ہوئے اور غلام مہار پکڑے چلتا رہا یعنی آقا و غلام، حاکم و محکوم کا فرق روا نہیں رکھا اور جب شام پہنچے تو اہل شام آپ کی طرف دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے کہ آقا و غلام میں ظاہری طور پر کوئی فرق نہیں، غلام نے اشارہ کیا کہ یہ خلیفہ اسلام ہیں تب آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے تعجب پر فرمایا۔

" مَا لَهُمْ تَطْمُحُ أَعْيُنُهُمْ إِلَى مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ"[2]

مثال نمبر ۵۔ قریش کے بارے میں علم ہوا کہ عام لوگوں کی مجالس میں نہیں بیٹھتے اور نہ عام لوگوں کو اپنی مجالس کا شریک کار بناتے ہیں تو آپ نے ان کا مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق، 1/75، ح:246

[2] أبو داود سليمان بن الأشعث (المتوفى: 275ھ)، الزهد لأبي داود السجستاني، دار المشكاة للنشر والتوزيع، حلوان، 1414ھ - 1993م، 1/94، ح:78

" هَذَا رَأْيُ فُلانٍ، قَدْ قَسَمُوا الإِسْلامَ أَقْسَامًا، أَفِيضُوا مَجَالِسَكُمْ بَيْنَكُمْ، وَتَجَالَسُوا مَعًا، فَإِنَّهُ أَدْوَمُ لأُلْفَتِكُمْ، وَأَهْيَبُ لَكُمْ فِي النَّاسِ"[1]

تمہارے بعد والے کہیں گے کہ یہ فلاں کی رائے ہے، انہوں نے اسلام کو بہت ساری قسموں پر تقسیم کیا، اپنی مجالس کو بہادو اور اکھٹے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھا کرو کیونکہ اس سے تمہاری الفت میں دوام پیدا ہو گا اور لوگوں میں تمہاری ہیبت پیدا ہو گی۔

مثال نمبر۶۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے جو بذریعہ حد سزا یافتہ شخص کے پیچھے چل رہی تھی تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"لَا مَرْحَبًا بِهَذِهِ الْوُجُوهِ الَّتِي لَا تُرَى إِلَّا فِي الشَّرِّ"[2]

ان چہروں کے لیے کوئی خوش آمدید نہیں جو صرف اور صرف شر میں دیکھتی ہے۔

مثال نمبر۷۔ اہل عراق میں سے ایک جماعت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ مشکل و دقت سے کھانا کھارہے ہیں، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ۔

" لَوْ شِئْت أَنْ يُدَهْمَقَ لِي كَمَا يُدَهْمَقُ لَكُمْ ، وَلَكِنَّا نَسْتَبْقِي مِنْ دُنْيَانَا مَا نَجِدُهُ فِي آخِرَتِنَا"[3]

اگر میں چاہتا تو اپنے لیے خوراک کو نرم کرلیتا جیسے تمہارے لیے نرم خوراک تیار کی ہے لیکن ہم اپنی دنیا کی زندگی میں سبقت اختیار کرتے ہیں جو ہم اپنی آخرت میں پاتے ہیں۔

کیا تم نے اللہ کا قول نہیں سنا۔

﴿أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا﴾[4]

جبکہ اسی واقعہ کے **متعلق** دوسری روایت میں آتا ہے کہ **عمر رضی اللہ عنہ** نے کہا۔

"قد رأى ما تقرمون، فأي شيء تريدون؟ حلوا وحامضا وحارا وباردا، ثم قذفا في البطون "[5]

میں نے دیکھا جو تم کررہے ہو، تمہارا کیا ارادہ ہے، کیا میٹھا، کڑوا، گرم ٹھنڈا پھر اسے پیٹ میں پھینک دیتے ہو۔

مثال نمبر۸۔ مسجد کے آداب کے سلسلے میں عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

---

[1] تاریخ الطبري، 4/214

[2] أبو بكر أحمد بن مروان الدينوري المالكي (المتوفى: 333ھ)، المجالسة وجواهر العلم، دار ابن حزم (بيروت - لبنان)، 1419ھ، 3/47

[3] حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، 1/49

[4] سورة الاحقاف: 46/20

[5] مصنف ابن ابی شیبہ ،7/98، ح:34478

" أَيُّهَا النَّاسُ تَأْكُلُونَ مِنْ شَجَرَتَيْنِ لاَ أَرَاهُمَا إِلاَّ خَبِيثَتَيْنِ "[1]

اے لوگو! تم دو ایسے درخت کھاتے ہو جنہیں میں صرف خبیث سمجھتا ہوں بصل اور ثوم۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ جب وہ کسی آدمی سے مسجد میں ان دو چیزوں کی بو پاتے تو ہمیں حکم دیتے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مسجد سے بقیع کی طرف نکال دو، تو جس نے بھی ان دو چیزوں کو کھایا تو ضروری ہے کہ ان چیزوں کی بو پکا کر مٹا دے۔

اس روایت کے مطابق عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مسجد اور اس میں نماز کے آداب میں سے ایک بڑا ادب یاد دلایا ہے اور وہ بصل وثوم اور ان جیسی اور ایسی چیزوں کہ جن کی بو منہ سے آتی ہے اور اس سے فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے جیسے ان سے انسان کو اذیت ہوتی ہے ،کے بارے میں ممانعت ہے ،یہی وجہ ہے کہ امام شوکانی[2] فرماتے ہیں کہ۔

"هَذَا تَصْرِيحٌ بِنَهْيِ مَنْ أَكَلَ الثُّومَ"[3]

یہ تھوم وغیرہ کھا کر مسجد میں آنے سے متعلق نہی کی تصریح ہے اور یہ تمام علما کا مذہب ہے۔

مثال نمبر۹۔ ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو قرآن کی قرات میں ایسی لحن کرتے تھے جس سے معانی قرآن تبدیل ہو رہے تھے ان کا احتساب کرتے ہوئے فرمایا۔

" تَرَاجَعُوا وَلَا تَلْحَنُوا"[4]

قرات کرو مگر لحن نہ کرو۔

مثال نمبر۱۰۔ عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ وہ ہر اس کام سے احتراز کرتے تھے جو ذاتی مفاخر اور ظاہری بناوٹ کا باعث بنے اور مسلمانوں کو بھی اس سے بچنے کا حکم دیتے تھے چنانچہ جب آپ شام گئے تو آپ کو ترکی گھوڑا سواری کے لیے پیش کیا گیا جس پر آپ سوار ہوئے مگر گھوڑے نے اترانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے آپ سواری سے اترے اور فرمایا۔

---

[1] مسند الفاروق لابن کثیر، 525/2

[2] شوکانی: محمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني مالکی فقیہ و مجتہد اور صاحب تصانیف عالم ہیں۔ یمن کے علاقے شوکان میں ۱۱۷۳ھ بمطابق ۱۷۶۰ پیدا ہوئے تحصیل علوم کے بعد صنعا کے قاضی رہے اور ۱۲۵۰ھ بمطابق ۱۸۳۴ فوت ہوئے۔ (الاعلام للزرکلی، 298/6)

[3] محمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني اليمني (المتوفى: 1250ه)، نيل الأوطار، دار الحديث، مصر، 1413ه-1993م، 179/2

[4] شعب الإيمان، 550/3، ح: 2099

"لَا عَلَّمَ اللَّهُ مَنْ عَلَّمَكَ"[1]

اللہ اسے نہ سکھائے جس نے تجھے سکھایا ہو۔

پھر اس کے بعد ترکی گھوڑے پر کبھی سوار نہیں ہوئے جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا۔

"احْبِسُوا، مَا كُنتَ أظنّ النّاسَ يَرْكَبُونَ الشيطان، هَاتُوا جَمَلِي"[2]

یہ کس کا گھوڑا ہے، اسے قید کر دو، میرے گمان میں لوگ شیاطین پر سواری نہیں کرتے، میرا اونٹ لاؤ پھر اس گھوڑے سے اترے اور اپنے اونٹ پر سوار ہو گئے۔

ان دونوں روایات کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کا احتساب کیا ہے جو ترکی گھوڑے کو پسند کرتے اور اس کو سواری کے لیے استعمال کرتے تھے کیونکہ ترکی گھوڑے اترانے، اور مفاخر میں مشہور تھے اور لوگوں کا اس پر محاسبہ کیا کہ اس سے ظاہری تصنع میں مدد ملتی ہے حالانکہ اللہ نے سواری کے لیے عربی گھوڑے، اونٹ، گدھا خچر پیدا کیے ہیں اور ان میں اترانے کی عادت نہیں۔

۴۔ عقوبات وتعزیرات کے معاملہ میں عمر رضی اللہ عنہ کا احتسابی عمل:۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کو بے راہ روی سے روکنے کے لیے اور معاشرے کی اصلاح کے لیے کچھ سزائیں دنیاوی زندگی کے لیے نازل کی ہیں۔ جن کو حدود اللہ کہا جاتا ہے اور کچھ سزائیں قصاص[3] کے طور پر مشروع کی ہیں اور کچھ سزائیں اپنے رسول ﷺ کے اقوال وافعال سے مشروع کی ہیں جن کو تعزیرات کہا جاتا ہے ہر مسلمان خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان شرعی سزاوں کو حسب جنایت نافذ کرے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے حکم کو نافذ کرنے میں سختی سے کام لیتے تھے اور بھرپور احتساب کرتے تھے چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ۔

"لَوْ أُتِيتُ بِرَجُلٍ تَمَتَّعَ بِامْرَأَةٍ لَرَجَمْتُهُ إِنْ كَانَ أُحْصِنَ فَإِنْ كَانَ لَمْ يَكُنْ أُحْصِنَ ضَرَبْتُهُ"[4]

اگر کسی آدمی نے کسی عورت سے متع کیا تو اگر وہ شادی شدہ ہوا تو اسے رجم کروں گا اور اگر غیر شادی شدہ نے ایسا کیا تو اسے کوڑے ماروں گا۔

کیونکہ یہی حکم الٰہی ہے۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ، 7/67

[2] تاریخ الإسلام ووفیات المشاهیر والأعلام، 3/269

[3] (اسلامی قانون آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک جان کے بدلے جان)

[4] مصنف ابن ابی شیبہ، 3/552، ح:17077

مثال نمبر۱۔ ایک روایت میں وارد ہے کہ ربیعہ بن امیہؓ[1] نے مدینہ[2] کی ایک بچی سے دو عورتوں کی گواہی سے متع کیا جس سے وہ لڑکی حاملہ ہو گئی جب عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو سخت غضب ناک ہوئے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ ربیعہ بن امیہ نے مدینہ کی لڑکی سے دو عورتوں کی گواہی پر نکاح کیا ہے۔

"وَلَوْ كُنْتُ تُقُدِّمْتُ فِيهِ، لَرَجَمْتُ"[3]

اگر یہ واقعہ مجھ سے پہلے نہ ہوتا تو میں رجم کر دیتا۔

مثال نمبر۲۔ جب خالد بن ولیدؓ[4] نے کثرت مے نوشی پر ایک آدمی کو مدینہ استفتا کے لیے بھیجا تو عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] ربیعہ بن امیہ: ربيعة بن أمية بن خلف بن وهب بن حذافة، اس کے بھائی صفوان صحابی ہیں۔ فتح مکہ والے دن اسلام لائے حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔ ایک حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شراب پی لی تھی اور بھاگ کر قیصر کے پاس چلا گیا تھا اور عیسائیت کی حالت میں قیصر کے پاس مرا۔ (الإصابة في تمييز الصحابة، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: 852ھ)، تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود وعلى محمد معوض، دار الكتب العلمية - بيروت - 1415ھ، 432/2

[2] مدینہ: یہ شہر رسول اللہ ﷺ کا دار الہجرت اور آخری آرام گاہ ہے ہجرت نبوی سے پہلے اس کا نام یثرب تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی آمد کے بعد مدینۃ الرسول اور مدینہ طیبہ کے نام سے مشہور ہے۔ صوبہ حجاز کا دوسرا اہم شہر ہے۔ مدینہ کے وسط میں قبلہ کے جنوبی طرف مسجد نبوی اور حجرات نبوی ﷺ واقع ہیں۔ مدینہ کے مشہور قبائل میں اوس و خزرج اور ہجرت نبوی کے بعد مہاجرین کے تمام قبائل یہاں آباد ہوئے۔ مدینہ سے قبا سات میل، مدینہ سے مکہ دس مراحل ہیں (البلدان، أحمد بن إسحاق (أبي يعقوب) بن جعفر بن وهب بن واضح اليعقوبي (المتوفى: بعد292ھ)، دار الکتب العلمية، بيروت، 1422ھ، 1/151)

[3] موطا امام مالک، 3/767، ح:1960۔ تاريخ المدينة لابن شبة، 2/717

[4] خالد بن ولیدؓ: أبو سليمان خالد بن الوليد بن المغيرة بن المخزومي عظیم صحابی، عظیم سپہ سالار اور فاتح یرموک ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلام قبول کیا بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے غزوہ موتہ کے موقع پر چوتھے سپہ سالار تھے اور آپ کے ہاتھ سے ۹ تلواریں ٹوٹیں فتح مند واپس ہوئے رسول اللہ ﷺ نے سیف اللہ کے لقب سے نوازا۔ مسیلمہ کذاب کو قتل کیا، حمص میں ۲۱ھ یا اس کے بعد فوت ہوئے۔ (الاصابہ، 2/215۔ الوافي بالوفيات، 13/160)

کے پاس اس وقت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عثمان غنیؓ[1]، عبد الرحمان بن عوفؓ، طلحہ[2] وزبیرؓ موجود تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے مجلس میں موجود اصحاب سے پوچھنے کا کہا تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شرابی کو اسی کوڑے سزا دی جائے کیونکہ جب وہ شراب پیے گا تو اس پر نشہ ہو گا اور اس حالت میں شرابی ہذیان بکے گا اور تہمتیں لگائے گا۔ پھر یہی سزا شرابی کے لیے مختص کر دی گئی، عمر رضی اللہ عنہ یہی سزا شرابی کو دیتے تھے اور خالد بن ولیدؓ نے بھی یہی سزا دینا شروع کر دی۔[3]

اس روایت کے مطابق عمر رضی اللہ عنہ نے شرابی کی سزا دوگناہ کر دی حالانکہ آپ کے ابتدائی دور حکومت میں چالیس کوڑے سزا تھی، اس کی وجہ یہ ہے مفتوحہ علاقوں کے لوگ شراب پیتے تھے اور ابھی پوری طرح اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے ان کی اس عادت کی وجہ سے دوسرے مسلمان بھی متاثر ہو رہے تھے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شرابی نشے میں کسی پر تہمت لگا سکتا ہے اور تہمت کی سزا اسی کوڑے ہے لھذا سد ذریعہ کے طور پر اسی کوڑے سزا مقرر کر دی گئی۔

مثال نمبر۳۔ قتل کے معاملے میں احتساب کا ایک واقعہ منقول ہے کہ صنعا[4] کی ایک عورت نے اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں کسی دوسرے مرد سے صحبت اختیار کر لی اور شوہر نے اپنا بچہ بھی اس عورت کی پرورش میں چھوڑا ہوا تھا جسے اس عورت اور اس کا دوست قتل کرنے پر آمادہ ہوئے اور پانچ مزید آدمیوں کی مدد سے بچے کو قتل کر کے قلیل الما کنوئیں میں لاش پھینک دی جب والی صنعا یعلی بن امیہ کو علم ہوا تو اس عورت کے عاشق نے اقرار کیا بعد

---

[1] عثمان بن عفان: عثمان بن عفان بن أبي العاص بن أمية القرشي، رسول اللہ کے داماد، تیسرے خلیفہ راشد اور قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ ۴۷ق ھ مکہ میں پیدا ہوئے، پانچ آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے، حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کی، غزوات میں شریک رہے، اپنی دولت جہاد میں صرف کی عمر فاروقؓ کے بعد خلیفہ بنائے گئے اور ۱۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۵ھ مدینہ میں مظلوما شہید کیے گئے۔(الریاض النضرہ،2/82-152۔ تاریخ طبری،5/79-194)

[2] طلحہؓ: أبو محمد طلحة بن عبيد الله بن عثمان بن عمرو بن كعب القرشي التيمي، عشرہ مبشرہ میں سے ایک، قدیم الاسلام صحابی اور ابو بکر الصدیقؓ کے چچازاد بھائی ہیں، طلحة الطلحات اور طلحة الخیر کے القابات سے مشہور ہیں۔ ۲۸ قبل الہجرہ مکہ میں پیدا ہوئے، مدینہ ہجرت کی، تمام غزوات میں شریک ہوئے، غزوہ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کی ڈھال کے طور پر اپنا بازو شل کیا۔ عہد نبوی کے بعد بصرہ مقیم ہو گئے تھے اور واقعہ جمل میں ام المومنین عائشہؓ کی طرف سے ۳۶ھ شہید ہوئے۔(تہذیب التہذیب،5/20)

[3] سنن أبي داود، باب إذا تتابع في شرب الخمر،4/166،ح:4489

[4] صنعاء: یہ یمن کا دار الحکومت ہے، پہاڑی علاقہ، معتدل ہوا، صاف پانیوں، بارانی اور زرعی علاقہ ہے۔ اس کا قدیم نام ازال تھا جو بانی شہر ازال بن یقطن بن عابر کے نام سے موسوم تھا۔ اس سے عدن کا فاصلہ ۶۸ میل ہے۔(معجم البلدان، شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله الرومي الحموي (المتوفى:626ھ)، دار صادر، بیروت،1995م،3/425)

ازیں عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا کہ ان کے بارے کیا حکم ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر سب قاتلوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا۔

"لَوْ تَمَالأَ عَلَيْهِ أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ جَمِيعاً"[1]

اگر تمام صنعا بھی اس بچے کے قتل میں شریک ہوتا تو میں سارے صنعاوالوں کو قتل کر دیتا۔

۵۔اجتماعی معاملات میں عمر رضی اللہ عنہ کا احتساب:۔

مثال نمبر۱۔ تجارت اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا ایک اہم معاملہ ہے جسے چھوڑنے سے انسان محتاجی کی طرف گامزن ہوتا ہے کیونکہ رزق کا ایک بڑا حصہ تجارت و محنت ہے جبکہ اس کے برعکس انسان اپنے برسوں کی لاکھوں کروڑوں کی کمائی کو یک دم ختم کر دیتا ہے اور دوسرے ذرائع معاش اگرچہ بہت سارے ہیں مگر رزق کی کثرت تجارت جیسے اہم معاملہ سے جڑی ہوئی ہے اسی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ درہ لے کر بازار تشریف لے گئے اور وہاں کے حالات دیکھے اور واپس آئے تو اصحاب مجلس نے پوچھا تو آپ نے بتایا کہ میں نے غلاموں اور موالی کو دیکھا کہ وہ اپنے اہل کے لیے محنت کر رہے ہیں جبکہ عرب وہاں بہت تھوڑے ہیں اور یہ ان عربوں کے لیے برا ہے، تو صاحب مجلس نے کہا: یا امیر المومنین! ہمیں اللہ نے مال فیئ کے ذریعے غنی کر دیا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر رد کیا اور فرمایا۔

"وَاللَّهِ لَئِنْ تَرَكْتُمُوهُمْ وَإِيَّاهَا لَيَحْتَاجَنَّ رِجَالُكُمْ إِلَى رِجَالِهِمْ، وَنِسَاؤُكُمْ إِلَى نِسَائِهِمْ "[2]

اللہ کی قسم اگر تم ان کو اور تجارت کو چھوڑ دو گے تو تمہارے مرد ان کے مردوں کے اور
تمہاری عورتیں ان کی عورتوں کی محتاج ہو جائیں گی۔

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا تجارت چھوڑنے اور تجارتی معاملات کو صرف غلاموں کے ہاتھ میں سپرد کرنے پر محاسبہ کیا۔

مثال نمبر۲۔ ناجائز خرید و فروخت پر مواخذہ کرتے تھے چنانچہ ایک قریشی لڑکی نے اپنی غلام ماں کو فروخت کر دیا جس پر آپ نے محاسبہ کرتے ہوئے انصار و مہاجرین کو بلایا اور بر سر منبر اعلان کیا کہ یہ بیچنے والی عورت قطع رحم کرنے والی ہے اور ایسا کرنا قطع رحمی ہے دوران خطبہ یہ آیت تلاوت کی۔

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا﴾[3]

پھر تمام ملک میں لکھ بھیجا کہ۔

---

[1] موطا امام مالک، 5/1281، ح:3246۔ سنن الدار قطني، كتاب الحدود والديات، 4/279، ح:3463

[2] تاریخ المدينة لابن شبة، 2/747

[3] سورة محمد: 47/22

" فَكَتَبَ فِي الآفَاقِ أَنْ لَا تُبَاعَ أُمُّ حُرٍّ فَإِنَّهَا قَطِيعَةٌ وَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ"[1]

کسی آزاد کی ماں فروخت نہ کی جائے کیونکہ یہ قطع رحمی ہے قطع رحمی حلال نہیں۔

مثال نمبر ۳۔ سودی معاملات سے بچنے کے لیے آپ رضی اللہ عنہ تجار کو حکم دیتے تھے کہ جب مال فروخت کرو تو اپنے فریق سے بدل لے کر جدا ہو، اگر انتظار کرنے کی ضرورت ہے تو انتظار کرے لیکن گھر میں داخل ہو گیا تو پھر انتظار نہ کرے کیونکہ مجھے تم پر سود کا خوف ہے۔ اسی طرح زمین کو غیر آباد رکھنے پر محاسبہ کیا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گروہ کو زمین کا ٹکڑا دیا تھا تاکہ آباد کریں مگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد آبادکاری چھوڑ دی جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے محاسبہ کرتے ہوئے اصل مالکوں سے کہا کہ۔

"إِنْ شِئْتُمْ فَرُدُّوا عَلَيْهِمْ مَا بَيْنَ ذَلِكَ، وَخُذُوا أَرْضَكُمْ وَإِنْ شِئْتُمْ رَدُّوا عَلَيْكُمْ ثَمَنَ أَدِيمِ الْأَرْضِ"[2]

چاہو تو اپنی زمین لے لو اور اگر چاہو تو ان سے زمین کی قیمت لے کر ان ہی کو زمینیں دے دو۔

اس فصل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انفرادی و اجتماعی سطح پر احتساب کو بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب امیر المومنین جیسے اپنی ذاتی زندگی کے تمام گوشوں میں قرآن و سنت کے متبع تھے اور اپنی ذات کا محاسبہ کرتے رہتے تھے اور ہر وقت محتاط رہا کرتے تھے کہ کسی موقع پر کوئی ایسی لغزش و خطا نہ ہو جائے جس سے اللہ اور اس کے رسول کا عتاب آجائے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ ایک عادل حکمران اور رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ و نائب تھے اور رسالت کی نیابت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام اعمال و افعال نجی و اجتماعی زندگی رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہو۔

---

[1] أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نُعيم بن الحكم الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بابن البيع (المتوفى: 405ھ)، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية - بيروت، 1411-1990، 2/496

[2] أبو أحمد حميد بن مخلد بن قتيبة بن عبد الله الخرساني المعروف بابن زنجويه (المتوفى: 251ھ)، الأموال لابن زنجويه، تحقيق الدكتور: شاكر ذيب فياض الأستاذ المساعد - بجامعة الملك سعود، مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الإسلامية، السعودية، 1406ھ-1986م، 2/643

فصل دوم

عمال وولاۃ پر حسبہ کا نفاذ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیاسی بصیرت اور احساس ذمہ داری

حضرت عمر فاروقؓ نے پوری طرح اسلام کو لیا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوا تھا، آپ اسلام کے ہر گوشے سے پوری واقفیت رکھتے تھے اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق مکمل فہم و بصیرت کے مالک تھے یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی آپ رضی اللہ عنہ کی مشاورت سے اہم دینی وسیاسی اور معاشرتی اقدامات اٹھائے گئے اور جب زمام خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے ایسا منظم و مربوط نظام متعارف کروایا جس کی مثال اسلام سے پہلے نہ ہی آپ کی معاصر ریاستوں میں اور نہ آپ کی وفات کے بعد کسی جگہ ایسی منظم سلطنت وجود میں آئی جس میں ہر لحاظ سے امن واستحکام ہو اور سارے امور میں عدل وانصاف کی بالادستی ہو، اور نہ ہی ایسا حاکم جو مرشد و مربی بھی ہو، منصف بھی ہو، اور انتہائی حساسیت کے ساتھ حکومت کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھا سکے۔ اصل بحث سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ کی سیاسی بصیرت سے متعلق مختصر ابحاث کی جائے گی۔

مثال نمبر ا۔ عمر فاروقؓ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ اپنی خلافت اور اپنی ذات کے بارے میں لوگوں کی تعریفات سننا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ وہ خلافت کی ذمہ داری کو ایک بہت بڑا بوجھ تصور کرتے تھے اور ہر وقت اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں مسلمانوں کے امور میں کوتاہی نہ ہو گی ہو کہ جس کا آخرت میں جواب دینا پڑے چنانچہ جب آپ نیزے سے زخمی کر دیے گئے تھے اور اسی زخم سے آپ کی موت بھی ہوئی اس وقت آپ نے دودھ مانگ کر پیا جو زخموں سے باہر آگیا تھا، تو آپ نے کہا: اللہ اکبر، آپ کے پاس بیٹھے لوگوں نے آپ کی تعریف کرنا شروع کر دی جس پر آپ نے فرمایا: کیا تم مجھے امارت کے بارے میں رشک دلاتے ہو؟ اللہ کی قسم! میری خواہش ہے کہ میں جس طرح اس خلافت کے معاملہ میں داخل ہوا اسی طرح اس سے نکل بھی جاوں، اللہ کی قسم! اگر میرے لیے اس پر سورج طلوع نہ ہو تو میں طلوع ہونے کی جگہ کے خوف سے اس کا فدیہ ادا کروں کیونکہ آپ خلافت کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے حساب سے ڈرتے تھے اور ان کی سیرت کے مطابق جو بھی مسلمانوں کے امور کا والی بنایا جائے گا اس کے کاندھے ایسی عظیم ذمہ داری کے بوجھ تلے دب جائیں گے کہ جس کی بازپرس ہو گی اور خلافت وامارت ایسی چیز نہیں کہ جس کا حامل یا اس کی رعایا اس پر فخر ورشک کرے بلکہ یہ تو ایک امانت ہے اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کی تعریف پر محاسبہ کیا کرتے تھے۔

مثال نمبر ۲۔ آپ رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کی وہ اجتماعی اموال سے اپنے لیے اور اپنے خاندان واقارب کے لیے لینا مناسب نہ سمجھتے تھے بلکہ اپنا حق ہوتے بھی دوسروں کو ترجیح دیتے تھے جیسا کہ ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ سبز کپڑے خواتین میں تقسیم فرما رہے تھے تو ایک کپڑا بچ گیا تو لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ آپ بنت رسول اللہ جو

آپ کے عقد میں ہیں ان کو دے دیں تو آپ نے فرمایا: اس کی زیادہ حقدار ام سلیط[1] ہیں جبکہ ام کلثوم[2] کو ہمارے ساتھ قربت کا تعلق ہے۔

مثال نمبر۳۔ اگر دیکھا جائے تو آپ امت مسلمہ کے درمیان بڑے اختلافات کو مٹانے والے تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں میں ایک بڑا ہولناک فتنہ برپا ہونے لگا تھا جب انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم مہاجرین میں سے ہوگا تو اس وقت آپ ہی انصار سے فرمایا تھا کہ کیا تم جانتے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اخری ایام میں ابو بکر ہی کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا، تو تم میں سے کون اس بات کو پسند کرے گا کہ ابو بکر سے مقدم ہونے کا دعوی کرے تو انصار نے کہا کہ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اس بات سے کہ ہم ابو بکر سے مقدم ہو جائیں۔

مثال نمبر۴۔ آپ کی سیاست سے امت فتنے سے محفوظ رہی اور اتحاد جیسی عظیم نعمت سے مالا مال ہوئی۔ جب آپ زخمی ہوئے تو آپ نے اس وقت بھی لوگوں کو اتحاد کا درس دیا اور فرمایا: یہ تمہارے پاس ایسا گروہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت سنائی یعنی علی و عثمان، عبد الرحمان بن عوف و سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن عوام و طلحہ بن عبید اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان میں سے کسی کو ایک کو اپنے معاملات کے لیے منتخب کرلو اور ان کی مدد کرو، اگر تم میں سے کسی کو امانت دار بنادیا جائے تو اسی کو امانت سپرد کرو، جبکہ دوسری روایت کے مطابق انصار سے فرمایا: تین دن ان کو گھر میں داخل کردو یہ استقامت پکڑلیں وگرنہ ان پر داخل ہو جاو اور ان کی گردنیں مار دو۔

مثال نمبر۵۔ یہ آپ کی سیاسی بصیرت تھی کہ اتحاد بھی قائم رہے اور مراتب کا لحاظ بھی باقی رہے جیسا کہ ان کا طرز عمل وظائف کی تقسیم میں بھی ایسا ہی تھا یعنی جب اموال کی تقسیم کا طریقہ کار وضع کیا گیا تو اس میں بھی ابتدا رسول اللہ ﷺ کی قرابت، پھر ابو بکرؓ کی قرابت و خاندان پھر دوسرے لوگوں کے وظائف مقرر کیے گئے اسی طرح اموال قادسیہ کی تقسیم میں بدریین پھر احد والے اصحاب نبی ﷺ کو مقدم رکھا گیا۔ انصار کا جو اصل مقام تھا جو ہمیشہ سے طریقہ کار چلا آرہا تھا یعنی رسول اللہ ﷺ، عہد خلافت ابو بکر و عمر وہ ہمیشہ حاکم کے معاون و مددگار رہے اور ہمیشہ ان

---

[1] ام سلیط: ام سلیط النجاریۃ، ابو سلیط بن ابو حارثہ کی بیوی اور صحابیہ ہیں۔ غزوہ خیبر و حنین میں بھی شریک ہوئیں۔ (طبقات ابن سعد، 8/307۔ الاستیعاب، 4/1940)

[2] ام کلثوم: ام کلثوم بنت علي بن أبي طالب بن عبد المطلب بن ھاشم الہاشمیہ القرشیہ، علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی بیٹی، عمر بن خطابؓ کی بیوی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد عون بن جعفر اور پھر محمد بن جعفر سے نکاح کیا۔ (طبقات ابن سعد، 8/338۔ الاستیعاب، 4/1954)

کا طرز عمل اتحاد ہی رہا، اس موقعہ پر بھی ان کو وہی ذمہ داری سونپی گئی۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ سیاست اور سیاسی بصیرت تھی جو ہمیشہ کے لیے انسانیت کے لیے عمدہ نمونہ ہے۔

عمال وولاۃ پر احتساب کا نفاذ

محاصل کی وصولی، اصلاح احوال اور تزکیہ اخلاق کے لیے مختلف مقامات پر جو کارندے مامور کیے جاتے تھے انھیں عمال یا ولاۃ کہا جاتا تھا۔ جناب فاروق اعظمؓ کے بطور حاکم و محتسب اعلیٰ ان کے نائیبین وولاۃ کے احتساب کی بحث تفصیل سے ذکر کی جائے گی جس میں عمال کے عقائد وعبادات، اخلاق وعادات، قومی اموال واملاک کی حفاظت میں کوتاہی، عقوبات شرعی کے قیام میں غفلت اور عمال کے معاملات پر عمر رضی اللہ عنہ کا احتساب ومواخذہ جیسے امور زیر بحث لائے جائیں گے۔

ا۔ عمال وولاۃ کے عقائد کے بارے میں احتساب:۔

مثال نمبر ا۔ جب آپؓ شام کا سفر کرنے کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلے اور سرغ [1] مقام پر پہنچے تو آپ کو شام میں طاعون پھیلنے کی خبر ملی، تو اس وقت آپ نے انصار ومہاجرین سے مشورہ طلب کیا کہ شام جانا چاہیے یا نہیں، لوگوں کی آرا مختلف تھیں، ابوعبیدہؓ [2] نے کہا: کیا یہ اللہ کی تقدیر سے فرار نہیں تو آپؓ نے فرمایا۔

"نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ إِلَى قَدَرِ اللَّهِ"[3]

ہاں یہ اللہ کی تقدیر سے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف فرار ہونا ہے۔

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تم دو دشمنوں والی وادی میں پڑے ہوئے ہو، ایک دشمن سرسبز وزرخیز اور دوسرا قحط زدہ عیب دار، پس اگر تو نے سرسبز وبافیض پر حکومت کی تو اللہ کی تقدیر کے ساتھ اور اگر قحط زدہ وعیب دار پر حکومت کی تو بھی اللہ کی تقدیر کے ساتھ کی۔

---

[1] سرغ: یہ حجاز کے شروع اور شام کے آخر میں ایک مقام ہے جو تبوک سے چند منازل پر واقع ہے۔ مدینہ اور اس کے درمیان تیرہ مراحل کا فاصلہ ہے۔ اس جگہ اجناد کے امرا عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور طاعون کی خبر دی (معجم البلدان، 3/239)

[2] ابوعبیدۃ بن الجراح: عامر بن عبد اللہ بن الجراح بن ھلال القرشی نام ونسب ہے۔ فاتح شام ودمشق، عشرہ مبشرہ میں سے ایک، امین الامۃ اور قدیم الاسلام مہاجر صحابی ہیں۔ ۴۰ قبل الہجرہ مکہ میں پیدا ہوئے ہجرت نبوی کے بعد تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے رفیق رہے، عہد صدیقی میں فتوحات وجہاد اسلامیہ میں حصہ لیا عہد فاروقی میں شامی افواج کے سپہ سالار رہے اور طاعون عمواس ۱۸ھ شہید ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 3/312۔ الاستیعاب، 2/792)

[3] صحیح البخاري، باب مایذکر فی الطاعون، 7/130، ح:5729

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ کا اس بات پر محاسبہ کیا کہ وہ تقدیر الٰہی سے بھاگ رہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ تقدیر تو وہی ہے جو انسان نے کیا ہے اگر طاعون والی جگہ رہا تو بھی تقدیر ہے اور اگر وہاں سے نکلا تو تقدیر الٰہی کے ساتھ یہ نکلنا ہو گا۔

مثال نمبر ۲۔ جب ابو موسیٰ اشعریؓ دربار خلافت میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ ان کا نصرانی کاتب بھی تھا مگر عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں نہیں تھا وہ نصرانی ہے، آپ نے کہا کہ کہاں ہے تمہارا کاتب، تاکہ لوگوں پر کتاب پڑھ دے تو ابو موسیٰ نے بتایا کہ وہ نصرانی ہے پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ان کے قریب نہ ہوا کرو، اللہ نے ان کو دور کیا ہے اور تم ان کو عزت نہ دو کیونکہ اللہ نے ان کو ذلیل کیا ہے تم ان کو امین نہ بناو کیونکہ اللہ نے ان کو خائن قرار دیا ہے، میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اہل کتاب کو استعمال نہ کرنا کیونکہ یہ رشوت کو حلال سمجھتے ہیں۔

مثال نمبر ۳۔ قرآن کو پڑھنے کی اہمیت کو بڑھانے کے لیے، اور قرآن کے مقابلے کسی کلام کو نہ سمجھنے کے لیے آپ نے حکم دیا تھا کہ میرے خطوط کو ہمیشہ نہ رکھا جائے، جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپ نے علما و امرا کی تحریرات کو یاد کرنے سے منع کیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ علما کی تحریر کی اتباع میں قرآن ہی کو چھوڑ دیں، ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا۔

"جَرِّدُوا الْقُرْآنَ، وَأَقِلُّوا الرِّوَايَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، انْطَلِقُوا وَأَنَا شَرِيكُكُمْ"[1]

مثال نمبر ۴۔ خالد بن ولیدؓ اور مثنیٰ[2] کو معزول کیا اور لکھا کہ میں نے خالد کو نافرمانی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا لیکن لوگ اس سے فتنے میں مبتلا ہوئے ہیں تو مجھے خوف ہوا کہ لوگ اس کی طرف وکیل بنے اور اس سے آزمائش میں آئیں تو میں نے جواب دیا کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ ہی صانع ہے اور اس وجہ سے کوئی فتنہ نہ ہو۔ جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ میں نے اس شک کی وجہ سے انہیں معزول کیا کہ کہیں لوگ ان کو بڑا نہ سمجھ بیٹھیں تو مجھے ڈر ہے کہ لوگ ان کو سپرد کر دیں دوسری روایت کے مطابق معزولی کی وجہ یہ ہے کہ لوگ جان لیں کہ اللہ ہی اپنے دین کی نصرت فرماتا ہے نہ کہ یہی دونوں۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں فتوحات کی وجہ سے عجب و غرور میں مبتلا نہ ہو جائیں کیونکہ فتوحات ان کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ ہی کی مدد سے ہو رہی تھیں اور یہی مسلمان کا عقیدہ ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾[3]

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، 1/183، ح:347

[2] مثنی: المثنی بن حارثۃ بن الشیبانی، صحابی اور اسلام کے عظیم جرنیل ہیں۔ ۹ھ اپنے وفد کے ساتھ مدینہ منورہ میں اسلام قبول کیا۔ عہد صدیقی و فاروقی میں جہاد اسلام میں شریک رہے، سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں عراقی فتوحات میں حصہ لیا اور بعض مواقع پر بطور نائب سپہ سالار رہے۔ ۱۴ھ شہید ہوئے۔ (الاستیعاب، 4/1456۔ اسد الغابہ، 5/55)

[3] سورۃ آل عمران: 3/126

۲۔ عمال وولاۃ کا عبادت سے غفلت پر احتساب:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی لگن سے عبادت کرتے تھے اور اپنے ماتحتوں اور نائبین کو بھی عبادت میں لگن اور دلچسپی پیدا کرنے کا کہتے تھے یہاںتک کہ آپ رضی اللہ عنہ کی کوشش تھی کہ ان کی ریاست صلاح، تقویٰ وعبادت کی مثال بن جائے اسی لیے جہاں کسی کو عبادات میں کوتاہی برتتے ہوئے پاتے یا ان کو کسی عامل ونائب کی عبادت میں غفلت کی شکایت موصول ہوتی تو فوری احتساب ومواخذہ کرتے۔

مثال نمبر ۱۔ اہل کوفہ نے سعد بن ابی وقاصؓ کی شکایت کی کہ وہ نماز صحیح طرح نہیں پڑھتے تو عمر رضی اللہ عنہ نے سعد کا احتساب کرتے ہوئے پوچھا: ابواسحاق! ان لوگوں کا خیال ہے کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، سعد بن ابی وقاص نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم میں ان کو اسی طرح نماز پڑھاتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں ہم پڑھتے تھے، میں اس میں کوئی بھی کمی نہیں کرتا، عشا کی نماز کی پہلی دو رکعات کسی قدر طویل پڑھتا ہوں اور بعد والی دو مختصر، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ لوگوں کا آپ سے متعلق گمان ہے پھر سعد کے ساتھ ایک قاصد کوفہ[1] بھیجا اور اس قاصد نے پوچھا تو اہل کوفہ نے سعدؓ کی تعریف کی۔

مثال نمبر ۲۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے اہل کوفہ کو قرآن پڑھنے کی ترغیب دلانے کے لیے کہہ رکھا تھا کہ جو قرآن کی تلاوت کرے میں اسے دوہزار دوں گا جب عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا: افسوس ہے کیا تو کتاب اللہ پر اجر دیتا ہے؟ کیونکہ قرآن پڑھنا ایک عبادت ہے جس کا اجر بندوں کے بس میں نہیں اور اگر اس طرح قرآن پڑھنے پر رقوم دی جائیں تو لوگوں میں قرآن کو عبادت سمجھ کر پڑھنے کا ذوق کم ہو جائے گا، لوگ قرآن کو مالی منفعت کا ذریعہ بنالیں گے اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ نے سعد کا محاسبہ کیا۔

مثال نمبر ۳۔ نکاح سنت نبوی ﷺ ہونے کی وجہ سے ایک عبادت ہے اور اسے اسی طرح انجام پانا چاہیے کہ اس سے شریعت کے مقاصد حاصل ہوں اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کے لیے عورت کا انتخاب کرتے ہوئے دیندار عورت کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر نہ صرف خود عمل پیرا

---

[1] کوفہ: عراق کا مشہور شہر ہے۔ اس شہر کی بنیاد امیر المومنین عمر رضی اللہ کے زمانے میں ان کی اجازت سے سعد بن ابی وقاصؓ نے بطور فوجی چھاونی رکھی۔ پھر وہاں قبائل کو آباد کیا گیا جس سے باقاعدہ شہر کی طرح بن گیا۔ مجاہدین کے گھر بھی آباد ہوئے اور آس پاس کے قبائل بھی۔ ابن مسعودؓ کوفہ بطور معلم بھیجے گئے ان کے علاوہ ابو موسیٰ اشعری اور علیؓ کا مسکن رہا، عہد مرتضوی میں دارالخلافہ بھی رہا۔ (معجم ما استعجم من أسماء البلاد والمواضع، أبو عبيد عبد الله بن عبد العزيز بن محمد البكري الأندلسي (المتوفى: 487ھ)، عالم الكتب، بیروت، 1403ھ، 4/1141)

تھے بلکہ اپنے عمال کو بھی ایسا ہی بنانے کی کوشش کرتے تھے چنانچہ حذیفہ بن یمانؓ[1] والی یمن کے بارے خبر ملی کہ انہوں نے ایک عیسائی عورت سے نکاح کیا ہے تو ان کا احتساب کرتے ہوئے لکھا۔

"أَنْ فَارِقْهَا فَإِنَّكَ بِأَرْضِ الْمَجُوسِ"[2]

اس عورت کو طلاق دے دو کیونکہ تم مجوسی علاقے میں ہو۔

اور مجھے خوف ہے کہ لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ تم نے مجوسی عورت سے نکاح کیا ہے جبکہ اسی روایت کے دوسرے طرق میں آیا ہے عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ۔

" وَلَكِنْ فِي نِسَاءِ الْأَعَاجِمِ خِلَابَةً "[3]

عجمی عورتیں نرم کلامی سے فریفتہ کرنے والی ہیں۔

اگر تم نے یہ رشتہ قبول کر لیا تو یہ تمہاری باقی عورتوں پر غالب آجائے گی، اس لیے اسے طلاق دے دو۔ اس معاملہ میں احتساب کی وجہ یہ ہے وہ عورت اگرچہ مجوسی نہیں تھی مگر حذیفہؓ مجوسی علاقوں میں تھے اس سے کسی کو شبہ ہو سکتا تھا کہ انہوں نے مجوسی عورت سے شادی کی ہے اور مجوسی عورت بوجہ مشرک ہونے مسلمان کے لیے حلال نہیں دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ عجمی عورتیں نرم گفتگو سے شوہر پر قابض ہو جاتی تھیں اور اس سے دوسری خواتین کی حق تلفی کا امکان تھا۔

مثال نمبر ۴۔ پردہ کا حکم خواتین کو مردوں سے ہے مگر عمر رضی اللہ عنہ مسلمان عورت کو کافرہ عورت سے بھی پردہ کرنے کا حکم دیتے تھے جیسا کہ ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ مومنین مہاجرین کی عورتیں جب حمام میں جاتی ہیں تو اہل کتاب کی شامی عورتیں بھی ان کے ساتھ حمام میں جاتی ہیں۔

"فَامْنَعْ ذَلِكَ وَحُلْ دُونَهُ"[4]

اس کام سے باز آجاو اور اس کے علاوہ حلال ہے۔

---

[1] حذیفہ بن یمان: ابو عبد اللہ حذيفة بن اليمان بن جابر العبسي عظیم صحابی اور نبی ﷺ کے رازدان ہیں۔ عہد رسالت اور بعد کے ادوار میں فتوحات میں شریک رہے۔ ۳۶ھ میں فوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب، 2/219)

[2] المصنف لعبد الرزاق، باب نکاح نسا اہل الکتاب، 7/178، ح: 12676

[3] تاریخ طبري، 3/588

[4] أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458ھ)، معرفة السنن والآثار، المحقق: عبد المعطي أمين قلعجي، جامعة الدراسات الإسلامية (كراتشي - باكستان)، دار قتيبة (دمشق - بيروت)، دار الوعي (حلب - دمشق)، دار الوفاء (المنصورة - القاهرة)، 1412ھ - 1991م، باب الترغیب فی النکاح، 10/24، ح: 13491

۳۔ عمال وولاۃ کے اخلاق کی اصلاح کے لیے احتساب:۔

رسول اللہ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ۔

(إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ)[1]

بے شک مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سارے اصحاب نبی کی کوشش تھی کہ وہ اپنے محبوب کے اعلیٰ اخلاق اپنالیں اور حکام کا فریضہ ہے کہ وہ خود بھی اعلیٰ اخلاق اپنائیں اور اپنے ماتحتوں کے اخلاق کی بھی نگرانی کریں، اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ خود بھی نبوی اخلاق کو اپنائے ہوئے تھے اور ہر رذیل کام سے بچتے تھے اور اپنے نائبین وولاۃ کو بھی ایسا دیکھنا چاہتے تھے جو اخلاق حمیدہ سے متصف ہوں، آپ جب بھی کوئی عامل بھیجتے تو اس کو اچھی طرح پرکھتے تھے کہ وہ عقائد وعبادت اور اخلاق میں کیسا ہے اور پھر جب منتخب کر چکتے تو اس کو نصیحت کرتے تھے، جب کسی عامل سے متعلق شکایت موصول ہوتی یا اس کے اخلاق میں سے کوئی چیز ناگوار ہوتی تو اس کی اصلاح کرتے تھے۔

مثال نمبر ا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کے بارے معلوم ہوا کہ وہ لوگوں کے ہجوم کو اکھٹے اپنے پاس بلاتے ہیں علما واہل تقویٰ کی تمیز نہیں کرتے تو ان کا اس بات پر محاسبہ کیا اور لکھا کہ پہلے اہل شرف، اہل قرآن اور تقویٰ ودین داروں کو اجازت دیا کرو پھر جب ان سے مجلس کر لو تو پھر عام لوگوں کو اجازت دو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اہل علم، اہل تقویٰ اور اہل شرف وقرآن کا مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ نے بلند کیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾[2]

بے شک اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اللہ سے زیادہ ڈرتے ہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا۔

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾[3]

کیا جاننے والے اور انجان برابر ہو سکتے ہیں۔

---

[1] أبو عبد الله محمد بن سلامة بن جعفر بن علي بن حكمون القضاعي المصري (المتوفى:454ھ)، مسند الشهاب، المحقق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، مؤسسة الرسالة - بيروت، 1407–1986، 2/192، ح:1165

[2] سورة الفاطر:35/28

[3] سورة الزمر:39/9

اور اگر ان کو اور عام لوگوں کو ایک ساتھ بلایا جائے تو ان میں کوئی فرق نہیں رہتا یہ ان کی توہین ہے اور اگر ان سے پہلے مجلس ہو جائے تو ان سے علمی فوائد کے ساتھ ساتھ انتظامی معاملات میں مشاورت کی جاسکتی ہے جبکہ عوام کے ساتھ ہی سب کو بلایا جائے تو مشاورت نہیں ہو سکتی۔

مثال نمبر ۲۔ مریض کی عیادت اور ضعیفوں کی مدد میں کوتاہی پر احتساب کیا کرتے تھے چنانچہ ایک وفد آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس وفد والوں سے پوچھا کہ۔

"هَلْ يَعُودُ مَرْضَاكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ.۔"[1]

تمہارا امیر کیسا ہے، انہوں نے کہا اچھا ہے پھر پوچھا کہ وہ مریضوں کی عیادت کرتا ہے؟۔

تو لوگوں نے کہا جی ہاں! پھر پوچھا کیا امیر غلام کی بھی عیادت کرتا ہے؟ تو جواب ملا: جی ہاں، پھر کہا ضعیفوں کے ساتھ امیر کا رویہ کیسا ہے کیا وہ اس کے دروازے پر بیٹھتا ہے؟ تو اگر وہ ان صفات سے خالی ہے تو اسے معزول کردوں۔ یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے عمال کی رحم دلی اور رعایا سے برتاو کے بارے پوچھا ہے کہ وہ غریب اور کمزوروں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے اور امیر و غریب کا لحاظ رکھتا ہے یا امیر کے سامنے سب برابر ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تمام مومنین کو آپس میں محبت والفت اور رحمت کے معاملے میں ایک جسم قرار دیا ہے کہ۔

(إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ شَيْءٌ، تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ)[2]

اگر جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہے تو پورا جسم وہ تکلیف محسوس کرے گا۔

ایسے ہی امیر ووالی کو چاہیے کہ وہ کمزوروں اور بے سہاروں کے پاس جائے گا تو ہی اسے ان کا درد محسوس ہو گا۔

مثال نمبر ۳۔ عاملین اور گورنروں کو عدل کے قیام کے سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہ خصوصی تاکید کرتے تھے اور والی و گورنر بناتے ہوئے دیندار وصالح آدمی کا انتخاب کرتے تھے اگر سیاسی لحاظ سے بھی موزوں ہو تو چنانچہ آپ نے ایک دفعہ ایک خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: اے لوگوں میں تمہارے لیے ایسے عامل بنا کر بھیجتا ہوں جو تمہیں بشارتیں سنائیں اور نہ تم سے تمہارے اموال لیں بلکہ اس لیے عمال بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں دین سکھائیں اور تمہارے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کریں اور عدل کے ساتھ حکومت کریں تو اگر ان میں اس کے علاوہ کوئی چیز دیکھو تو مجھے بھیج دو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں عمر کی جان ہے میں اس کا احتساب کروں گا اور میں ایسا کیوں نہ کروں جب کہ میں نے خود دیکھا ہے رسول اللہ ﷺ اپنا احتساب کیا کرتے تھے۔[3]

[1] السنن الکبری للبیھقی،10/185،روایت:20296۔ تاریخ طبری،4/226

[2] مسند امام احمد،30/323،ح:18373

[3] تاریخ طبری،4/204

مثال نمبر ۴۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے اپنے عمال کو لکھا کہ لوگوں کے حقوق اپنے ہاں برابر سمجھو، ان کا قریبی دور والے کی طرح اور دور والا قریب والا ہو، خبر دار رشوت ونفسانی خواہش سے فیصلے نہ کرنا اور نہ ہی غصہ کے وقت لوگوں پر گرفت کرنا، پس حق کے ساتھ قائم رہو چاہے دن کی ایک گھڑی ہی ہو۔[1] یہی وجہ کہ آپ اپنے عمال کے متعلق شکایات سنتے تو فوری طور اپنے عمال کا احتساب کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ لوگوں نے سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی کہ وہ عدل نہیں کرتے تو آپ رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بھیجا تاکہ لوگوں کی شکایات سنیں اور پھر سعد بن ابی وقاص کا احتساب کیا جائے مگر لوگوں نے سعد کی تعریف کی سوائے چند افراد کے، پھر سعد کو مدینہ بلایا اور لوگوں سے ملنے والی شکایات سے آگاہ کیا۔[2]

حضرت عمر فاروقؓ عادل حکمران اور خلیفہ راشد تھے اس لیے سیاسی ذمہ داری کو ایک امانت کے طور پر نبھاتے تھے کیونکہ آپؓ رسول اللہ ﷺ کا طرز حکمرانی دیکھ چکے تھے اور آپ ﷺ ہی کے تربیت یافتہ تھے ، آپ ﷺ کے نقوش کے مطابق نظام حکومت چلاتے تھے۔ چونکہ یہ مقالہ آپ کے احتسابی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے لکھا گیا ہے اس لیے آپ کے احتساب کے تمام پہلوؤں کو زیر بحث لایا جائے گا۔ اس فصل میں آپؓ کی سیاسی بصیرت اور اجتماعی ذمہ داری کی باز پرس، بذات خود احتساب کے لیے تیار رہنا، اپنے عمال وولاۃ کا مختلف شعبہ ہائے زندگی میں احتساب جیسے عقائد وعبادات، اخلاق ومعاملات وغیرہ کی اصلاح اور ان کی لغزشوں پر محاسبہ کو بیان کیا گیا ہے اور مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نہ صرف اپنی ذاتی زندگی میں بہترین انسان تھے بلکہ ریاستی واجتماعی ذمہ داریوں کو بھی مستحسن طریقہ سے نبھاتے تھے۔

---

[1] سنن بیہقی، 10/229، ح:20462

[2] تاریخ طبری، 4/206

فصل سوم

منافقین اور کفار پر حسبہ کا نفاذ

منافقین اور کفار پر حسبہ کا نفاذ

ایک ریاست کے اندر رہنے والے مختلف مذاہب کے لوگ ہوتے ہیں اور ریاست اور ریاستی منتظمین کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ہر باشندے کو تحفظ فراہم کرے اور ان کے حقوق کا لحاظ رکھے اور ایک دوسرے پر دست درازی سے باز رکھے جبکہ اسلامی ریاست کی باقی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اہم ترین ذمہ داری اسلامی نظام اور قانون اسلام کو برتر و بالا رکھنا، اسلامی ریاست کے غیر مسلم رعایا کے مسلمانوں پر مذہبی اثرات سے دور رکھنا بھی ہے۔رسول اللہ ﷺ کی ریاست میں چونکہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کفار و منافقین بھی رہتے تھے اور ان کے ساتھ جو آپ ﷺ کا عادلانہ رویہ تھا اور کفار و منافقین کی چیرہ دستیوں سے مسلمانوں کو محفوظ کرنے کے لیے جو آپ ﷺ کی مساعی جمیلہ ہیں ان کو آپ کے رفقا دیکھ چکے تھے اور آپ کے رفقاء کا بھی وہی طرز زندگی اور طرز سیاست تھا جو رسول اللہ ﷺ کا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾[1]

ترجمہ: محمد، اللہ کے رسول اور جو ان کے ساتھ ہیں، یہ کفار پر سخت، آپس میں مہربان ہیں، تو ان کو رکوع سجدہ میں اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے دیکھے گا۔

چنانچہ عہد صدیقی و عہد فاروقی میں ایسی کئی امثلہ ہیں یہاں زیر بحث موضوع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احتساب ہے اور آپ کی رعایا میں منافقین اور کفار بھی تھے، اسی طرح کفار سے معاملات بھی رہتے تھے اس لیے آپ نے کفار اور منافقین کا بھی احتساب کیا ہے۔اس فصل میں ذیلی دو ابحاث کے تحت منافقین اور کفار کا جو احتساب آپ نے کیا یا اس سلسلے میں جو آپ کے احتسابی کارہائے نمایاں ہیں ان کو بیان کیا جائے گا۔

---

[1] سورۃ الفتح: 29/48

منافقین کا احتساب

منافق وہ لوگ ہیں جو بظاہر تو اسلام کا اظہار کرتے یا مسلمانوں جیسا طرز زندگی اپناتے ہیں اور پس پردہ کفر رکھتے ہیں یا اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں ایسے لوگ ہر زمانے میں موجود رہتے ہیں علمائے امت نے منافقین کی دو اقسام بیان کی ہیں ایک اعتقادی منافقین ہیں جو بظاہر اسلام لاتے یا مسلمانوں جیسی زندگی گزارتے ہیں لیکن پس پردہ کافر ہوتے ہیں اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں جبکہ دوسرے منافق عملی کہلاتے ہیں اور وہ اگرچہ ظاہر وباطن سے اسلام کا اقرار وتصدیق کرتے ہیں مگر ان کے اعمال ظاہرہ مسلمانوں جیسے نہیں ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے ابتدائی ادوار میں اعتقادی منافقین ہی پائے جاتے تھے اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے تھے عبد اللہ ابن ابی بن سلول[1] ان منافقین کا سرغنہ تھا منافقین مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے جس کا بذریعہ وحی آپ ﷺ کو علم ہو جاتا تھا، مسجد ضرار میں یہ اپنے فسادی کاموں کی مشاورت کرتے تھے جسے تبوک سے واپسی پر آپ ﷺ نے جلا ڈالا تھا۔ منافقین کا وقتاً فوقتاً احتساب بھی ہوتا تھا مگر منافق بہت چالباز تھے اس لیے اکثر بچ جاتے تھے لیکن اصحاب میں کچھ لوگ اس معاملے میں سخت تھے جیسے عمر بن خطابؓ اور یہ مقالہ بھی ان ہی کے احتساب سے متعلق ہے لھٰذا ذیل میں جناب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے منافقین کے احتساب کی امثلہ ذکر کی جائیں گی۔

مثال نمبر ا۔ عہد نبوی کی بات ہے کہ ایک غزوے سے واپسی پر انصاری ومہاجر کا اختلاف ہو گیا جس پر دونوں جماعتوں نے اپنوں کو بلایا جس پر رسول اللہ ﷺ نے تصفیہ کروادیا اور پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ابن ابی نے اختلاف کو مزید ہوا دی اور مہاجرین سے کہا کہ ہم میں سے جو ذلیل ہے اسے میں مدینہ جا کر مدینہ سے نکال دوں گا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے چھوڑو میں اس منافق کی گردن ماردوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑدو ورنہ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کر رہا ہے۔[2]

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے احتساب کیا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ذلیل کہا تھا اور اسی وجہ سے اسے قتل کرنے کی اجازت بھی چاہی۔

---

[1] عبد اللہ ابن ابی بن سلول: عبد اللہ بن ابی بن سلول منافقین کا سردار تھا بنی خزرج سے اس کا تعلق تھا۔ اس کی ساری اولاد مسلمان تھی اس کا بیٹا عبد اللہ صحابی ہے جس کا سابقہ نام حباب تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام عبد اللہ رکھا، اس کی بیٹی جمیلہ صحابیہ حنظلہ غسیل الملائکہ کی والدہ ہے۔ ۹ھ رئیس المنافقین مرا۔ (طبقات ابن سعد، 5/48)

[2] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ، لئن رجعنا، 6/154، ح: 4907

مثال نمبر ۲۔ ایک شخص نے اَبو الدرداءؓ[1] کی توہین کرتے ہوئے ان سے کہا: اے گروہ قرا! تم مجھ سے زیادہ بزدل وبخیل ہو، اَبو الدرداء نے تو اس شخص کو کچھ نہیں کہا مگر عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں اس آدمی کے کپڑے اور گردن پکڑلی اسے گھسیٹتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے جس پر اس منافق نے عذر پیش کیا کہ ہم کھیل کود رہے تھے[2] جس پر اس کی تردید میں یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ﴾[3]

اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے آپ فرمادیں کہ کیا اللہ اور اسکی آیتوں اور اسکے رسول سے ہنستے ہو۔

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے مواخذہ کیا کہ اصحاب نبی ﷺ اور قرا کا استہزا منافقین کی علامت ہے، اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾[4]

اے نبی: آپ کافروں اور منافقین کے خلاف جہاد کریں اور ان پر سختی بھی کریں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

---

[1] ابو الدرداء: عویمر بن زید بن قیس الخزرجی الانصاری، عظیم زاہد صحابی، حکیم اُمت محمدیہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں قرآن مجید جمع کرلیا تھا۔ زمانہ فاروقی میں دمشق کے قاضی بھی رہے۔ ۳۲ھ شام میں فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 7/274)

[2] معجم کبیر طبرانی، 19/85، ح:173

[3] سورۃ توبہ: 9/65

[4] سورۃ توبہ: 9/73

کفار کا احتساب

مثال نمبرا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دینے کے لیے ایک دفعہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: حجاز تمہارا گھر نہیں سوائے ایک صورت پر اور اس کے مکین اس پر طاقت نہیں رکھتے مگر جہاد کے ساتھ، کہاں ہیں طرا المہاجرین، کہ جن سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ زمین میں پھرو اللہ نے تمہارے ساتھ اپنی کتاب میں وعدہ کیا ہے کہ تمہیں اس زمین کا وارث بناوں گا کیونکہ اللہ نے فرمایا:۔

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾[1]

ترجمہ: وہی ہے وہ ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اسے سارے ادیان پر غالب کر دے اگرچہ مشرک ناپسند ہی سمجھیں۔

اور اللہ ہی اپنے دین کو ظاہر کرنے والا اور اپنے دین کے مددگار کو عزت دینے والا اپنے اہل کے ساتھ دوستی رکھنے والا ہے، کہاں ہیں اللہ کے صالح بندے۔[2]

مثال نمبر۲۔ ایک روایت کے مطابق وفات صدیق اکبر کے بعد پہلا کام ہی یہ کیا کہ لوگوں کو مثنی بن حارثہ کے ساتھ فارس کے جہاد کے لیے دعوت دی، تیار کر کے بھیجا پھر بیعت خلافت لی[3]، اور جو مجاہدین اس جنگ میں شریک تھے ان کے لیے مال ئےفی کے خمس میں سے چوتھا حصہ بھی دیا گیا۔[4]

مثال نمبر۳۔ جہاد مع الکفار کے لیے آپ رضی اللہ عنہ ہر وقت مستعد رہتے تھے اور فوجی و جنگی قوت کو بڑھاتے تھے چنانچہ ابن سعد[5] کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ ہر سال تیس ہزار اونٹ اللہ کے راستے میں بھیجتے تھے اور گھوڑے مہر زدہ اصطبلوں میں جمع کیے جاتے تھے تاکہ اسلامی لشکر کو بروقت قوت پہنچائی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی تیاری کا حکم دیا ہے جیسا کہ فرمایا۔

---

[1] سورۃ توبہ: 9/33

[2] تاریخ طبری، 3/445

[3] الکامل في التاریخ، 2/273

[4] تاریخ طبری، 3/463

[5] ابن سعد: أبو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع، بنوہاشم کے آزاد کردہ غلام، واقدی کے کاتب اور طبقات کبریٰ کے مصنف ہیں۔ اپنے زمانے کے حافظ الحدیث، مورخ اور کثیر العلوم عالم ہیں۔ ۱۶۸ھ بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۰ھ بغداد میں فوت ہوئے۔ (تاریخ بغداد، 3/266۔ سیر اعلام النبلاء، 10/664)

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ۔۔ ﴾[1]

اور انکے لیے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو۔

مثال نمبر۴۔ ایک دفعہ قیصر روم نے عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اس میں لکھا ہوا تھا کہ۔

"إِنَّ رُسُلِي أَتَتْنِي مِنْ قِبَلِكَ"[2]

تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر احتساب کرتے فرمایا: بیشک تیرے رسول نے سچ کہا ہے یہ وہی درخت ہے جسے اللہ نے مریم کے نفاسہ ہونے کے وقت اللہ نے ان پر اگایا، پس اللہ سے ڈرو، اور عیسی ابن مریم کو خدا نہ بناو۔ کیونکہ عیسیٰ کے بارے اللہ نے فرمایا۔

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾[3]

بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے جسے اللہ نے مٹی سے بنایا پھر اسے فرمایا'ہو جا' تو وہ فورا ہو گیا۔

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے قیصر کے تکبر کے باوجود ایسے انداز سے اسے جواب دیا جو توحید باری تعالی کا بصیرت سے بھرپور انداز ہے کیونکہ داعی کا وصف ہے کہ وہ حکمت سے بات کرے جیسا کہ باری جل جلالہ کا حکم ہے۔

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[4]

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

اور اس کے ساتھ ساتھ قیصر کے متکبرانہ وجاہلانہ بات کو عقل ونقل کی دلیل سے جواب دے کر تکبر کو خاک میں ملا دیا۔

مثال نمبر۵۔ ایک عیسائی بوڑھی کو عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی دعوت دی تاکہ مرنے سے پہلے کفر ترک کر کے اپنی آخرت کو ٹھیک کر لے چنانچہ آپ نے اس سے کہا: اسلام لے آ محفوظ ہو جائے گی مگر اس خاتون نے کہا کہ میں بوڑھی

---

[1] سورۃ انفال:8/60

[2] أبو بكر محمد بن إبراهيم بن علي بن عاصم بن زاذان الأصبهاني الخازن، المشهور بابن المقرئ (المتوفى: 381ھ)، المعجم لابن المقرئ، تحقيق: أبي عبد الرحمن عادل بن سعد، مكتبة الرشد، الرياض، شركة الرياض للنشر والتوزيع، 1419ھ-1998م، 1/86، ح:182

[3] سورۃ آل عمران 3/:59

[4] سورۃ نحل:16/125

ہوں اور موت کے قریب ہوں جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتاہوں اور دین میں کوئی جبر نہیں۔ یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے کفر سے بیزاری کا اعلان کیاہے اور اسے اسلام کی دعوت دی ہے۔

مثال نمبر۶۔یہود کو خیبر سے جلاوطن کرنا بھی کفار کا احتساب و مواخذہ ہے جب یہود کو خیبر سے جلاوطن کرنے کا ارادہ کیاتو یہود نے کہا کہ محمد ﷺ نے ہمارے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو اللہ کے دشمنوں، پھر ان کو جلاوطن کر دیا اور ان کے اموال واملاک کی قیمت ادا کر دی گئی ان کے ساتھ ساتھ نجران کے نصاریٰ کی طرف یعلیٰ بن ابی امیہ [1] کو بھیجا کہ ان کو بھی جلاوطن کر دیا جائے تو انہوں نے بھی کہا کہ ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کیا تھا مگر عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی وصیت کو جانتا ہوں اور ان کے حکم کے مطابق ہی جلاوطن کر رہاہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض وفات میں وصیت کی تھی کہ۔

(لاَ يَبْقَيَنَّ دِينَانِ فِي جَزِيرَةِ العَرَبِ)[2]

جزیرۃ العرب میں دو دین نہ چھوڑنا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے اس لیے جلاوطن کیا کہ ایک تو یہ دونوں اقوام اکثر عہد شکنی کرتی تھیں اور پس پردہ مسلمانوں کو نقصان دینے کے درپے تھے اسی وجہ رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں ان کو جلاوطن کرنے کا اشارہ فرمادیا تھا، دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ عربوں کی مذہبی زندگی پر یہود و نصاریٰ کی خرافات کا اثر پڑ سکتا تھا اس لیے بھی ان کو جلاوطن کرنا ضروری تھا اور تیسری وجہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت پر عمل کرنا تھا جسے ابو بکرؓ اپنے عہد میں پورا نہ کر سکے تھے اور ان کو مزید وقت دینا آئندہ کے لیے خطرہ بن سکتا تھا اس لیے ان کو جلاوطن کر دیا۔

مثال نمبر۷۔کفار کے محاسبہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جزیہ لیا جاتا تھا اور اسی جزیہ کو عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کے یہود و نصاریٰ، مجوس وغیرہ تمام کفار پر نافذ رکھا چنانچہ جزیرہ عرب کے نصاریٰ سے کہا گیا کہ جزیہ دو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم پر جزیہ لاگو کیا تو ہم ارض روم چلے جائیں گے تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں

---

[1] یعلیٰ بن ابی امیہ: یعلی بن امیۃ بن ابی عبیدۃ بن ہمام صحابی ہیں۔ یہ اپنے خاندان سمیت فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے، حنین، طائف اور بعد کے سارے غزوات میں شریک ہوئے عہد خلافت میں بھی کلیدی کردار ادا کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرف سے نجران کے عامل بھی رہے، عثمانؓ کے دور میں یمن کے عامل رہے عہد مرتضوی میں واقعہ جمل میں ام المومنین کے ساتھ تھے پھر علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے صفین میں شریک ہوئے اور صفین میں ہی ۳۷ھ شہید ہوئے۔(طبقات ابن سعد، 1/202)

[2] موطاامام مالک، باب ماجاء فی الیہود، 5/1313، ح:670

جزیہ دیناہو گا اور چھوٹا بن کر رہنا ہو گا، مجوسیوں سے بھی جزیہ لیا گیا جس پر عبد الرحمان بن عوف نے شہادت دی کہ ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ ﷺ نے جزیہ لیا تھا اور جب اسکندریہ فتح ہوا تو عمرو بن العاصؓ کی طرف قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ مجھے مال غنیمت کی تقسیم سے کفار سے جزیہ لینا زیادہ محبوب ہے اگر ان میں سے کوئی اسلام قبول کر لیا تو وہ مسلمانوں میں سے ہے اور جو اپنے سابقہ دین پر رہے تو اس پر جزیہ لاگو کریں گے، کیونکہ جزیہ لینے میں کفار کی ذلت وحقارت ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾[1]

ترجمہ: یہاں تک کہ جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

مثال نمبر۸۔ کفار کے احتساب کے سلسلے میں ایک اقدام عشور ٹیکس کا نفاذ بھی ہے چنانچہ غیر مسلم ممالک کے تجار سے دسواں حصہ ٹیکس لیا جاتا تھا جس کے لیے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو ہدایات کر رکھی تھیں کہ وہ سال میں ایک مرتبہ عشور دیں گے اور تین دن سے زیادہ اسلامی بلاد میں قیام نہیں کریں گے اور کفار سے عشر لینے کی وجہ یہ تھی کہ جب مسلمان کفار ممالک میں بغرض تجارت جاتے تو ان سے بھی عشر ہی لیا جاتا تھا اور تین دن ہی قیام کی اجازت دی جاتی تھی۔

مثال نمبر۹۔ کفار کے احتساب کی ایک صورت مسلم ممالک وامصار میں داخل ہونے والے یا مسلم ریاست کے ذمیوں پر جرائم کی صورت میں شرعی عقوبات کا نفاذ بھی ہے چنانچہ ایک ذمی آدمی نے ایک مسلمان عورت کو جبراً اپنے جانور پر بٹھانے کی کوشش کی اور خاتون نے مدافعت کی جس سے اس کا لباس اتر گیا پھر اس ذمی نے جبراً اس عورت سے جماع کیا، وہ عورت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فریاد لے کر آئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس ذمی کو سولی پر لٹکا دیا تاکہ دوسروں کے لیے نصیحت وعبرت بن جائے کیونکہ اہل ذمہ کی شرائط میں سے ایک شرط عدم ایذا مسلم بھی ہے تو یہ اس نے نقض عہد کیا تھا۔

مثال نمبر۱۰۔ ایک ذمی اسلامی شہروں میں شراب فروخت کرتا تھا تو اس کا مواخذہ کرتے ہوئے خط لکھا کہ اس کے شراب کے سارے برتن توڑ دو اور اسے کوئی چیز نہ دو کیونکہ عقد ذمہ کی یہ بھی شرط ہے کہ ذمی ہر اس کام سے بچے گا جس سے منکرات کا اظہار ہوتا ہو اور یہاں شراب جیسی ام الخبائث کا کاروبار کرنا عہد شکنی ہے۔

---

[1] سورۃ توبہ: 29/9

مثال نمبر ۱۱۔ ایک ذمی عباد بن نعمان کی بیوی اسلام لے آئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلا کر اس سے کہا کہ تو بھی اسلام قبول کر لے ورنہ عورت تجھ سے جدا کر دی جائے گی مگر اس نے اسلام قبول نہیں کیا اس کی بیوی اس سے الگ کر دی۔[1] کیونکہ مسلم عورت کسی کافر کی بیوی نہیں بن سکتی۔

مثال نمبر ۱۲۔ کفار کے احتساب کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ کفار کو اپنے مذہب کی اسلامی علاقوں میں تبلیغ سے روکا جائے اور جو اسلام قبول کرنا چاہے اسے ذمی روک نہ سکے چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے یہود و نصاریٰ پر پابندی لگائی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو یہودیت وعیسائیت کی تبلیغ نہیں کریں گے اور نہ انہیں اسلام لانے سے روکیں گے۔[2]

---

[1] سنن سعید بن منصور، باب ماجافی نصرانیین یسلم احدھما، 2/71، ح:1974

[2] مصنف عبد الرزاق، باب لایہود مولود ولاینصر، 6/48، ح:9971۔ تاریخ طبری، 4/55

خلاصہ کلام:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے خود عمل کرتے تھے ایسے ہی اپنے ماتحتوں اور رعایا سے عمل کرواتے تھے۔رعایا کی کوتاہیوں اور لغزشوں کا محاسبہ کرتے اور ان کو صحیح راہ دکھاتے تھے۔اس باب میں آپؓ کے انفرادی واجتماعی طور پر زندگی کے ان تمام گوشوں پر احتساب کو بیان کیا گیا ہے جن سے متعلق روایات میسر آئیں جیسے عقائد وعبادات،معاملات واخلاق وغیرہ۔

آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جو خدا خوفی اور سیاسی بصیرت عطا کی تھی اس کو بروئے کار لاتے ہوئے بہترین عمال کا انتخاب کرتے تھے اور ان کو پند ونصائح سے نوازتے اور ان کی لغزشوں،ان سے متعلقہ عوامی شکایات کو سنتے اور عمال کی طرف سے ہونے والی زیادتیوں کا فوری تدارک کرتے تھے۔آپ کے عدل وانصاف اور احتساب سے جیسے رعایا مستفیض ہوتی تھی ایسے ہی آپ کے عمال ونائبین بھی مستفیض ہوتے تھے یہاںتک کہ آپ اور آپ کے نائبین آئندہ ازمنہ میں اسلامی طرز حکومت کے لیے بہتر نمونہ قرار دیے جائیں تو بے جا نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفا کا کفار اور منافقین کے ساتھ کیسا رویہ تھا اور ان سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے کیا اقدامات کیے جانے ضروری ہیں یہ کام وہی کر سکتا ہے جو صحیح معنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کرتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرتا ہو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین کا یہی طرز تھا۔اس فصل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کفار ومنافقین کی بداعمالیوں کا احتساب اور اس سے متعلقہ امثلہ بیان کی گئی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ آیت قرآنی ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾[1] کے صحیح معنوں میں مصداق تھے۔اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ آپ نے یہود ونصاریٰ کی کارستانیوں سے نہ صرف رعایا کی جان ومال کو محفوظ کیا بلکہ مسلمانوں کے دین کو بھی محفوظ کیا۔اسی طرح آپ کا عدل وانصاف جہاں مسلمانوں کو ظلم وجور سے بچاتا تھا وہیں کفار بھی آپ کے سایہ عدل سے بہرہ ور ہوتے تھے اور پوری ریاست میں خوشحالی ومرفع حالی تھی۔کفار اپنے مذہب کے مطابق آزادانہ عمل کرتے تھے مگر اپنے مذاہب کی اسلامی دنیا میں تبلیغ نہیں کر سکتے تھے۔

---

[1] سورۃ فتح:48/29

باب سوم

عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں نظام حسبہ کے اسالیب، وسائل اور معاشرتی اثرات

فصل اول: حضرت عمرؓ کا نظام حسبہ کے قیام میں طریقہ کار

فصل دوم: حضرت عمرؓ کا نظام حسبہ کے نفاذ میں وسائل کا استعمال

فصل سوم: عہد فاروقی میں نظام حسبہ کے معاشرتی اثرات

فصل اول

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظام حسبہ کے قیام میں طریق کار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظام حسبہ کے قیام میں طریق کار

نظام حسبہ معاشرتی اصلاح اور دعوتی کام ہے جبکہ محتسب مصلح اور داعی ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ داعی اور مصلح مختلف طرق واسالیب سے واقف ہو جن کے ذریعے وہ اصلاح کر سکے۔ دوسری اہم بات یہ بھی ہوتی ہے کہ احتساب کے ذریعے معاشرے کو برائی اورامور قبیحہ سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے لہذا محتسب کے اندر ایسی صلاحیت اور ملکہ ہونا چاہیے کہ وہ برائی کے انسداد کے لیے مختلف طرق کو حسب قباحت استعمال کر سکے تاکہ دعوتی واصلاحی کام کو با آسانی قبول کیا جا سکے اور نفرت، بغض وعناد جیسی باطنی امراض کسی کے دل میں نہ پنپ سکیں۔ جناب امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نہ صرف سنت نبوی ﷺ سے واقف تھے بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور جانتے تھے کہ کہاں کس موقع پر کس انداز سے اصلاح کرنی ہے، کس طرح برائی کا انسداد کرنا ہے۔اس فصل میں ان ہی طرق واسالیب کو بیان کیا جائے گا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احتساب کرتے ہوئے استعمال کیے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے طرق احتساب میں چار طرق واسالیب کی چار ابحاث کے تحت وضاحت کی جائے گی۔

ترہیب یا ڈرانا

لفظ ترہیب لغوی طور پر باب تفعیل کا مصدر ہے جس کا معنیٰ دوسرے کو کسی وعید پر ڈرانا ہے اور مجرد میں ڈرنے کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔[1] جبکہ اصطلاحی طور پر ہر وہ چیز یا کام جس کے ذریعے داعی لوگوں کو کسی برے کام کی انجام دہی سے باز رکھنے یا حق کو چھوڑنے اور حق کے علاوہ کسی چیز پر قائم رہنے والے کو ڈراتا ہے۔[2] قران مجید میں بھی اس طریقہ پر اصلاح کی کوشش کی گئی ہے بلکہ قرآن کا ایک حصہ ترہیب کی آیات پر مشتمل ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اسلام کی دعوت دینے، معاشرے کی اصلاح کے لیے ترہیب سے کام لیا ہے اسی لیے آپ ﷺ کے خلفا کا بھی یہی طرز عمل رہا ہے۔ عمر فاروقؓ احتسابی عمل میں ترہیب سے کام لیا کرتے تھے جس کی ذیل میں کچھ امثلہ ذکر کی جائیں گی۔

ا۔ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے ڈرانا:۔

مثال نمبرا۔ ایک شخص کو عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اس نے اپنے پاوں کے ظاہر کو دھو دیا مگر پاوں کے نیچے والے حصے کو نہیں دھویا تو اس پر فرمایا: تم نے ان کو آگ کے لیے کیوں چھوڑ دیا ہے۔[3]

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو مخالفت رسول ﷺ سے ڈرایا ہے کیونکہ آپ ﷺ وضو بڑے اہتمام سے کرتے تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ وضو نماز کی شرط ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔

(لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَا وُضُوءَ لَهُ)[4]

اگر وضو ناقص ہے تو نماز کیسے ہو سکتی ہے۔

ناقص وضو سے نماز پڑھنا اللہ کے عقاب کا ذریعہ ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

(وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ)[5]

اس لیے اس ناقص وضو والے کو عمر رضی اللہ عنہ نے ڈرایا تا کہ وہ آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لے۔

---

[1] تاج اللغة، 1/140

[2] لسان العرب، 1/436

[3] مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کان یقول اغسل قدمیک، 1/26، ح:188

[4] مسند امام احمد، 15/243، مسند ابی ہریرةؓ، ح:9418

[5] مسند ابو داود، باب الافراد عن عائشہ، 3/135، ح:1656

مثال نمبر۲۔ بغیر حاجت سوال کرنے والوں، بھیک مانگنے والوں یا بھکاری پن کا پیشہ اختیار کرنے والوں کو ڈراتے ہوئے فرمایا: جس نے لوگوں کے سامنے اس لیے سوال کیا کہ اس کے ذریعے امیر و دولت مند بن جائے تو وہ بھیک مانگا مال جہنم کی آگ کا پتھر ہے پس جو چاہے کم سوال کرے اور جو چاہے زیادہ سوال کرے۔[1]

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے بھکاری پن کی قباحت کو بیان کرکے اس برے فعل سے لوگوں کو بچانے کی کوشش کی کیونکہ بلاضرورت کسی کے آگے دست دراز کرنا ایسا ہی ہے جیسے آگ کا انگارہ اور اس کی تپش کا طلب گار ہو۔

مثال نمبر۳۔ اپنے عمال کو مال غنائم وفئی میں شراب لینے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: اللہ ہمارے اس عراقی عامل کو ہلاک کرے جس نے مسلمانوں کے مال فئی میں خنزیر و شراب کا ثمن شامل کر دیا ہے یہ بھی حرام ہیں اور ان کا ثمن بھی حرام ہے۔[2] کیونکہ شراب کو رسول اللہ ﷺ نے ام الخبائث قرار دیا ہے اور شرابی مسلمانوں پر تہمتیں بھی لگا سکتا ہے، جبکہ خنزیر کو اللہ تعالیٰ نے نجس العین قرار دیا ہے، ان کا کھانا پینا جیسے حرام ہے ایسے ہی ان کا کاروبار کرنے والا اور اس کے کاروبار سے حاصل ہونے ولی رقم بھی حرام ہے کیونکہ یہ حرام کام کی ترویج کا ذریعہ بنتا ہے اور اللہ کی حرام کردہ اشیا کے استعمال یا اللہ کی منہیات کو توڑنے سے اللہ کا عقاب نازل ہوتا ہے اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے اس فعل سے اپنے عمال کو بچانے کی کوشش کی جب عمال ایسے قبیح امور سے بچیں گے تو ان کے ماتحت اور رعایا بھی ایسے قبیح امور سے محفوظ رہے گی جس سے اللہ کے عذاب و گرفت سے بچا جا سکتا ہے۔

۲۔ گناہوں کی حقارت و رذالت سے ڈرانا اور آگاہ کرنا:۔

مثال نمبر۱۔ ایک شخص نے کسی کا پیالہ چوری کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کیا تجھے حیا نہیں آتی اس بات سے کہ قیامت والے دن تو ایسے حال میں آئے کہ تیری گردن پر یہ پیالہ رکھا ہوا ہو۔[3] کیونکہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی رذالت بڑھتی جاتی ہے اور اگر اس کام کو روکا نہ جائے تو اس کام میں مزید اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ کوئی شخص صغیرہ گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو اس کی وجہ سے کبائر کی ہمت بڑھتی ہے چوری بھی ایسا ہی قبیح فعل ہے کہ اگر اس شخص نے پیالہ چوری کیا ہے تو آئندہ بڑی مقدار میں بھی یہ جرم کر سکتا ہے دوسری اس کام کی رذالت و حقارت یہ بھی ہے کہ اس کا حساب ایک دن دینا ہو گا اور ایسا شخص جس نے کسی کا ناحق مال لیا ہو قیامت والے دن وہ چیز اس کی گردن کے ساتھ لٹک رہی ہو گی اور مظلوم کو اس کے بدلے اپنے نیک اعمال سے حق ادا کرنا ہو گا۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، 2/425، ح:10275

[2] مصنف عبد الرزاق، باب بیع الخمر، 6/75، ح:10047

[3] ایضا حوالہ، باب شہادۃ الامام، 8/340، ح:15457

مثال نمبر ۲۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ محتسب کو بارعب ہونا چاہیے اور اس کو مناسب ہے کہ وہ ڈرانے اور ترہیب کے وقت ایسے الفاظ استعمال کرے جس میں غصہ اور منکر کی حقارت کا اظہار ہو، عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی الفاظ کا استعمال کرتے تھے۔ اسی طرح مسجد میں دو شخص اونچے اونچے بول رہے تھے جس کی وجہ سے مسجد میں شور ہو رہی تھی حالانکہ مساجد تو اللہ کے ذکر کے لیے ہیں اور مساجد میں اور مساجد کے اردگرد شور شرابہ کرنا مسجد کو اجاڑنے کے مترادف ہے ان دو اشخاص کا احتساب کیا اور ان میں سے ایک آدمی کو کوڑا بھی مارا۔[1]

۳۔ شبہات میں پڑنے، مشابہت اختیار کرنے سے ڈرانا:۔

مثال نمبر ۱۔ ایک شخص ایک عورت کے گھر داخل ہوا جس پر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے سے مارا پھر کہا کہ اب دروازے پر کھڑا ہو اور اس وقت تک داخل نہ ہو جب تجھ سے یہ پوچھ لے کہ کیا تمہاری کوئی ضرورت ہے؟ کیا تمہیں کسی کی چاہت ہے؟[2] جبکہ دوسری روایت کے مطابق فرمایا: کوئی شخص کسی عورت کے پاس نہ داخل ہو الا یہ کہ اس کا محرم ہو، اگرچہ اس عورت کو بخار ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اصل بخار تو موت کا بخار ہے۔[3] یہاں اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے احتساب کیا کہ کسی غیر محرم کے گھر داخل ہونے سے گناہ کے لیے راستہ ہموار ہوتا ہے اور دوسرا اس طرح بلا اجازت جانے سے تو ان کے دلوں میں شبہات پیدا ہو سکتے ہیں اسی لیے اس شخص کو کوڑے سے سزا بھی دی اور اس کو صحیح طریقہ بھی بتایا کہ کیسے کسی کے گھر جاتے ہیں محرم کے علاوہ کسی شخص کا بھی کسی نامحرم عورت کے پاس بلا اجازت و بلا ضرورت جانا فتنے میں مبتلا کر سکتا ہے اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے ترہیب کے طور پر ایسے شخص کو سزا دی تاکہ وہ خود بھی فتنے سے بچ سکے اور اس کی سزا کو دیکھ کر دوسرے بھی عبرت حاصل کریں۔

مثال نمبر ۲۔ ایک شخص نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے مدائن میں ایک کتاب دیکھی جس میں عجیب کلام تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا وہ کلام کتاب اللہ سے تھا، اس نے کہا نہیں تو اس کو درے سے مارا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾[4]

ترجمہ: بے شک ہم نے اسے عربی زبان میں اتارا کہ تم سمجھو۔

---

[1] مصنف عبد الرزاق، باب اللغط ورفع الصوت، 1/437، ح: 1711

[2] ایضا، باب دخول الرجل علی امراۃ رجل غائب، 7/137، ح: 12541

[3] مصنف ابن ابی شیبہ، 4/48، ح: 17650

[4] سورۃ یوسف: 12/2

پھر فرمایا: پہلی اقوام اس وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے اپنے علما وصاحب علم وفن کی کتب کو قبول کیا اور توراۃ وانجیل کو چھوڑ دیا یہاںتک کہ ان کتب کا علم ضائع ہوگیا،[1] یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے یہود ونصاریٰ کی مشابہت سے ڈرانے کے لیے اس شخص کو احتسابا سزادی کیونکہ یہ گناہ عظیم ہے،اور اس انداز سے ترہیب کرنا دوسرے لوگوں کے لیے عبرت کا سامان بن سکتا ہے اور اس شخص کو اگرچہ وہ یہود ونصاریٰ کی مشابہت میں نہیں پڑا مگر وقت سے پہلے ہی اس کا تدارک کر دیا گیا تاکہ آئندہ وہ قرآن، کتاب اللہ کے مقابلے میں کسی چیز کو اہمیت نہ دے سکے۔

[1] یوسف بن حسن بن أحمد بن حسن ابن عبد الهادي الصالحي، جمال الدين، ابن المبرد الحنبلي (المتوفى: 909ه)، محض الصواب في فضائل أمير المؤمنين عمر بن الخطاب، المحقق: عبد العزيز بن محمد بن عبد المحسن، عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية، 1420ه/2000م، 2/531

ترغیب

لغوی طور پر ترغیب، باب تفعیل کا مصدر ہے اس کا معنیٰ طمع وامید دلانا، حرص پیدا کرنا ہے جبکہ مجرد سے رغبۃ حرص کرنے کو کہتے ہیں۔[1] اصطلاحی طور پر ہر وہ کام جو داعی لوگوں کو کسی کام کے کرنے یا دعوت قبول کرنے ،حق کو قبول کرنے اور حق پر قائم رہنے کے لیے شوق دلانے کے لیے کرتا ہے ترغیب ہے اسی طرح عمل پر ابھارنا ،خرچ کرنے ابھارنا، خیر اور فضیلت کے کاموں میں دلچسپی پیدا کرنا، ہمت بندھانا اور عزیمت کے لیے تیار کرنا بھی ترغیب ہے۔[2] اللہ تعالیٰ نے مومنین وصالحین کو جنت اور انعامات جنت کی اخبار وواقعات بیان کرکے ترغیب دی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی کئی نیک کاموں پر دنیاوآخرت کے انعامات کے اخبار کے ساتھ ترغیب دی ہے، اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ نے بھی معروف کی ترویج کے لیے یعنی احتساب میں ترغیب کا اسلوب اپنایا ہے ذیل میں اس کی چند امثلہ ذکر کی جاتی ہیں۔

ا۔اللہ سے توبہ ومغفرت کی ترغیب:۔

مثال نمبر ا۔ ابو جندل[3] پر شرب خمر کی حد قائم کی گئی تو ان کو اپنی توبہ ومغفرت کے بارے میں اطمینان نہ ہوا بلکہ وسوسے آنے لگے جس پر ابو عبیدہؓ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس کے جواب میں عمر رضی اللہ عنہ نے ابو جندل کو خط لکھا کہ توبہ واستغفار کرو، اپنا سر اٹھاو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔[4] کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذلِكَ لِمَنْ يَشاءُ﴾[5]

ترجمہ: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف کردیتا ہے۔

---

[1] لسان العرب،1/422

[2] ایضا،1/423

[3] ابو جندلؓ: ابو جندل بن سہیل بن عمرو القرشي العامري قديم الاسلام صحابی ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بیڑیاں توڑ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر معاہدے کی روسے واپس کیے گئے۔مکہ سے فرار ہوکر ساحل پر دوسرے اصحاب کے ساتھ رہے جب اہل مکہ نے اس گروہ کو مدینہ واپس بلانے کی سفارش کی تو مدینہ ہجرت کی۔ غزوات اور فتوح شام میں شریک رہے۔۱۸ھ طاعون عمواس میں فوت ہوئے۔(الاستیعاب،4/1621۔اسد الغابہ،6/53)

[4] تاریخ طبری،4/97

[5] سورۃ النسا:4/116

اسی طرح یہ بھی فرمایا۔

﴿يَا عِبادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلى أَنْفُسِهِمْ لا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾[1]

اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے ابو جندل کو ترغیب دی ہے کہ اللہ سے مغفرت مانگنے والے کے سوائے شرک کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

مثال نمبر ۲۔ اذان جیسے اہم شعار کی ذمہ داری اٹھانے والوں کی فضیلت کو بیان کر کے لوگوں کو اذان دینے کی ترغیب دی ہے چنانچہ آپ نے پوچھا: اے لوگو تم میں سے کون اذان دے گا تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے غلام و، موالی، جس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تمہاری بڑی خرابی ہے۔[2] اسی طرح فرمایا: اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ لوگ خلافت کے ساتھ اسے سنت سمجھ بیٹھیں گے تو میں اذان دینا کبھی ترک نہ کرتا۔[3] یہاں آپ رضی اللہ عنہ نے سوال پوچھ کر اس کا صحیح جواب دیا کہ اذان دینا ایک شعار اسلامی، اور بڑی فضیلت کا کام ہے اور پھر اپنی خواہش بیان کر کے لوگوں کو اذان دینے کی ترغیب دی ہے اور اذان نہ دینا نقص قرار دیا۔

مثال نمبر ۳۔ ایک دوسرے کے لیے دعا کرنے کی جو فضیلت ہے اس کو اجاگر کرنے کے لیے آپ نے بطور ترغیب فرمایا: اگر تم میں سے کوئی اپنے لیے اس اجر کو جان لیتا جو اس کے بھائی کے قول،، جزاک اللہ خیرا،، کا اجر ہے تو تم اکثر ایک دوسرے کے لیے دعا کرتے۔[4]

---

[1] سورۃ الزمر: 39/53

[2] مصنف ابن ابی شیبہ، 1/504، ح: 346

[3] مصنف عبد الرزاق، 1/486، ح: 1870

[4] مصنف ابن ابی شیبہ، باب الدعا لاخیہ، 5/322، ح: 36511

مجادلہ و مناظرہ

محتسب کی ذمہ داری ہے کہ اگر منکر کے روک تھام اور معروف کی ترویج کے لیے کہیں دلائل وبراہین کی ضرورت پڑے تو انہیں بھی بروئے کار لاسکے یعنی محتسب معروفات پر انکار کرنے والے کا دلائل کے ساتھ جواب دینے کی اور منکرات کی قباحت کو دلائل سے روکنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کے لیے مجادلہ و مناظرہ اور مناقشہ کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو احسن طریق سے جدال کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[1]

ترجمہ: اور ان سے اچھے طریقہ پر بحث کرو۔

گویا جدل بھی دعوت کے اسالیب میں سے ایک ہے۔ جدل لغوی طور پر سخت لڑائی کو کہتے ہیں جبکہ اصطلاحی طور پر کسی مدمقابل کو اپنے قول کو فاسد کرنے سے روکنے کے لیے دلیل کا استعمال کرنا یا دلیل سے اپنے کلام کو صحیح قرار دینا، یا نزاع و غلبہ کے طور پر آپس میں گفتگو کرنا یا غلبہ کے طور پر مدمقابل کے ساتھ بات چیت کرنا مجادلہ کہلاتا ہے۔[2] مجادلہ کی دو اقسام ہیں، اور جدل مذموم وہ ہے جس سے حق کو دور کرنا اور حق کے لیے رکاوٹ پیدا کرنا مقصد ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے کفار کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾[3]

ترجمہ: اللہ کی آیتوں میں جھگڑا نہیں کرتے مگر کافر تو اے سننے والے تجھے دھوکا نہ دے ان کا شہروں میں پھرنا۔

جدل محمود جس کا مقصد حق کی طرف داری یا اس کے ذریعے حق کا دفاع ہو۔[4]

جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[5]

ترجمہ: اور اہل کتاب سے نہ جھگڑو مگر بہتر طریقہ پر۔

اور یہی جدل محمود احتساب میں عمر رضی اللہ عنہ کا ایک طریقہ تھا۔ اس لیے یہاں دو پہلو سے گفتگو کی جائے گی ایک مسلمانوں سے مجادلہ اور دوسرا کفار سے مجادلہ۔

---

[1] سورۃ النحل:125/16

[2] لسان العرب،103/11

[3] سورۃ الغافر:4/40

[4] راغب الاصفہانی، ابوالقاسم حسین بن محمد، المفردات فی غریب القران، دارالمعرفۃ بیروت،89/1

[5] سورۃ العنکبوت:46/29

ا۔ مسلمانوں سے مجادلہ:۔

مثال نمبر ا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے فتح شام کے بعد فلسطین کا سفر کیا تھا تو جب مسجد قدس کے قریب پہنچے تو پوچھا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ جس پر کعب الاحبار نے کہا: صخرہ کی جانب، جس پر آپ رضی اللہ عنہ نے احتساب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کی قسم تم یہود کی مشابہت اختیار کرتے ہو، میں نے دیکھا کہ تم نے جوتے بھی اتار دیے ہیں، تو چاہتا ہے کہ میرے قدم بھی اس کے ساتھ مل جائیں جیسے میں نے تجھے کرتے دیکھا ہے بلکہ ہم اسی کو قبلہ بنائیں گے جو پہلے سے موجود ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے ہماری مساجد کا قبلہ مقرر فرمایا ہے، چلا جا، میں کبھی بھی صخرہ کو قبلہ بنانے کا حکم نہیں کروں گا بلکہ ہم کعبہ کو ہی قبلہ ٹھہرائیں گے وہی ہمارا قبلہ مقرر ہے۔[1]

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے کعب سے یہود کی مشابہت کے گناہ کو رد کرنے اور غیر کی مشابہت سے لوگوں کو بچانے کے لیے جدل کیا ہے اور مشابہت پر دلیل کے طور پر فرمایا کہ تو نے جوتے بھی اتار دیے ہیں دوسری بات یہ بھی تھی کہ شام والے عیسائی تھے ان کے نزدیک بھی بیت المقدس کی اسی طرح اہمیت ہے جیسے مسلمانوں اور یہود کے ہاں ہے اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے جدل احسن کیا کہ ہمارا قبلہ وہی ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا ہے اور وہ کعبہ ہے جس سے یہ مقصود تھا کہ نئے مسلمان ہونے والوں کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے کہ مسلمانوں کا قبلہ رسول ﷺ کا مقرر کردہ کعبہ ہی ہے بیت المقدس نہیں اور یہود کی مشابہت کسی صورت درست نہیں اور اس جدل میں ایک اصول بھی واضح کر دیا کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے ہے سابقہ شرائع کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں اور جو چیز مقدم ہے اس کا پہلا حق ہے اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مسلمانوں کا پہلا قبلہ بزمانہ آدمؑ سے کعبہ ہی تھا البتہ کچھ عرصہ کے لیے بیت المقدس قبلہ رہا ہے مگر اب وہ منسوخ ہے۔

مثال نمبر ۲۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات پر امارت وامامت کے منصب پر جب انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم مہاجرین میں سے تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ نے بڑے احسن طریقہ سے دلیل کے ذریعے سے جدل کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم جانتے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا تو تم میں سے کون یہ پسند کرے گا کہ ابو بکر سے مقدم ہو؟ تو سب نے کہا: ہم ابو بکر سے سبقت کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔[2]

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا حکیمانہ دلیل پیش کی جس سے کوئی انکار نہ کر سکا بلکہ سب نے بالاتفاق ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ذات کو خلافت کے لیے منتخب کر لیا کیونکہ جسے رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے دین کے لیے امیر مقرر کرتے ہیں وہی بدرجہ اولیٰ اس بات کا حقدار ہے کہ اسی کو دنیاوی امور کا بھی والی بنایا جائے۔

---

[1] تاریخ طبری، 3/611

[2] مسند امام احمد، 1/282، مسند عمر بن الخطاب، ح:133

۲۔ کفار سے مجادلہ:۔

مثال نمبر۱۔ ایک یہودی نے عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں آپ رضی اللہ عنہ سے قرآن کی اس آیت۔

﴿وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾[1]

ترجمہ: اور جنت جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جیسی ہے۔

پر اشکال کرتے ہوئے سوال کیا کہ جہنم کہاں ہے؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب مجلس سے کہا کہ اس یہودی کو جواب دو مگر جب کسی نے جواب نہ دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس یہودی سے پوچھا: جب رات آتی ہے اور اندھیرا ساری زمین پر چھا جاتا ہے اس وقت دن کہاں ہوتا ہے؟ تو یہودی نے کہا: جیسے اللہ چاہتے ہیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسے ہی جہنم ہے جہاں اللہ نے چاہا، یہودی کہنے لگا اے امیر المومنین اللہ کی قسم! ایسے ہی اللہ کی نازل شدہ کتاب میں ہے جیسے آپ نے کہا ہے۔[2]

یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی کے ایسے اشکال واعتراض کا حکیمانہ انداز میں دلیل عقلی سے جواب دیا کہ اگر جواب نہ دیا جاتا تو اس سے مسلمانوں کے دلوں میں وسوسے پیدا ہو سکتے تھے اور آپ کے جواب سے نہ صرف یہودی نے حق کا اعتراف کیا بلکہ مسلمانوں کا عقیدہ بھی محفوظ ہوا، اور عمر رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ دلیل بھی قرآنی دلائل عقلیہ سے مماثل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا﴾[3]

ترجمہ: تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہ دیکھا ہم نے اسے کیسا بنایا اور سنوارا۔

مثال نمبر۲۔ خیبر سے جب یہودیوں کو جلاوطن کیا گیا تو اس وقت یہود نے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ دعویٰ کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے اقرار کیا ہوا ہے اور آپ اپنے رسول کے کام کی مخالفت کرتے ہیں جس پر آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو عبداللہ بن عمر پر زیادتی کرنے کی وجہ سے نقض عہد کرنے والے قرار دیا تھا کیونکہ عہد میں یہ بات داخل تھی کہ مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچائیں گے اور یہی بظاہر ان کے جلاوطن کرنے کی دلیل تھی اور آپ کو رسول اللہ ﷺ کی وصیت یاد تھی کہ جزیرہ میں دو دین نہ چھوڑنا یہ اشارہ تھا یہود کے اخراج کا اسی وجہ سے یہودی متکلم نے

---

[1] سورۃ الحدید:57/21

[2] البزار، أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن (المتوفى:292ھ)، مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، المحقق: محفوظ الرحمن زين الله، مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة، (بدأت 1988م، وانتهت 2009م)، 16/244، ح:9380

[3] سورۃ ق:50/6

جب عہد رسول اللہ ﷺ کا کہا تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو جھوٹ بول رہا ہے اے اللہ کے دشمن۔[1] دوسری بات یہ بھی تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ یہودیوں جیسی کٹ حجت ورذیل قوم سے مجادلہ کے معاملہ بڑی سختی سے کام لیتے تھے کیونکہ یہ جانتے ہوئے بھی ضد وحسد کی وجہ سے حق کا انکار کرتے تھے اسی لیے آپ نے یہودی کو اللہ کا دشمن کہا، جیسا کہ اللہ نے اپنی کتاب میں ان سے مجادلہ کرتے ہوئے انہیں اپنا، اپنے نبیوں اور جبرائیل ومیکائیل کا دشمن قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ﴾[2]

ترجمہ: جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔

---

[1] مصنف عبد الرزاق، 1/360، ح:19369

[2] سورۃ البقرۃ:2/98

اُسوہ حسنہ

اسوہ حسنہ یا قدوۃ الحسنۃ کی دو قسمیں ہیں ایک انبیا علیہم السلام کا قدوہ واسوۃ ہے جسے قدوۃ مطلقہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کا بنیادی وصف عصمت ہے کیونکہ انبیا معاصی ورذائل سے پاک ہوتے ہیں چنانچہ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ قدوۃ مطلقہ وہ ہے جس کی ہر چیز میں اقتدا کی جاتی ہے اور یہ رسول ﷺ کا اسوۃ ہے کیونکہ آپ ﷺ معصوم ہیں آپ نے جو فرمایا، جو کام کیا وہ برحق ہے۔[1] قدوۃ الحسنۃ کی دوسری قسم جو انبیا کے علاوہ صالحین ومتقین کا اسوۃ ہوتا ہے جسے قدوۃ الحسنۃ مفیدہ کہا جاتا ہے اس کا بنیادی وصف عصمت نہیں اس قدوۃ کے حاملین میں بالعموم تمام صالحین ومتقین شامل ہیں اور خصوصیت کے ساتھ خلفائے راشدین کو یہ اعزاز حاصل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

(عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ بَعْدِي عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ)[2]

تم پر میری اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفا کی سنت لازم ہے اسے اپنے داڑھوں سے پکڑلو۔

جبکہ خلفا میں سے بھی ابو بکر وعمر کی اقتدا کی خصوصی وصیت فرماتے ہوئے فرمایا۔

(فَاقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ)[3]

میرے بعد ابو بکر وعمر کی اقتدا کرو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسوہ حسنہ سے متعلق جو بنیادیں فراہم کی ہیں ان میں سے پہلے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ذاتی اسوۃ کو بہترین انداز میں پیش کیا ہے پھر اپنے نائبین وعمال کو حکم دیا ہے کہ اچھا اسوہ پیش کریں۔

اول۔اپنے ذاتی قدوۃ کو بہتر کرنے کی کوشش کرنا۔

آپ کی زندگی انتہائی سادہ تھی، سادہ مزاجی کو پسند فرماتے تھے اور تکلفات سے بیزاری اختیار کرتے تھے ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے سفر شام کیا تو ابوعبیدہؓ نے آپ کے استقبال کا انتظام کیا ہوا تھا جس پر آپ نے ابوعبیدہ کو تنبیہ کی اور فرمایا: تم ذلیل وحقیر اور تعداد میں کم لوگ تھے مگر اللہ نے تمہیں اسلام کے ذریعے عزت دی، تو تم ان چیزوں کے ذریعے عزت طلب کرنا چھوڑ دو ورنہ اللہ تمہیں ذلیل کردے

---

[1] مجموع الفتاوی، 120/35

[2] أبو عبد الله محمد بن نصر بن الحجاج المَرْوَزِي (المتوفى: 294ھ)، السنة، المحقق: سالم أحمد السلفي، مؤسسة الكتب الثقافية – بيروت، 1408، باب ذكر الوجه الثاني من السنن التي اختلفوا، 1/27، ح:72

[3] سنن ترمذی، 6/50، ح:3662

گا۔[1] یہ آپ رضی اللہ عنہ کے قوت ایمان کی دلیل ہے اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس قول کے ذریعے یہ پیغام دیا ہے کہ ظاہر و باطن ایک جیسا ہونا چاہیے ظاہری بناوٹ سے عزت نہیں ملتی بلکہ اصل عزت تو اللہ کے پاس ہے۔اسی طرح آپ کو سفر میں جنابت لاحق ہوگئی اور آپ کے پاس پانی نہیں تھا پانی ملنے کے بعد غسل کیا اور جنابت والی جگہ سے کپڑا دھویا، تو عبداللہ بن عمرو نے کہا: اگر آپ اسی کپڑے میں نماز پڑھ لیتے، تو آپ نے کہا: اے ابن عمرو! کیا تو چاہتا ہے کہ میں جنابت والے کپڑے میں نماز نہ پڑھوں؟ پھر تو کہا جائے گا کہ عمر نے ایسے کپڑے میں نماز نہیں پڑھی جس کو جنابت لگی تھی بلکہ جہاں مجھے جنابت نظر نہ آئے اسے میں دھوؤں گا اور جہاں جنابت نظر آئے اسے کھرچ دوں گا۔[2] یہ کام آپ نے اس وجہ سے کیا کہ آپ معلم تھے اور امیر المومنین تھے۔ خلیفہ و امیر المومنین کا کام لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا ہے آپ نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ جنابت والے کپڑے سے جنابت دھو کر صاف کر کے کپڑا پاک کیا جاسکتا ہے پورے کپڑے دھونا ضروری نہیں اور رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی اس پر موجود ہے۔اسی طرح اگر آپ کی اخلاقی اسوہ کا جائزہ لیا جائے تو اس میں چند پہلو بہت اہم ہیں جنہیں بمع امثلہ ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔عدل:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے عادل حاکم تھے کہ ان کے عدل سے قیامت تک رہنمائی لی جاتی رہے گی اور عدل و انصاف حاکم کے لیے اتنا ضروری ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبے میں ہی اپنے بیعت کے مقاصد کو عدل کی بالادستی کے ساتھ بیان کیا کیونکہ اللہ نے عدل کرنے کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے عادل حکام کے فضائل بیان کیے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں کمزور کو حق دلوایا اور طاقتور و ظالم کو دست درازی سے روکا یہاں تک کہ آپ کے عمال بھی اگر کسی پر ظلم کرتے یا ان کے منصب کی وجہ سے ان کا کوئی تعلق دار ظلم کرتا تو اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ آپ سب کو قانون کے اطلاق میں برابر سمجھتے تھے چنانچہ عمرو بن العاصؓ کے بیٹے نے ایک مصری کو مارا، مصری کی شکایت پر ابن عمرو کو باپ کے سامنے دربار میں پیش کیا اور مصری سے بدلہ لینے کا کہا اور عمرو بن العاص سے کہا کہ تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا ہے حالانکہ ان کی ماؤوں نے انہیں آزاد جنا ہے۔[3]

---

[1] البدایہ والنہایہ، 7/61

[2] مصنف عبدالرزاق، 1/380، ح:1446

[3] يوسف بن حسن بن أحمد بن حسن ابن عبد الهادي الصالحي، جمال الدين، ابن المِبْرَد الحنبلي (المتوفى:909ه)، إيضاح طرق الاستقامة في بيان أحكام الولاية والإمامة، دار النوادر، سوريا، 1432ه-2011م، 1/176

۲۔ایثار و مہربانی:۔

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ لوگوں کو رعایا کی حاجات وضروریات کو اپنے اور اپنی حاجات پر ترجیح دیتے تھے کیونکہ مومنین کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک پیالہ لایا گیا جس میں کھانا اور گوشت تھا تو آپ نے پوچھا کس لیے؟ لوگوں نے کہا: ہم نے آج جو جانور ذبح کیے اس کا گوشت ہے تو آپ نے پیالہ واپس کرتے ہوئے کہا: میں برا والی ہوں اگر میں اچھی چیز کھاوں اور لوگوں کو بد مزہ اور کمتر چیز کھلاوں، پیالہ لے جاو اور اس کے علاوہ کوئی کھانا لے آو، پھر آپ کے لیے روٹی اور تیل لایا گیا جس سے آپ نے کھانا کھایا، پھر کہا: یہ کھانا اہل بیت کو دے دو انہوں نے تین دن سے نہیں کھایا، تو وہ پیالہ اہل بیت کے سامنے رکھ دیا۔[1]

۳۔زہد:۔

آپ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ آپ دنیا اور دنیا کی لذات سے استفادہ بحسب قوت لایموت ہی کرتے تھے حالانکہ مسلمانوں پر فراوانی آچکی تھی فتوحات کی وجہ سے اموال کی کثرت تھی مگر آپ کا یہ عالم تھا کہ آپ کے کپڑے کمتر ہوتے جاتے تھے ،کپڑوں میں پیوند لگے ہوتے تھے چنانچہ جب اموال کی کثرت ہوئی تو لوگوں نے حفصہؓ[2] سے کہا کہ وہ اپنے والد سے کہیں کہ رات کا کھانا کھایا کریں کیونکہ آپ رات کا کھانا نہیں کھاتے تھے، ام المومنین نے آپ سے بات کی جس پر آپ نے فرمایا: تو اپنے باپ کو عیش کرنے کا کہے اور اپنی قوم کو نصیحت کرے۔[3]

۴۔ورع:۔

آپ کے ورع کا یہ عالم تھا کہ امت کی اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانے کے باوجود اپنے مقرر شدہ وظیفہ کو لینا بھی پسند نہیں کرتے تھے حالانکہ وہ امرا وحکام کا حق ہے چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے اللہ کے مال کے معاملے میں میری مثال یتیم کے ولی جیسی ہے کہ اگر میں اس مال سے مستغنی ہو گیا تو اسے چھوڑ دوں گا اور اگر فقیر رہا تو اس سے کھاوں گا۔[4] ایک روایت کے مطابق آپ نے عبد الرحمان بن عوف سے چار ہزار درہم قرض لینا چاہا، عبد الرحمان نے کہا:

---

[1] طبقات ابن سعد، 3/ 237۔ الریاض النضرة في مناقب العشرة، 2/ 385

[2] حفصہؓ: حفصة بنت عمر بن الخطاب بن نفیل العدویہ القرشیہ، قدیم الاسلام صحابیہ، ام المومنین ہیں۔ ۱۸ قبل الہجرہ مکہ میں پیدا ہوئیں، پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سہمی سے ہوا، اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کیا اور ہجرت مدینہ کی، خنیس کی وفات کے بعد ۳ھ رسول اللہ ﷺ سے نکاح ہوا اور ۴۵ھ مدینہ منورہ میں فوت ہوئیں۔ (طبقات ابن سعد، 8/ 65۔ الاستیعاب، 4/ 1811)

[3] طبقات ابن سعد، 3/ 378

[4] النظام القضائي في الفقه الإسلامي، 1/ 69

بیت المال سے لے لیں تو آپ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: اگر میں ادائیگی سے پہلے مر گیا تو تم کہو گے یہ مال امیر المونین نے لیا تھا اور تم اس کا دعویٰ کرو، اور قیامت والے دن لیا جائے، نہیں لیکن میں ایسے حریص آدمی سے لوں گا کہ اگر میں مر جاوں تو وہ میری میراث سے وصول کرے۔[1]

۵۔تواضع:۔

تواضع ایسا وصف ہے جو انسان کو دنیا وآخرت میں رفعت وعظمت عطا کرتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

(وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ)[2]

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب بالخصوص خلفائے راشدین میں عجز وانکساری کا کمال وصف تھا، بچوں کو سلام کرتے، اپنے خادم کے ساتھ کھانا کھاتے اور مساکین سے مجالس قائم رکھتے تھے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ منبر پر بیٹھے اور فرمایا: تم مجھے دیکھ رہے ہو حالانکہ میرا مال بہت زیادہ کھانے والے کے پاس ہے لوگ اس سے کھاتے ہیں سوائے اس کے کہ بنو مخزوم سے میری خالائیں ہیں میں ان کے لیے پانی میٹھا کرتا ہوں تو وہ مجھے انگور کے گچھے دیتی ہیں پھر منبر سے اترے تو کسی نے پوچھا: اس بات سے آپ کا کیا ارادہ ہے، تو آپ نے کہا: میں اپنے دل میں ایک بات پاتا ہوں تو میں نے چاہا کہ اسے بڑھادوں۔[3]

دوم۔اپنے عمال کو عمدہ قدوہ پیش کرنے کا حکم:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے تواضع وانکسار سے زندگی گزارتے تھے اسی طرح وہ اپنے نائبین وعمال کو بھی اس کا حکم دیتے تھے کہ وہ بھی اچھا نمونہ پیش کریں جیسے عمران بن حصینؓ[4] نے مصر سے احرام باندھا جس پر ان کا محاسبہ کیا اور ان پر سختی کی اور فریا: اگر تم ایسا کروگے تو لوگ کہیں گے کہ محمد کے اصحاب نے مصر سے احرام باندھا تھا۔[5]

---

[1] طبقات ابن سعد، 3/211۔ تاریخ دمشق، 44/345

[2] صحیح مسلم، باب استحباب العفو اوالتواضع، 4/2001، روایت: 2588

[3] البدایہ والنہایہ، 7/139

[4] عمران بن حصینؓ: ابونجید عمران بن حصین بن عبید الخزاعي، فقیہ صحابی ہیں۔ ۷ھ غزوہ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر ان کے ہاتھ میں بنی خزاعہ کا علم تھا، عہد فاروقی میں معلم بنا کر بصرہ بھیجے گئے، زیاد نے بصرہ کا قاضی بھی بنایا۔ ۵۲ھ فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 7/6۔ سیر اعلام النبلا، 2/503)

[5] المعجم الکبیر للبیہقی، 18/107، ح: 204۔ مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کرہ تعجیل الاحرام، 3/126، ح: 12697

اس فصل میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے وہ اسالیب وطرق بیان ہوئے ہیں جو انہوں نے احتساب کرتے ہوئے استعمال کیے یعنی ترغیب، ترہیب، مجادلہ اور قدوہ حسنہ۔ایک داعی اس بات سے بخوبی واقف ہوتا ہے کہ مجرم و مخطی کو کیسے راہ راست پر لانا ہے، عموما جرم وخطا کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مجرم کی طبیعت بھی، بعض اوقات صرف ترغیب دینے سے ہی اصلاح ہو جاتی ہے اور مخطی راہ راست پر آجاتا ہے، کبھی مجرم کو ترغیب کے ساتھ ساتھ یا صرف ترہیب سے راہ راست پر لایا جاتا ہے یعنی جرم کے بھیانک نتائج اور اس پر وعید سے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مجرم اپنے جرم پر ڈٹ جاتا اپنے جرم پر تاویلیں پیش کرتا ہے وہاں راہ راست پر لانے کے لیے دلائل وبراہین کے ساتھ مجادلہ کی ضرورت ہوتی ہے، کبھی مجرم یک دم درست نہیں ہوتا بلکہ اسے راہ راست پر آنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ مختلف طرق کے استعمال کی بھی ضرورت ہوتی ہے وہاں داعی و مصلح کی شخصیت کا بڑا اثر ہوتا ہے یعنی داعی کے قول وفعل میں مطابقت ضروری ہے، داعی اپنے عمل کو نمونہ کے طور پیش کرتا ہے تو اصلاح ہونے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

فصل دوم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظام حسبہ کے نفاذ میں وسائل کا استعمال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظام حسبہ کے نفاذ میں وسائل کا استعمال

وسیلہ لغوی طور پر وہ چیز ہے جس کے ذریعے کسی ذات یا کسی مقصد کا حصول ہو یا اس کے ذریعے کسی کا تقرب حاصل کیا جائے اور اس کی جمع وسیل اور وسائل ہے جیسے صاحب صحاح نے ذکر کیا ہے۔

"مَا يَتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى الْغَيْرِ، وَالْجَمْعُ الوَسيلُ والوَسائِلُ "[1]

اور یہاں وہ امور مراد ہیں جن کے ذریعے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے احتسابی عمل کو انجام دیا۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کا نظام احتساب منظم و مربوط تھا اور اس میں جیسے مختلف اسالیب استعمال کیے گئے ہیں ایسے ہی اس میں مختلف وسائل بھی استعمال ہوئے ہیں جن کا ذیل میں مذکور پانچ مباحث کے تحت ذکر کیا جائے گا۔ الخطبہ، والیوں کا تقرر، پر وقار رعب وجلال، شرعی سزاوں کا نفاذ، اپنے ہاتھ سے منکرات کے خاتمے کی کوشش کرنا۔ ہر مبحث کے تحت ایک وسیلہ اور اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

---

[1] تاج اللغۃ، 1841/5

خطبہ یا وعظ و نصیحت

لغوی طور پر خطبہ خطیب کا فعل ہے اور عرب کے ہاں منثور مسجع کلام کو خطبہ کہا جاتا ہے جبکہ اصطلاحی طور پر ایسا منثور مسجع و مرسل کلام یا ایسا جلدی سے ادا کیا گیا کلام جس میں بے انتہا تاثیر ہو۔[1] چنانچہ قرآن مجید کی کئی نصوص بات کے وسیلہ اور اس کو دعوت کے امر لگانے کا حکم کرتی ہیں چونکہ خطبہ دعوت الی اللہ کا ایک اہم وسیلہ ہے بلکہ جمعۃ المبارک جیسی عبادت کا ایک جز بھی ہے اسی طرح عیدین کا خطبہ بھی ان کا حصہ ہے خطبہ استقا، خطبہ عرفہ وغیرہ بھی، یہی وجہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے احتساب کے کاموں میں خطبہ کو بھی ایک وسیلہ بنایا ہے اور آپ کے بے شمار خطبات اس سلسلے میں مشہور ہیں یہاں آپ کے تین قسم کے خطبات ذکر کیے جاتے ہیں۔

جہاد اور دعوت جہاد کے لیے خطبہ:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام بہت زیادہ پھیلا اور بہت زیادہ فتوحات ہوئیں یہاں تک کہ فارس وروم کا اکثر حصہ فتح ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جب بھی لشکر بھیجا یا کسی علاقے کے لیے لشکر تیار کیا تو اس وقت لوگوں کو جہاد کے لیے تیار کرنے اور جہادی سرگرمیوں میں بہتری لانے کے لیے ایک بلیغ خطبہ دیا کرتے تھے چنانچہ ایران سے جنگ کے لیے ایک جامع خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: مہاجرین طرا کہاں ہیں کہ جن کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ زمین میں پھر وکیونکہ اللہ نے کتاب میں تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں ان زمینوں کا وارث بنائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾[2]

ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کردے۔ اور اللہ ہی اپنے دین کو غالب کرنے والا، اپنے دین کی مدد کرنے والے کی مدد کرنے والا، سابقہ امم کے وارثوں کا دوست ہے، تو کہاں ہیں نیک بندے۔[3] عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف خود بلیغ خطبات دیتے تھے بلکہ اپنے عمال کو بھی حکم دیتے تھے کہ وہ جہاد کے لیے لشکروں کی تیاری کے لیے خطبے دیں چنانچہ عمرو بن العاصؓ کو خط لکھا کہ جب میرا خط تمہارے پاس پہنچے تو اس وقت لوگوں میں خطبہ دو اور لوگوں کو اپنے دشمن کے خلاف جہاد و قتال اور اس کے مصائب پر صبر کرنے کی ترغیب دو۔

---

[1] لسان العرب، 1/361

[2] سورۃ التوبہ: 9/33

[3] تاریخ طبری، 3/445

وعظ اور اللہ کی یاد دلانے کے لیے خطبہ:۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں اپنی محبت اور خیر کے کاموں میں رغبت رکھی ہے اور اسی کے ساتھ دنیا وآخرت کی مصالح ومنفعت بھی لیکن انسان ان امور میں توازن برقرار نہیں رکھ پاتا تو وہ ایک طرف ہو جاتا ہے اس لیے وقتاً فوقتاً انسان کو اللہ کی یاد، اللہ کی طرف بلاوہ ملتا رہنا چاہیے تاکہ انسان اپنے اصل مقصد کو پاسکے اور اپنی دنیا وآخرت کی بھلائیاں سمیٹ سکے اس لیے وعظ وتذکیر کی ضرورت ہے اور یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور احتساب کا اہم ذریعہ ووسلیہ ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کے لیے دعوت کے سلسلے میں موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت دینے کا حکم دیا ہے جیسے کہ ارشاد ہے۔

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[1]

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

اور عمر رضی اللہ عنہ سنت نبوی اور احکام خداوندی کی بہت زیادہ پابندی کرنے والے تھے خود بھی زاہدانہ زندگی بسر کرتے اور اپنے اہل وعیال اور اصحاب کو بھی زاہدانہ زندگی گزارنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

[1] سورۃ نحل:16/125

والیوں کی تقرری

والیوں کے تقرر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند شرائط کو مد نظر رکھا کرتے تھے اور ان کی ذمہ داریوں کو بھی واضح کرتے تھے۔ شرائط درجہ ذیل ہیں۔

۱۔ احکام شریعت کا جاننے والا ہو:۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولین ترجیح رہتی تھی کہ ان کے عمال شریعت کے عالم اور باعمل لوگ ہوں کیونکہ جو شخص شرائع اسلام سے واقف ہو گا وہ دینی سیاست و حکومت سے واقف ہو گا اور اپنی ذمہ داری کو نبھانے میں لگن سے کام لے گا اور عدل وانصاف کا بول بالا کرے گا چنانچہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ کی ولایت پر نافع بن حارث[1] کو مقرر کیا تو لوگوں نے ان کے غلام ہونے کی وجہ سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا جس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نافع کتاب اللہ کا قاری، علم المیراث کا عالم اور قاضی ہے۔[2] پھر اپنے عمل پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا۔

(إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ)[3]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن) کی وجہ سے بہت ساری اقوام کو بلند کرتا ہے اور بہتوں کو تباہ کر دیتا ہے۔

۲۔ طاقت ور ہو:۔

عمر رضی اللہ عنہ نے والی کے تقرر میں اس بات کا خصوصی لحاظ رکھا ہے کہ وہ طاقت ور ہو جسمانی لحاظ سے مضبوط ہو کیونکہ شہروں کی حفاظت کے لیے مضبوط و جسیم آدمی کا ہونا ضروری ہے اور اس کی ہیبت بھی بنسبت کمزور کے زیادہ ہوتی ہے۔ اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانا مشقت کا کام ہے اور طاقت ور آدمی مشقت برداشت کر سکتا ہے۔ چنانچہ

---

[1] نافع بن حارثؓ: نافع بن الحارث بن كلدة الثقفي الطائفي، صحابی ہیں اور ان کے مادری بھائی ابو بکرہ بھی صحابی ہیں۔ غزوہ طائف کے موقع پر اسلام قبول کیا، بعد کے غزوات اور فتوحات میں شریک رہے، عہد فاروقی میں ابلہ اور اہواز فتح کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں ان کو ایک جاگیر بھی عطا کی تھی۔ (طبقات ابن سعد، 7/49۔ الاستیعاب، 4/1489)

[2] مسند امام احمد، 1/355، مسند عمر بن الخطاب، ح:232

[3] صحیح مسلم، باب فضل من یقوم بالقران ویعلمہ، 1/559، ح:817

عمر رضی اللہ عنہ نے شرحبیلؓ[1] کو معزول کر کے معاویہ بن ابی سفیان[2] کو عامل مقرر کیا جس پر شرحبیل نے پوچھا کیا میری معزولی کی وجہ نافرمانی ہے؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، تم دونوں مجھے محبوب ہو لیکن میرا ارادہ ہے کہ میں دونوں میں سے زیادہ قوی کو عامل مقرر کروں[3]، اسی طرح ابن سعد نے لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاصؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ اور مغیرہ بن شعبہ[4] کو زیادہ قوی ہونے کی وجہ سے ان سے افضل لوگوں عثمان وطلحہ و علی وزبیر وغیرہ سے زیادہ گورنری کے لیے ترجیح دی۔[5]

۳۔امانت دار ہو:۔

عمر رضی اللہ عنہ خود بھی امانت دار تھے اور اپنے نائبین کو بھی امانت دار دیکھنا چاہتے تھے کیونکہ خلافت وامارت ایک امانت ہے۔ والی وحاکم لوگوں کے حقوق واموال کا ذمہ دار ہوتا ہے قومی املاک و محصولات کی حفاظت کا ضامن ہوتا ہے اس لیے آپؓ نے جو بھی عامل مقرر کیا اس میں امانت دار ہونے کے وصف کو دیکھ کر ہی منصب تفویض کیا چنانچہ جب آپ نے ایرانی مفتوحات کے اموال پر غور کیا تو فرمایا: بیشک قومیں یہ ذمہ داری امانت داروں کو ہی سونپتی ہیں۔[6]

---

[1] شرحبیل: ابو عبد اللہ شرحبیل بن عبد اللہ بن المطاع بن عبد اللہ الکندی صحابی ہیں۔ والدہ کا نام حسنہ ہے۔ فتح مکہ کے وقت اسلام لائے، رسول اللہ ﷺ نے قاصد بنا کر مصر بھیجا عہد صدیقی میں اُردن فتح کیا، عہد فاروقی میں طاعون عمواس میں ۱۸ھ فوت ہوئے۔ (الاستیعاب، 2/698۔ اسد الغابہ، 2/619)

[2] معاویہ بن ابی سفیانؓ: معاویۃ بن أبي سفیان صخر القرشی الاموی صحابی، گورنر شام، مدبر وزیرک، کاتب وحی اور خلافت بنو امیہ کے پہلے خلیفہ ہیں۔ ۲۰ قبل ہجرت مکہ میں پیدا ہوئے، فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا، غزوہ حنین میں شریک ہوئے، عہد صدیقی میں عرقہ، بیروت، جبیل اور صیدا فتح کیے، عہد فاروقی میں اپنے بھائی یزیدؓ کی وفات کے بعد شام کے گورنر بنائے گئے مسلسل بیس سال گورنر رہے، عہد مرتضوی میں معزول کیے گئے مگر معزولی کو تسلیم نہیں کیا جس کی بنا پر علیؓ کے ساتھ جنگ صفین ہوئی، شہادت علیؓ کے بعد امام حسنؓ کے ساتھ مصالحت ہوئی اور پھر بالاتفاق مسلمانوں کے خلیفہ رہے اور ۶۰ھ شام میں فوت ہوئے۔ (الاستیعاب، 3/1416۔ اسد الغابہ، 5/201)

[3] تاریخ طبری، 4/65۔ الکامل فی التاریخ، 2/380

[4] مغیرہ بن شعبہؓ: ابو عبد اللہ المغرۃ بن شعبۃ بن ابی عامر بن مسعود، الثقفی صحابی ہیں۔ غزوہ خیبر کے موقع پر اسلام قبول کیا، حدیبیہ اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، فتوح فارس میں حصہ لیا، عہد فاروقی میں بصرہ کے گورنر رہے، پھر کوفہ کے گورنر بھی بنائے گئے عہد عثمانی میں بھی کوفہ کے گورنر رہے کچھ عرصہ کے بعد معزول ہوئے عہد امیر معاویہؓ میں کوفہ کے گورنر بنائے گئے اور بحالت گورنری ۵۰ھ فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 4/213۔ الاستیعاب، 4/1445)

[5] طبقات ابن سعد، باب ذکر استخلاف عمرؓ، 3/314

[6] تاریخ طبری، 4/20

۴۔صالح ہو:۔

اجتماعی معاملات کی صلاح وبہتری کے لیے ضروری ہے کہ عمال وگورنر اور قائدین صالح ہوں،اور اگر حاکم وعامل اور قائدین صالح نہ ہوں توماتحت عوام ورعایا بھی صالحیت کی طرف نہیں جائے گی۔یہی وجہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ عمال وگورنر کے تقرر میں صالح لوگوں کو ہی منتخب کرتے تھے چنانچہ جس کو عامل مقرر کرتے توپہلے اس کے صالح وتقویٰ دار ہونے پر شہادتیں لیتے اور فرماتے: جس نے فاجر کو عامل مقرر کیا اور حاکم اس کے فسق کے بارے جانتا بھی ہو تووہ حاکم بھی عامل کی طرح گناہگار ہے۔[1]

۵۔اپنی سابقہ زندگی میں اسلام کا شدید مخالف نہ رہا ہو:۔

عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ وہ متقدمین وسابقین فی الاسلام یعنی مہاجرین وانصار سے مشورہ لیتے تھے اور زیادہ تر اہم ذمہ داریوں پر ان ہی میں سے ذمہ دار منتخب کرتے تھے کیونکہ مہاجرین وانصار نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا عملی مشاہدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ اسلام کے لیے قربانیاں دی تھیں اور اسلام کی اشاعت میں ان ہی سابقین کا اہم کردار رہا ہے جبکہ وہ لوگ جو دیر سے اسلام لائے یا حالت کفر میں اسلام کے سخت ترین مخالف تھے ان کو اہم ذمہ داریاں نہیں سونپتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ اس بارے آپ سے پوچھا گیا کہ جو حالت کفر میں صاحب شرف لوگ تھے ان کو آپ عامل کیوں نہیں مقرر کرتے تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کی ڈاڑیں شرک میں اور سر اسلام میں ہیں،یہ ہمیشہ نہیں ہوگا۔[2]

٦۔امارت وحکومت اور عہدے کا طلب گار نہ ہو:۔

امارت ومنصب ایک اہم ذمہ داری ہے جس کو طلب کرنا نامناسب ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو امارت طلب کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے اور جو بھی طلب کرتا اسے عہدہ ومنصب نہیں دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ بھی سنت نبوی ﷺ کی اتباع میں طالب امارت کو عامل وگورنر نہیں بناتے تھے بلکہ ایسے شخص ان کی نگاہ میں طالب دنیا اور ذاتی اغراض والے ہیں چنانچہ ایک شخص نے آپ سے قاضی کا منصب مانگا جس پر

---

[1] وكيع، ابو بكر محمد بن خلف البغدادي (المتوفى:306ھ)، أخبار القضاة، المحقق: صححه وعلق عليه وخرّج أحاديثه: عبد العزيز مصطفى المراغي، المكتبة التجارية الكبرى، بشارع محمد علي بمصر لصاحبها: مصطفى محمد، 1366ھ=1947م، 1/69

[2] تاریخ المدينه، 2/751

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ایسا معاملہ ہے جو اسے پسند کرتا ہے وہ سیدھا نہیں رہ سکتا۔[1] جبکہ ایک آدمی کے مطالبہ پر فرمایا: جو بھی امارت کو پسند نہ کرے تو وہ عدل کرے گا۔[2]

۷۔ زاہد ہو:۔

عمر رضی اللہ عنہ خود بھی زاہد تھے اور زاہدانہ زندگی کو پسند کرتے تھے اور اسی لیے اپنے عمال ونائبین کو بھی زاہدانہ زندگی گزارنے کا حکم دیتے تھے۔ عمال کے تقرر میں زہد کی بھی شرط ہوتی تھی اسی کے ساتھ ایسے کاموں سے بھی عمال کو منع کرتے تھے جن میں مفاخر کا اظہار ہو جیسے ترکی گھوڑے کی سواری، کشمش کھانا، باریک لباس پہننا وغیرہ[3]۔

۸۔ اس کے اور لوگوں کے درمیان کوئی حجاب نہ ہو:۔

عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمال کو خصوصی وصیت کرتے تھے کہ ان کے دروازے لوگوں کی شکایات سننے اور لوگوں کی حاجات کے لیے ہر وقت کھلے رہیں۔ والی اور عوام کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ ہو چنانچہ ایک عامل کو آپ رضی اللہ عنہ نے خط لکھا کہ اپنے دروازے مسلمانوں کی حاجات کے لیے کھلے رکھنا اور اگر کسی عامل نے لوگوں کے لیے دروازے بند کر لیے تو اس پر سزا کا نفاذ جائز ہو جائے گا۔[4]

۹۔ مہربان ہو:۔

حاکم ووالی کا نرم دل اور مہربان ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ جس عامل میں رحمدلی ہو گی وہ رعایا پر عنایات بھی کرے گا اور اخلاص کے ساتھ لوگوں کے حقوق ادا کرنے والا بنے گا۔ عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے عمال کے تقرر میں مہربان ورحیم آدمی کا انتخاب کرتے تھے چنانچہ کوئی بھی عامل ہو اس پر لازم تھا کہ وہ مریضوں کی تیمارداری کرے، ضعیفوں اور کمزوروں کا لحاظ رکھے اور لوگ اس کے دروازے پر حاجات کے لیے جمع ہوں، اسی وجہ سے ایک عامل کے بارے آپ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر لوگوں نے عامل کی تعریف کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس میں یہ اوصاف نہ ہوں تو اسے معزول کر دوں گا۔[5]

---

[1] تاریخ المدینہ، 855/3

[2] ایضا، 856/3

[3] ایضا، 208/4

[4] تاریخ الاسلام لذہبی، 266/3

[5] تاریخ طبری، 222/5

۱۰۔عادل ہو:۔

عدل ایساوصف ہے جس پر دنیاکانظام چلتاہے جس سے حکومتوں کو دوام ملتاہے عوام خوشحال ہوگی ناانصافی وظلم کا خاتمہ ہو گا، امن وعافیت کا دور دوراہو گا یہی وجہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ خود بھی عدل کے وصف سے متصف تھے اور اگر کوئی والی مقرر کرتے تو اس کے لیے بھی عدل کی شرط رکھتے تھے اور اپنے عمال کو لکھتے تھے کہ لوگوں کو حق کے معاملہ میں برابر سمجھو عوام کا قریبی ان کے دور والے کی طرح ہے اور دور والا قریب والے کی طرح۔ خبر دار رشوت اور ہویٰ نفسانی کے فیصلے سے بچو اور غصہ کے وقت لوگوں کی گرفت کرنے سے بچو، حق کے ساتھ قائم رہو اگرچہ دن کی ایک گھڑی ہی ہو۔[1]

دوم:والیوں کی اہم ذمہ داریاں:۔

ا۔نماز کا قیام:۔

نماز دین کا بنیادی ستون ہے اور سب سے بڑی نیکی ہے اس کا قائم کرنا زمین پر اللہ کی شریعت کو قائم کرنا ہے۔ یہ دین اسلام کا دوسرا بڑا رکن ہے اگر نماز صحیح ہو جائے تو باقی اعمال بھی صحیح ہو جاتے ہیں اور اگر نماز درست نہ ہو تو باقی اعمال بھی درست نہیں رہتے اسی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والیوں پر یہ ذمہ داری عائد کی تھی کہ وہ اپنی نمازوں کی بھی دیکھ بھال کریں اور اپنے ماتحت رعایا کی نمازوں کی بھی انفرادی واجتماعی طور پر چنانچہ ایک دفعہ آپ نے ایک عامل مقرر کیا، اس کے کردار پر انصار ومہاجرین کے گروہ کی گواہی لی اور پھر اسے خط لکھا کہ میں نے تمہیں اس لیے عامل بنایا ہے کہ تو لوگوں میں نماز کو قائم کرے۔[2]

۲۔لوگوں کی تعلیم اور سنت نبوی کی ترویج:۔

حکام وامرا کی ایک اہم ذمہ داری لوگوں کو تعلیم دینا اور جہالت کا خاتمہ ہے کیونکہ تعلیم معروف کی ترویج اور جہالت کا خاتمہ منکر کی روک تھام ہے اسی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کی یہ ذمہ داری لگائی تھی کہ وہ لوگوں کو تعلیم دیں، صاحب علم لوگوں کی قدر کریں اور نبی ﷺ کی سنت کی خصوصی ترویج کریں تاکہ اپنے رب کی معرفت حاصل کریں جو کہ اصل حق ہے، پھر اس کی عبادت کریں اپنے نبی کا طریقہ سیکھ لیں جو کہ اتباع کا اصل طریقہ ہے چنانچہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: میں نے تم پر عامل اس لیے نہیں مقرر کیے کہ

[1] سنن بیہقی، باب انصاف الخصمین فی المدخل، 10/229، ح:20462

[2] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، 1/395

تمہیں بشارتیں دیتے رہیں اور نہ ہی اس لیے کہ وہ تمہیں ہدف کا نشانہ بنائیں اور نہ اس لیے کہ تم سے تمہارے اموال لیں بلکہ میر اعمال مقرر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عامل تمہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی تعلیم دیں۔ [1]

۳۔عدل کا حکم دے:۔

اگر لوگوں میں مخالفت ومنازعت ہو تو لوگوں میں عدل کے ساتھ فیصلے کریں، صاحب حق کو اس کا حق دلائیں تو یہ بڑانیک کام ہے یہ محتسب وخلیفہ کی اہم ذمہ داری ہے یہی وجہ ہے کہ عمال کا یہ اہم فریضہ تھا چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ جب کوئی عامل مقرر کرتے تو اسے قیام صلاۃ، مال فیے کی تقسیم اور دوسری ذمہ داریوں کی یاددہانی کے ساتھ عدل سے فیصلے کرنے کا بھی کہتے تھے۔ [2]

۴۔منکرات کی روک تھام:۔

عمر رضی اللہ عنہ بذات خود منکرات کی روک تھام کے لیے کوشاں رہتے تھے اور اپنے عمال کو بھی اس بارے خصوصی وصیت کرتے تھے بلکہ منکرات کے خاتمے کے لیے ہر وہ چیز مٹادینے کا حکم ہوتا تھا جس سے آئیندہ کبھی فساد ومنکرات کا راستہ نکل سکے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ شام میں مسلمان عورتیں اور اہل کتاب عورتیں اکٹھی حمام میں جاتی ہیں تو آپ نے ابوعبیدہ بن جراح والی شام کو لکھا کہ مسلمان خواتین اور اہل کتاب خواتین کو اس طرح کرنے سے روکو۔ [3]

یہ وہ اہم امور ہیں جو کسی عامل کو مقرر کرتے وقت عمر بن خطابؓ اسے سونپتے تھے اور خود بھی ان امور کی نگرانی کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً عمال کو ناصحانہ وتنبیہانہ خطوط لکھتے تھے جن میں ان کی اہم ذمہ داریاں یاد دلایا کرتے تھے۔

---

[1] تاریخ دمشق، 44/277۔ أبو العباس، أحمد بن عبد اللہ بن محمد، محب الدین الطبري (المتوفی: 694ھ)، الریاض النضرة في مناقب العشرة، دار الکتب العلمیة، 2/395

[2] الریاض النضرة في مناقب العشرة، 2/395

[3] مصنف عبد الرزاق، باب الحمام للنسا، 1/295، ح:1134

پر وقار رعب وجلال اور احتساب

اللہ تعالیٰ نے انسان اور انسانی فطرت کو پیدا کیا ہے تو بعض لوگوں کی فطرت اللہ کے انعامات میں رغبت رکھتی ہیں اور کچھ لوگوں کی فطرت میں اللہ کے عذاب وعقاب کا خوف ودیعت کیا گیا ہے اور کچھ لوگوں کی طبیعت اس بات کی محتاج رہتی ہے کہ ان کو ڈرایا جائے اسی لیے محتسب کے لیے ضروری ہے وہ ہیبت وجلال کا مالک ہو تاکہ منکرات کی روک تھام کے لیے اس ذریعہ کو استعمال کر سکے۔ عمر رضی اللہ عنہ محتسب اعلیٰ تھے اور وہ اپنی ہیبت وجلال کو احتسابی عمل میں استعمال کرتے تھے اس لیے ذیل میں آپ رضی اللہ عنہ کی ہیبت وجلال، رعب ودبدبہ کی خصوصیت اور اس کے استعمال پر بحث ہوگی۔

عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصی ہیبت:۔

مثال نمبر ا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے خاص ہیبت وجلال عطا فرمایا تھا، عوام الناس میں آپ کا رعب ودبدبہ تھا بالخصوص گناہگار و مجرم لوگوں پر آپ رضی اللہ عنہ کا ڈر سوار رہتا تھا چنانچہ رسالت مآب ﷺ کے زمانے میں ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس داخل ہونے کی اجازت چاہی اور اس وقت قریش کی خواتین آپ کے پاس بیٹھی محو گفتگو تھیں، جب آپ کو اندر داخل ہونے کی اجازت ملی تو آپ نے رسول اللہ ﷺ کو مسکراتے دیکھا تو فرمایا: اے اللہ کے رسول اللہ آپ کو ہنستے رکھے، آپ ﷺ نے بتایا کہ مجھے تعجب ہوا کہ جب تمہاری آواز خواتین نے سنی تو وہ دوڑ کر پردے کے پیچھے چھپ گئیں، تو عمر رضی اللہ عنہ نے خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے اپنی جان کی دشمنوں! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتیں تو خواتین نے کہا: جی ہاں تم سخت اور رسول اللہ ﷺ سے زیادہ غصے والے ہو، تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جس راستے پر شیطان تجھے دیکھتا ہے اس راستے سے شیطان اپنا راستہ تبدیل کر لیتا ہے۔[1] ایک دوسری روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے آپ کی ہیبت وجلال کے متعلق فرمایا: میں اللہ کی کتاب کا سب سے بڑا قاری، دین کا سب سے زیادہ سمجھ رکھنے والا، حدود اللہ کا سب سے زیادہ قائم کرنے والا اور لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ ہیبت رکھنے والا عمر بن خطاب سے زیادہ کسی کو نہیں پاتا[2]، کیونکہ شیطان آپ رضی اللہ عنہ کی ہیبت وجلال سے بھاگتا تھا اور جس راستے پر آپ چلتے تھے اس راستے سے دور ہٹ جاتا تھا۔

مثال نمبر ۲۔ صحابہ کرام پر آپ کی اتنی ہیبت تھی کہ بسا اوقات کسی کو بات کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی اور نہ ہی نظریں ملا سکتے تھے چنانچہ ابن عوف سے مروی ہے کہ ایک دفعہ عثمان، طلحہ، زبیر و سعد رضی اللہ عنہم وغیرہ عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] مسند امام احمد، 3/72

[2] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، 4/155

کے پاس آئے مگر کسی کو ان کی ہیبت کی وجہ سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی بلکہ ہم ڈرتے تھے اور بسا اوقات ضرورت مند اپنی حاجت کے بیان کرنے سے بھی رہ جاتا تھا یہاں تک کہ ابن عوف نے عمر رضی اللہ عنہ سے بات کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں لوگوں کے ساتھ اتنی نرمی سے پیش آتا ہوں کہ مجھے اپنی نرمی کے بارے میں اللہ کا خوف پیدا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات میں اتنی سختی کرتا ہوں کہ مجھے اپنی سختی پر اللہ کا خوف طاری ہو جاتا ہے، تو میں کہاں جاوں، پھر اپنی چادر کھینچتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور اس وقت وہ رو رہے تھے۔[1]، کیونکہ سارے صحابہ پر آپ کا رعب و دبدبہ تھا اور سب آپ کی عزت کرتے تھے، لوگوں کے دلوں میں آپ کی ایسی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی کہ بسا اوقات اپنی حاجات کو بھی بیان نہیں کرسکتے تھے اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے رب سے بہت زیادہ ڈرتے تھے اور اپنے آپ کا محاسبہ کرتے تو اپنی سختی اور نرمی دونوں کے معاملے میں اللہ کا خوف طاری ہو جاتا اور پھر اللہ کے روبرو روتے تھے۔ عہد نبوی وعہد صدیقی میں آپ رضی اللہ عنہ کی شدت معروف تھی یہاں تک کہ لوگ آپ سے مجلس کرنے سے بھی ڈرتے تھے اور جس محفل میں آپ ہوتے تو آپ کے اٹھنے کا انتظار کرتے تھے، اسی وجہ سے جب آپ کے ہاتھ پر مسلمانوں نے بیعت کرلی تو آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور طویل خطبہ دیا، جس میں فرمایا: میں تمہارا والی بنا دیا گیا ہوں، جان لو! میری یہ شدت زیادہ ہو جائے گی لیکن یہ شدت مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کرنے والوں کے لیے ہے جبکہ امن وسلامتی والے دیندار لوگوں کے لیے میں نرمی اختیار کروں گا، اور میں ہر اس شخص کو نہیں چھوڑوں گا جو کسی پر ظلم وزیادتی کا مرتکب ہو یہاں تک کہ ظالم کے ایک رخسار کو زمین پر لگا کر دوسرے رخسار پر اپنا پاوں رکھوں گا۔[2]

مثال نمبر ۳۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب آپ کو ولایت دی گئی تو لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی سختی کا ذکر کیا جس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے میرے دل کو لوگوں پر رحم کرنے کے لیے اور رعایا کے دلوں میں میرا رعب بھر دیا۔[3] یہی وجہ ہے کہ آپ کی ہیبت وجلال آپ کے احتساب کا ایک وسیلہ ہے لوگ بدعت، فسق وفجور، ظلم وتعدی، بے اعتدالی کرنے سے ڈرتے تھے جیسا کہ ایک عورت نے اپنی بیٹی کو دودھ میں ملاوٹ کرنے کا کہا جس پر اسکی بیٹی نے کہا تھا کہ امیر المومنین نے اس کام سے منع کیا ہے۔[4] آپ کی ہیبت سے اتنی بڑی سلطنت میں امن وعافیت کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف کا بول بالا رہا۔

---

[1] الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، 1/375

[2] سمط النجوم، 2/469

[3] تاریخ الإسلام ووفیات المشاهیر والأعلام، 3/265

[4] تاریخ طبری، 5/328

عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت وجلال کو ظاہر کرنے والے کام:۔

ا۔ ہر وقت اپنے پاس درہ رکھنا:۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جہاں بھی جاتے جہاں بھی ہوتے ان کے پاس ایک درہ ہوتا تھا ،آپ کے درے کی شہرت کی وجہ سے یہ مقولہ مشہور ہوا ہے کہ عمر بن خطاب کا درہ حجاج کی تلوار سے زیادہ مہیب ہے[1] چنانچہ ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ان کے ازار پر چودہ پیوند لگے ہوئے تھے اور اس وقت آپ کے پاس نہ چادر تھی اور نہ ہی آپ پر قمیص تھی مگر اس حال میں بھی ہاتھ میں درہ لیے بازار کا چکر لگا رہے تھے۔[2] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت وہ بازار میں جاتے تو ان کے کندھے پر درہ ہوتا تھا، چنانچہ مسجد میں سو رہے ہوتے تو اس وقت بھی درہ ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔[3]

۲۔ احتساب کے لیے درے کا استعمال:۔

درہ تو آپ کے پاس ہر وقت ہوا کرتا تھا اس لیے اگر کسی جگہ درے سے کسی کی اصلاح کرنا یا ادب سکھانے کی ضرورت ہوتی تو وہاں درے کا استعمال کرتے مگر حسب ضرورت یعنی جس جگہ درے کی سخت ضرب کی ضرورت ہوتی وہاں سخت اور زیادہ مقدار میں درے مارے جاتے جیسے ابن مسعود کی مخالفت کرنے والے کو شدت والا درہ مارا[4] کیونکہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اس لیے ان کی تردید اگر عام آدمی کرے تو یہ بڑا جرم ہے۔

اگر جرم ہلکہ ہو تو وہاں تہدید کے لیے ہلکی ضرب سے مارتے تھے جیسے سلمہ بن اکوع[5] کو درہ مارا۔ اسی طرح ایک شخص کو آپ نے بازار میں دیکھا کہ دو دن سے مسلسل گوشت خرید رہا ہے تو اسے درہ مارا کیونکہ ہر روز گوشت کا استعمال صحت اور معاش کو خراب کرنے کا سبب بنتا ہے۔ جو لوگ عشا کے بعد جاگتے رہتے اور اخیر حصہ رات میں

---

1 الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، 1/314

2 طبقات ابن سعد، 3/330

3 تاریخ الخلفاء، 1/129

4 البدایۃ والنہایہ، 7/85

5 سلمہ بن اکوعؓ: سلمۃ بن عمرو بن سنان الاکوع، الاسلمی انصاری صحابی ہیں، صلح حدیبیہ کے موقع پر دو مرتبہ آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ہیں، حدیبیہ اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ اپنی بہادری، تیر اندازی اور تیز رفتاری میں مشہور تھے، عہد خلافت کی فتوحات میں بھی حصہ لیا۔ ۷۴ھ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 4/38)

سو جاتے ان کو بھی عمر رضی اللہ عنہ درے سے مارتے تھے، بعض جگہ صرف درہ بلند کرتے تھے مگر مارتے نہیں جیسے ابی بن کعبؓ پر درہ بلند کیا[1]۔

۳۔ قوت دلیل:۔

مثال نمبر ۱۔ عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت آپ کی قوت دلیل سے بھی ظاہر ہوتی تھی کیونکہ اللہ نے آپ کو یہ اعزاز عطا کیا تھا کہ آپ ہمیشہ مدلل بات کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی تربیت نے آپ کی اس خوبی کو مزید قوت عطا کر دی تھی چنانچہ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو جو اراضی کے قطعات عہد نبوی و صدیقی میں عطا ہوئے تھے وہ ان سے لے لیے اور ان کے سامنے یہ دلیل پیش کی کہ اس وقت تم مولفۃ القلوب تھے جبکہ اب اللہ نے اسلام اور مسلمانوں کو اور تمہیں عزت دی ہے لہذا اب یہ خصوصیت نہیں رہی بلکہ تم دونوں اللہ کے راستے میں نکلو اور جہاد کرو۔[2]

مثال نمبر ۲۔ جب عراق کی مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کا معاملہ پیش آیا تو آپ نے زمینوں کی تقسیم روک دی بلکہ ان زمینوں پر خراج مقرر کر دیا، بعض اصحاب نے آپ کے اس طریقہ کو ناپسند کیا جس پر آپ نے فرمایا: میں اس عین مال کو تقسیم نہیں کروں گا بلکہ اس میں رہنے والے لوگوں پر لاگو ٹیکس کا حساب کروں گا۔[3] کیونکہ اگر آپ اسی طرح تقسیم کر دیتے جیسے خیبر کی زمینیں رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تقسیم ہوئی تھیں تو آئندہ کے لیے بھی یہ طریقہ رائج رہتا اور یہ بڑے حرج کا باعث بنا رہتا دوسری بات یہ بھی تھی کہ اصل آبادی مسلمان ہو جائے اسلام کا عادلانہ نظام دیکھ کر، ان کو زمینوں پر ملکیت کا حق دیا جائے ورنہ اگر مسلمانوں میں تقسیم ہو جاتیں تو کسی وقت میں مسلمان ان کو اپنی زمینوں سے بے دخل کر سکتے تھے کیونکہ مالک صرف مسلمان ہوتے جبکہ اس صورت میں ان کے پاس مالکانہ حقوق تھے وہ مسلمانوں کے نظام زندگی کو دیکھ کر متاثر ہوئے اور اسلام لائے، اس طرح اسلام کی اشاعت آسان ہوئی۔

۴۔ منکرات کی تردید و خاتمہ میں قوت کا استعمال:۔

مثال نمبر ۱۔ اسلام ایسا دین ہے جس کی اپنی قوت و طاقت ہے اور اسلام کسی سے مرہوب نہیں ہوتا بلکہ اسلام لوگوں کو اپنی اتباع کی رغبت دلاتا ہے کیونکہ اسلام حجت و دلائل سے مزین ہے اور ایسے مناہج کا مجموعہ ہے جو فطرت انسانی سے متصادم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ دینی و ایمانی قوت کے ساتھ منکرات کی تردید و روک تھام کرتے

---

[1] تاریخ طبری، 5/220

[2] المنتظم في تاريخ الأمم والملوك، 14/228

[3] تاریخ الاسلام و مشاہیر الاسلام، 26/105

تھے یہاںتک کہ یہی دینی وایمانی قوت وحمیت آپ کی ہیبت وجلال کو ظاہر کرنے والی چیز بن چکی تھی اور مجرم وگناہگار آپ کی اس ہیبت سے خوف کھاتے تھے چنانچہ عہد رسالت میں ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہوااور بعد تکمیل نماز نوافل کے لیے اٹھ کھڑاہواتو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے کندھے سے پکڑ کر اسے بٹھادیا اور فرمایا: بیٹھ جاو اہل کتاب اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنی نمازوں کے درمیان وقفہ نہیں کرتے تھے تو آپ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اے ابن خطاب اللہ نے صائب بنایاہے۔[1]

مثال نمبر۲۔ ابن سیرین نے انس بن مالکؓ سے مکاتبت کرنا چاہی مگر انسؓ نے انکار کیا عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے انسؓ کو درہ مارااور فرمایا: کہ اس سے مکاتبت کرلو کیونکہ اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے۔

﴿فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْراً﴾[2]

توانسؓ نے مکاتبت کرلی۔[3]

مثال نمبر۳۔ موذن اذان دے رہاتھا کہ ایک آدمی دو رکعت نماز کے لیے کھڑاہوگیا جسے عمر رضی اللہ عنہ نے روکا اور کہا: جب موذن کھڑاہو جائے تواس وقت کوئی نماز نہیں سوائے اس نماز کے جس کے لیے اذان دی جارہی ہے۔

---

[1] سنن ابی داود، باب فی الرجل یتطوع فی مکانہ الذی صلی فیہ، 1/264، ح:1007

[2] سورۃ النور:24/33

[3] صحیح بخاری، باب المکاتبونجومہ کل سنۃ، 3/151، ح:2559

شرعی عقوبات کا نفاذ

عقوبۃ وہ سزائیں ہیں جو کسی انسان کو اس نافرمانی یا عدم ادائیگی فرائض پر دی جاتی ہیں اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اجتماعی نظام برقرار رہے اور نظام کو خراب ہونے سے بچایا جائے معاشرہ کو پرامن بنایا جائے لوگوں کی زندگی عصمت، اموال واحوال کی حفاظت کی جائے کیونکہ انسانی طبائع مختلف ہیں اور اس وجہ سے جب بھی انسانی طبائع کا ٹکراو ہوتا ہے تو اس سے ظلم وتعدی بڑھ جاتا ہے جس کی روک تھام کے لیے شریعت نے تین قسم کی عقوبات مقرر کی ہیں جن کو عہد رسالت سے نافذ کیا جاتا رہا ہے اور یہاں عمر رضی اللہ عنہ کے احتسابی کارنامے میں عقوبات پر عمل درآمد ایک وسیلہ ہے جسے ذیل میں حدود و قصاص اور تعزیرات کے عناوین سے ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔حدود کا نفاذ:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبید اللہ کو شراب پینے پر حد جاری کی۔[1] ایک چرواہے کی بیوی پر حد زنا نافذ کی کیونکہ اس کے شوہر نے اس کے ساتھ ایک اور آدمی کو دیکھا تھا۔ ہر شرابی پر حد شراب نافذ کی جیسے ایک شیخ نے رمضان میں بحالت روزہ شراب پی جس پر حد جاری ہوئی۔ اسی طرح ہر اس شخص پر حد قذف نافذ کی جس نے کسی محصنہ پر تہمت لگائی یا جس نے فحاشی کا کام کیا جیسے ایک آدمی نے ایک لونڈی پر تہمت لگائی تھی یا ایسے بیٹے پر جس نے اپنے والدین پر فحاشی کا الزام لگایا۔ چوری کرنے والوں پر حد سرقہ نافذ کی اور چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے تھے جب سارق و مسروق کی شرائط پائی جائیں چنانچہ آپ نے سارق پر اتنی سختی کی کہ ان کے ہاتھ اور پاوں کاٹے۔ اپنے ولاۃ پر حد نافذ کی چنانچہ بحرین کی والی قدامہ بن مظعون پر شراب پینے پر حد جاری کی۔[2]

۲۔قصاص کا نفاذ:۔

سب سے پہلے تو عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات پر قصاص کا اجرا کرتے ہوئے جنین کی دیت ادا کی کیونکہ آپ کی وجہ سے ایک عورت کا حمل ساقط ہوگیا تھا اور پھر اس کی موت واقع ہوئی تھی جس پر علیؓ نے اشارہ کیا تو آپ نے دیت ادا کی۔ اسی طرح ایک آدمی نے اپنی لونڈی کی شرمگاہ کو جلادیا تھا جس پر آپ نے قصاص کے طور پر سو کوڑے سزا دی۔ اسی طرح اہل صنعا سے ایک عورت نے اپنے دوست سے مل کر اپنے شوہر کے بچے کو قتل کیا جس پر اس عورت اور اس کے دوست اور ان کے ساتھ قتل میں شریک سب لوگوں کو قتل کیا اور فرمایا: اگر تمام صنعا اس بچے کے قتل میں شریک ہوتا تو سارے صنعا کو قتل کر دیتا۔ اپنے عمال پر قصاص کو نافذ کیا جیسے عمرو بن العاص امیر مصر

---

[1] الطبراني، سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم (المتوفى:360ه) مسند الشاميين، المحقق: حمدي بن عبد المجيد السلفي- الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت- الطبعة: الأولى، 1405-1984، 4/159، ح:2998

[2] تاريخ المدينة لابن شبة، 3/842

کے بیٹے سے قصاص کے لیے پیش کیا اور عمروؓ سے فرمایا: ان کی ماوں نے انہیں آزاد جنا ہے تم نے کب سے انہیں اپنا غلام بنالیا ہے۔

۳۔ تعزیرات کا نفاذ:۔

بطور تہدید جیسے ایک شخص نے اپنی بیٹی کے عیوب بیان کیے تو اس سے کہا کہ جس چیز کو اللہ نے پردہ میں رکھا تو اسے ظاہر کر رہا ہے، اگر تو نے اس کے بارے میں لوگوں سے باتیں کیں تو تجھے جلاوطن کر دوں گا۔[1] اسی طرح عبد اللہ بن امیہ مخزومی[2] کو خفیہ نکاح پر کہا کہ اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتا تو تجھے رجم کر دیتا۔[3] بطور تادیب وزجر جیسے ایک عورت نے اپنے شوہر کی شکایت کی جس پر شوہر کو سامنے بلا کر پوچھا گیا تو عورت نے سامنے انکار کیا تو آپ نے بطور زجر کہا اے اپنی جان کی دشمن تو نے اس کا مال کھایا اور اس کی جوانی کو برباد کیا پھر اس کے بارے ایسی بات کی خبر دیتی ہے جو اس میں نہیں۔[4] منہ پر دوسرے کی تعریف کرنے والے کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا: عقر الرجل عقرک اللہ، کیا تو اس کے منہ پر اس کے دین کی تعریف کرتا ہے۔[5] کوڑوں سے سزا جیسے ابو موسیٰ اشعری نے کتابت میں غلطی کی تو ابو موسیٰ کو حکم دیا کہ اسے ایک کوڑا مارے۔ عبید اللہ بن عمر[6] نے گھی کا کھانے میں استعمال کیا تو ان کو عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑا مارا کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اور اہل وعیال کے لیے گھی کے استعمال سے منع کیا تھا۔[7] رمضان کا روزہ

---

[1] مسند الفاروق، باب النکاح، 1/ 393

[2] عبد اللہ بن امیہ مخزومی: عبد اللہ بن عبد اللہ بن أبي أمیة المخزومي، ام سلمہؓ کے بھتیجے تھے اور ان کے صحابی ہونے میں اشکال ہے کیونکہ امام طبری نے نقل کیا ہے کہ یہ اپنے والد کے ساتھ اسلام لائے اور اس وقت چھوٹے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد زندگی گزاری۔ ابن عبد البر کہتے ہیں ان کی صحابیت کا قول درست نہیں یہ اس وقت چھوٹے تھے البتہ ابن شاہین نے نقل کیا ہے کہ وفات نبوی ﷺ کے وقت ان کی عمر ۸ سال تھی اور انہوں نے نبی علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ بہر حال تابعی ہیں (اسد الغابہ، 3/298)

[3] موطا امام مالک، جامع مالا یجوز من النکاح، 3/ 767، ح:1960

[4] مسند أبي داود، باب الافراد عن عمر، 1/ 36، ح:32

[5] أبو بکر بن أبي شیبة، عبد اللہ بن محمد بن إبراهیم بن عثمان بن خواستي العبسي (المتوفی: 235ھ)، الأدب لابن أبي شیبة، المحقق: د. محمد رضا القهوجي، دار البشائر الإسلامیة- لبنان، 1420ھ-1999م، باب الرجل یمدح الرجل، 1/ 143، ح:32

[6] عبید اللہ بن عمر: عبید اللہ بن عمر بن الخطاب العدوي القرشي صحابی ہیں۔ اپنے والد سے بعد اسلام لائے۔ افریقہ کی فتح میں ابن ابی سرح کے ساتھ شریک ہوئے۔ خلافت عثانی کے بعد شام چلے گئے تھے اور امیر معاویہؓ کی طرف سے جنگ صفین ۳۷ھ میں قتل ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 5/ 8)

[7] مصنف عبد الرزاق، 11/ 87، ح:19998

توڑنے والے کو بیس کوڑے، اپنی عدت کے دوران نکاح کرنے والی عورت کو کوڑے مارے، اسی طرح شوہر کو اپنی بیوی کو کوڑا مارنے کا حکم دیا کیونکہ اس نے اپنی لونڈی کو دودھ پلا دیا تھا تاکہ وہ شوہر پر حرام ہو جائے۔ قید کی سزا جیسے زبرقان [1] کو غلطی پر قید کر دیا تھا، شکل مسخ کرنے کی سزا جیسے شامی عمال کی طرف لکھا کہ جھوٹی گواہی دینے والے کو چالیس کوڑے، اس کے چہرے کو داغ اور اس کا سر مونڈ دے [2]، تشہیر کی سزا جیسے جھوٹی گواہی دینے پر صبیغ کی تشہیر کی گئی اور کہا کہ لوگوں میں اسے سوار کر کے پھرا اور اعلان کرو کہ اس کے علم نے اسے باغی کیا تو اس نے غلطی کی۔ سخت سزا جیسے رمضان میں روزہ توڑنے والے کو حد شراب کے ساتھ شام کی طرف جلاوطن کیا، نصر بن حجاج کو شرب خمر کی حد کے ساتھ ساتھ بصرہ جلاطن کیا گیا۔ بائیکاٹ جیسے صبیغ بن عسل سے بدعت کے ظاہر ہونے پر ان سے بائیکاٹ کیا اور اہل بصرہ کو لکھا کہ اس کے ساتھ نہ بیٹھنا۔ اموال دولت کے چھیننے جیسے مدینہ کے آس پاس لکڑیاں چننے والوں سے رسی وغیرہ لے لی جاتی تھی۔

---

[1] زبرقان ؓ: الزبرقان بن بدر التمیمي السعدي صحابی ہیں۔ بہترین شاعر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو صدقات پر عامل بھی بنایا تھا، آخری عمر میں نابینے ہو گئے تھے۔ ۴۵ھ اندلس مین فوت ہوئے۔ (الاصابہ، 1/ 543)

[2] مصنف عبد الرزاق، باب عقوبۃ شاہد الزور، 8/ 326، ح:15392

اپنے ہاتھ سے برائی کو روکنا

شریعت کا بنیادی قاعدہ ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا جائے اور جہاں بھی منکرات پائی جائیں یا کوئی مسلمان ومومن برائی دیکھے تو فرمان نبوی ﷺ کے مطابق اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہاتھ سے برائی کو مٹانے کی کوشش کرے لیکن اگر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے برائی کو روکے اور اگر ایسا کرنے پر بھی قادر نہیں تو کم از کم دل سے اس برائی کو برا سمجھے یہ برائی کو روکنے کے تین درجے ہیں اور یہ احتساب کے بھی تین درجے ہیں یعنی برائی کو ہاتھ سے مٹانا یہ اسی طور پر ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب ہیبت عادل حاکم وامیر یا ایسا انسان جس کو برائی مٹانے کی طاقت ہو تو وہ برائی کے آلات، جیسے میوزک کے آلات، شراب کی صراحیاں یا جن چیزوں سے شراب تیار کی جاتی ہے، یا بری چیز کو ہاتھ سے ہی توڑ دے برائی کرنے والے کو بر موقع محل ہی سزا دے جس سے وہ برائی مٹ جائے، دوسرے درجہ میں صاحب طاقت وہیبت وطاقت سے کم درجہ کے لوگ شامل ہیں جو برائی کو زبان سے مٹانے کی طاقت رکھتے ہوں جیسے علما، خطبا، اساتذہ وغیرہ کہ یہ اپنی زبان سے برائی کی قباحت کو واضح کرتے ہیں اور تیسرے درجہ میں عام عوام شامل ہے جو کم از کم دل سے تو برائی کو مٹا سکتے ہیں برائی کو برا جان کر۔ ان تین درجات میں سے پہلے دو درجات کا رسول اللہ ﷺ کے خلفائے مہدیین کی زندگی میں کافی ظہور ہوا بلکہ انہوں نے اپنے اپنے زمانے میں برائی کو مٹانے کی ہر کوشش کی اور ان میں سے بھی عمر بن الخطاب کو امتیازی حیثیت حاصل ہے کیونکہ اپنا، اپنے عمال اور اپنی رعایا کا احتساب کرنے میں کافی شہرت رکھتے تھے اور بعہد رسالت ﷺ بھی آپ کو یہ شرف حاصل تھا کہ آپ کے خوف سے برے لوگ، منافق وکافر کانپتے تھے اسی لیے آپ ﷺ نے آپ کو یہ اعزاز بھی عطا کیا کہ عمر جس راستے سے جاتا ہے شیطان اس طرف سے اپنا راستہ تبدیل کر لیتا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے منکرات کے روک تھام میں جو اہم خدمات انجام دیں اس میں آپ کا بذات خود یا آپ کے حکم سے منکرات کو ختم کرنا جو کہ احتساب کا اعلیٰ درجہ ہے وہ شامل ہے لہذا اس بحث میں ان کے اس وسیلہ (منکرات کو ہاتھ سے روکنا) کی امثلہ ذکر کی جائیں گی۔

بذات خود عمر رضی اللہ عنہ کا منکرات کو اپنے ہاتھ سے روکنے کی سعی کرنا:۔

مثال نمبر ا: عمر رضی اللہ عنہ منکرات کی روک تھام کے لیے بذات خود کوشش کیا کرتے تھے چنانچہ وہ ہاتھ میں درہ لے کر بازاروں میں جاتے اور اگر ایک ہی کھانے پر تجار کو مجتمع پاتے تو تجار کو درے مارتے یہاں تک کہ جب گلیوں میں داخل ہوتے تو فرماتے: مسافروں کو اپنی حاجات کے لیے ہمارے پاس آنے سے نہ روکنا۔[1]

[1] طبقات ابن سعد، 5/44

مثال نمبر۲: ایک جوان کے بارے معلوم ہوا کہ وہ دودھ میں پانی ملاتا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ خود گئے اور اس کا ملاوٹی دودھ بہا دیا۔

مثال نمبر۳: عبد الرحمان بن عوفؓ کے ساتھ ان کے بیٹے کو دیکھا جس نے ریشم پہنا ہوا تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی ریشمی قمیص کو چاک کر دیا اور فرمایا: اے عبد الرحمان! رسول اللہ ﷺ نے صرف تیرے لیے ریشم کو حلال قرار دیا تھا وہ بھی اس لیے کہ تو نے موٹے لباس میں جوؤں کی شکایت کی تھی۔

مثال نمبر۴: بازار میں عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک دوکان راستے میں آگے نکلی ہوئی ہے تو آپ نے اس دکان کو توڑ دیا[1]۔

عمر رضی اللہ عنہ کا منکرات کی ہاتھ سے روک تھام کے لیے حکم دینا:۔

اس معاملے میں پہلا اقدام یہ کیا کہ محتسب مقرر کیے، مظالم سوق پر والی مقرر کیے چنانچہ عبد اللہ بن مسعود ہذلی اور سائب بن یزید[2] کو بازاروں پر والی مقرر کیا،[3] یا سلیمان بن خیثمہ اور ابن مسعود کو مدینہ کے بازاروں پر والی مقرر کیا،[4] اسی طرح ایک روایت کے مطابق شفا بنت عبد اللہ عدویہ کو بھی مدینہ کے بازاروں کی نگرانی پر مامور کیا گیا،[5] دوسرا اقدام یہ کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انفرادی واجتماعی طور پر لوگوں کو منکرات کو اپنے ہاتھ سے روکنے کا حکم دیا۔

مثال نمبر۱۔ ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سامعین سے پوچھا اگر میرا سر دنیا کی طرف جھک جائے تو آپ لوگ کیا کریں گے تو ایک شخص نے تلوار دکھا کر کہا کہ اس سے سیدھا کریں گے تو عمر رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ یہی زور سے کہا تو وہ شخص بھی تین مرتبہ ایسے ہی جواب دیتا رہا جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میری رعایا کو ایسا بنایا کہ اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دے۔[6]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، 4/488، ح:22400

[2] سائب بن یزید: السائب بن یزید بن سعید بن ثمامۃ بن الاسود الکندی، صحابی ہیں۔ ہجرت کے پہلے سال پیدا ہوئے، اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے حضرت عمرؓ کے دور میں مدینہ کے بازار کے نگران تھے۔۹۱ھ فوت ہوئے۔ (الاستیعاب، 2/576)

[3] علي بن محمد بن أحمد بن موسى ابن مسعود، أبو الحسن ابن ذي الوزارتين، الخزاعي (المتوفى: 789ھ)، تخريج الدلالات، المحقق: إحسان عباس، دار الغرب الإسلامي- بيروت، 1419ھ، 1/523

[4] أسد الغابة، 2/547

[5] الاستیعاب، 4/1869

[6] الرياض النضرة في مناقب العشرة، 2/381

مثال نمبر۲۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مجلس میں بیٹھے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ خالد بن ولید کی قمیص پھاڑ دے کیونکہ انہوں نے ریشم کی قمیص پہنی ہوئی تھی، تو ان کی ریشمی قمیص پھاڑ دی یہاں تک کہ اس میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔[1]

مثال نمبر۳۔ عمر رضی اللہ عنہ نے بیت رضوان والے درخت کو کاٹنے کا حکم دیا کیونکہ لوگ اس کے پاس نماز پڑھنے لگے تھے، اور اس سے آئندہ لوگوں میں بدعقیدگی کا خدشہ تھا۔

مثال نمبر۴۔ عمرو بن العاص کو خارجہ بن حذافہ[2] کا بالاخانہ منہدم کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس سے لوگوں کے گھروں میں جھانکا جاسکتا تھا۔

پس معلوم ہوا کہ محتسب کو چاہیے کہ وہ احتساب کرنے کے لیے مختلف وسائل کو بروئے کار لائے تاکہ احتسابی عمل بخوبی انجام پائے اور مخطی یا محتسب علیہ بآسانی اسے قبول کرلے۔ ایک اچھا باصلاحیت محتسب اپنی شخصیت کو ایسے سنوارتا ہے اور ایسا انداز اپناتا ہے کہ اس کو دیکھتے ہی برائی دور ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ گزشتہ فصل میں وہ طرق واسالیب بیان کیے گے لیکن ان تک پہنچنے یا ان کو صحیح طور پر استعمال میں لانے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں وعظ وتقریر کا ملکہ ہو، اپنے ماتحتوں پر بااختیار ہو اور ان کے احوال سے بخوبی واقف ہو، ذاتی طور پر بارعب وپر جلال ہو، شرعی سزائیں اور منکرات کے خاتمے کے لیے مناسب اقدامات کرسکتا ہو اور بذات خود بھی منکرات کو روکنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اس فصل میں وہ وسائل بیان کیے گے ہیں جو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے احتسابی عمل کے دوران استعمال کیے جیسے وعظ وتقریر، نیک وصالح، متقی باصلاحیت ولاۃ کا تقرر، ذاتی رعب داب، شرعی سزاوں کا نفاذ اور منکرات کو اپنے ہاتھ سے روکنا، جس سے یہ واضح ہوا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نہ صرف عادل خلیفہ تھے بلکہ پوری ریاستی نظام کو، نجی زندگی کو ہمہ تن اسلام کے لیے وقف کیا ہوا تھا اور آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح کے لیے کس قدر کوششیں کیں۔

---

[1] البدایۃ والنہایہ، 7/131

[2] خارجہ بن حذافہ: خارجۃ بن حذافۃ بن غانم بن عامر بن عبد اللہ القرشی العدوی صحابی ہیں۔ بہادری میں مشہور تھے یہاں تک کہ ان کو ایک ہزار سپاہیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ مصر کی فتح کے لیے عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو عمروؓ کا کمکی بنا کر بھیجا تھا اور عمروؓ نے ان کو مصر کی پولیس کا افسر اعلیٰ مقرر کیا۔ ۴۰ھ عمروؓ کی جگہ مصلی پر شہید ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 4/142۔ الاستیعاب، 2/418)

فصل سوم

عہد فاروقی میں نظام حسبہ کے معاشرتی اثرات

عہد فاروقی میں نظام حسبہ کے معاشرتی اثرات

اللہ تعالیٰ نے ہم پر رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ذریعہ احسان عظیم کیا جس کی بدولت ہم جہالت وظلم کی تاریکی سے اسلام کے عدل وروشنی کی طرف آئے ،اشجار واحجار اور اصنام کی عبادت کے بجائے اپنے خالق حقیقی کی عبادت سے مستفید ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا احسان رسول اللہ ﷺ کی روشن جماعت ہے جو رسول اللہ ﷺ کی تربیت یافتہ تھی خصوصاً خلفائے راشدین المہدیین جن کی مساعی جمیلہ اور اسلام کے لیے دی گئی قربانیوں کی وجہ سے اسلام چاردانگ عالم میں پھیلا،ایک مضبوط اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑی جس میں خدا کے قانون کی بالادستی کے ساتھ امن وعافیت وسلامتی اور عدل وانصاف کا بول بالا ہوا۔ خلفائے راشدین میں اسلام کی نشرواشاعت کے معالمے خلیفہ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خصوصیت حاصل ہے۔ آپ کے زمانے میں مضبوط اسلامی سلطنت قائم تھی اور ملک کے اندرونی وبیرونی معاملات کے بارے میں کافی اصلاحات کی گئیں ،کئی ادارے اور محکمے قائم کیے گئے لوگوں کی اصلاح کے لیے کئی صیغہ جات قائم ہوئے ان ہی میں سے احتساب بھی ہے۔ آپ کے نظام حسبہ سے اسلام اور امت مسلمہ پر مثبت آثار نمودار ہوئے ہیں جسے دو ابحاث میں ذکر کیا جائے گا،اسلام پر اثرات ، مسلمانوں پر اثرات۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احتساب کے اسلام پر اثرات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احتساب سے اسلام پر جو اثرات نمودار ہوئے ہیں انہیں ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

فتوحات اسلام اور اسلام کی ترویج واشاعت:۔

عہد نبوی میں اسلامی ریاست جزیرہ العرب میں محدود تھی اور عہد صدیقی میں فتوحات کا دروازہ کھلا ایران وشام کی فتوحات ان کے آخری دور میں شروع ہوئیں جبکہ ان کے ابتدائی دور میں فتنوں کے انسداد اور اسلامی سلطنت کی اساسوں کی مضبوطی پر وقت صرف ہوا۔ عہد فاروقی کی ابتدا سے ہی وہ فتوحات جاری تھیں جن کی بنیاد عہد صدیقی میں پڑ چکی تھی یہاںتک کہ آپ کے ہاتھ پر سارا ایران اور روم کا مشرقی حصہ فتح ہوا اور جو علاقہ بھی فتح ہوتا وہاں اسلام کا عادلانہ نظام لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا کر اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنتا تھا اس لیے یہاں آپ رضی اللہ عنہ کی فتوحات کا اور آپ کے جہادی کارناموں کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ فارس کی فتوحات:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل شرک وکفر کا احتساب کرتے ہوئے اہل فارس پر ابو عبید بن مسعود ثقفیؓ[1] کی قیادت میں لشکر روانہ کیا اور وقتاً فوقتاً مزید لشکر اور امدادی سامان سے مدد کی جس کی بدولت جسر ۱۳ھ میں، قادسیہ اور مدائن ۱۴ھ میں نہاوند ۲۱ھ میں معرکے لڑے گئے اور ان سب میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی یہاںتک کہ ۹ سالوں میں سارا ایران مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔[2]

۲۔ شامی فتوحات:۔

صدیق اکبرؓ کے عہد میں جنگ یرموک شروع ہوئی اور عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسلمانوں نے فتح حاصل کی پھر دمشق فتح ہوا کیونکہ یہ شام کا قلعہ اور رومی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ اسی طرح ۱۵ھ میں قنسرین ،حمص، اور ۱۶ ھ میں بیت المقدس ابوعبیدہ بن الجراح کے ہاتھ پر فتح ہوئے یہاںتک کہ شام کے سارے رومی مقبوضات مسلمانوں نے فتح کر لیے۔[3]

---

[1] ابو عبید بن مسعود ثقفی: ابو عبید بن مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی، رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اسلام قبول کیا، حضرت عمر نے فتوحات فارس میں انکو فوجی قیادت دی تھی، اور جابان ایرانی کے مقابلے میں معرکہ جسر ۱۳ھ شہید ہوئے۔ (الاستیعاب، 4/1709)

[2] تاریخ طبری، 4/240

[3] الکامل لابن اثیر، 3/11

۳۔ فتوحات جزیرہ:۔

شام سے فارغ ہونے کے بعد مسلمان جزیرہ کی طرف بڑھے اور سارا جزیرہ جنگ و مصالحت سے ۲۰ھ تک فتح کر لیا۔[1]

۴۔ فتوحات مصر و اسکندریہ:۔

شام و جزیرہ سے فارغ ہونے کے بعد مسلمان مصر کی طرف متوجہ ہوئے اور عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں ۲۰ھ مصر فتح کر لیا پھر مصر کے دوسرے شہر و مضافاتی علاقے جیسے بلبیس، حصن بابلیون اور اسکندریہ ۲۱ھ تک فتح ہوئے۔

۵۔ فتح برقہ و طرابلس:۔

مصر کی فتح سے مسلمان فارغ ہوئے تو برقہ اور طرابلس کو فتح کر لیا اسی طرح تمام فتوحات کے قریبی علاقے مسلمانوں کی تحویل میں آ گئے یہاں تک کہ رومی سلطنت کے مشرقی و ایشیائی تمام علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔

ان تمام فتوحات کا اصل مقصد تو عمر فاروقؓ کا ملک گیری نہ تھا بلکہ اعلاء کلمۃ الحق اور اسلام کی اشاعت تھا کیونکہ مسلمانوں نے جس علاقے کو بھی فتح کیا اس میں اسلامی اصلاحات نافذ کیں مظلوم کی دادرسی کی ظالم سے مظلوم کا حق دلوایا، کمزور طبقات کو اہمیت دی یہاں تک کہ مفتوحہ علاقوں کی آبادیاں، اقوام اسلام کے محاسن اور مسلمانوں کے حسن معاشرت سے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئیں۔

مسلمان جس علاقے کو بھی فتح کرتے اس کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام کو نافذ کرتے جاتے تھے، عدل کے قیام کے لیے باقاعدہ قضاۃ مقرر کیے جاتے، جرائم کی روک تھام کے لیے پولیس کا محکمہ جیسے حجاز میں موجود تھا ایسے ہی مفتوحہ علاقے کے انتظام کے لیے بھی پولیس مقرر کی گئی جو لوگوں کی نگرانی کرتی تھی اور ظلم و تعدی کے خاتمے کے لیے ابتدائی کوششیں کرتی تھی۔ اسی طرح داعیان اسلام لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے اور جو مسلمان ہو جاتے انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کیا جاتا۔ باقاعدہ علم کی مجالس ہوتیں جس میں کتاب اللہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ کی تربیت دی جاتی تھی۔

مفتوحہ علاقوں میں جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان کو جہاد مع الکفار کی دعوت دی جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ لوگ نہ صرف اپنی حفاظت کی قابل ہوئے بلکہ اسلام کے محافظ بن کر ابھرے جس سے آئندہ کے لیے فوج

---

[1] تاریخ طبری، 4/225

تیار کرنا بھی آسان ہو گیا۔ نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام کیا گیا یہاں تک کہ بارہ ہزار منبر نصب کیے گئے جن سے اسلام کی دعوت دی جاتی تھی۔[1]

جو لوگ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا گیا ہر مذہب کے ماننے والے اپنے مذہب کے مطابق اپنی زندگی گزار سکتے تھے البتہ اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہ تھی حالانکہ اسلام کے زیر نگیں آنے سے پہلے ہر علاقے کی آبادی مذہبی، معاشرتی، سیاسی ناانصافیوں اور ظلم و تعدی کا شکار تھی مسلمانوں کے رواداری کے سلوک سے لوگوں نے اچھا تاثر لیا، ملک کے پر امن شہری کے حیثیت سے زندگی گزارنے والے بنے۔

جزیرۃ العرب کو اسلام کے لیے خاص کرنا:۔

عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حسبہ ہی کی بدولت جزیرہ عرب سے اسلام کے علاوہ باقی تمام مذاہب اور ان کے آثار کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا گیا یعنی یہود کو خیبر سے شام کی طرف اور نصاریٰ نجران کو کوفہ کی طرف جلاوطن کر دیا گیا[2] اور اس طرح جزیرہ عرب کفر سے پاک ہو گیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت تھی کہ جزیرہ عرب میں دو ادیان نہ چھوڑے جائیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے کفار کا احتساب کرتے ہوئے ان دونوں مذاہب کو جزیرہ سے نکال دیا اور جزیرہ کو اسلام کا خالص قلعہ بنا دیا تاکہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کے علاوہ کوئی نہ رہ سکے۔

بدعات اور خلاف شرع کاموں سے دین اسلام کی حفاظت:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ احتساب سے ہر بدعت و مخالف شرع کام کی روک تھام ہوئی کسی بھی مخالف شرع کام اور ایسے مجرم کو زجر و توبیخ کے ذریعے روکا گیا اسی طرح دین اسلام کے کسی معاملہ یا حکم میں کمی کا بھی محاسبہ کیا گیا۔ یہاں تک کہ اسلام اپنی اصل حالت پر جیسا کہ عہد نبوی ﷺ میں تھا اسی طرح صاف و شفاف بر قرار رہا۔

قرآن مجید کو مصاحف میں جمع کرنا:۔

یہ اسلام کی سب سے بڑی خدمت اور سب سے بڑی نیکی ہے چنانچہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کی ایک آیت کے بارے پوچھا تو کہا گیا کہ وہ آیت اس صحابی کے پاس لکھی ہوئی تھی جو یمامہ میں شہید ہوئے تو آپ نے

---

[1] جمال الدین، یوسف بن تغري بردي بن عبد الله الظاهري الحنفي، أبو المحاسن (المتوفى: 874ھ)، مورد اللطافة فيمن ولي السلطنة والخلافة، المحقق: نبيل محمد عبد العزيز أحمد، دار الكتب المصرية–القاهرة، 1/51

[2] طبقات ابن سعد، 3/283

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ [1] پڑھا اور قرآن جمع کرنے کی سعی کی۔ ابو بکر الصدیقؓ کو قرآن جمع کرنے پر راضی کیا قرآن کے مصاحف تیار ہوئے پھر آپ کے دور میں ان مصاحف کی نقول تیار کی گئیں جو مختلف امصار اسلامی میں رائج رہیں اس طرح قرآن کی حفاظت کر دی گئی۔ [2]

---

[1] سورۃ البقرہ:2/156

[2] محض الصواب، 2/539

عمر بن خطابؓ کے احتساب کے مسلمانوں پر اثرات

خلافت ایسا ریاستی نظام ہے جس میں لوگوں کے احوال کی درستگی کی کوشش کی جاتی ہے اور اسی میں لوگوں کے دین کی بھی حفاظت ہے اور اصحاب نبی ﷺ کو بھی اس کا ادراک تھا اس لیے اس نظام کی اندرونی وبیرونی ہر طور پر حفاظت کی کوشش کرتے تھے اسلامی خلافت کی اصلاح، اسلامی نظام مملکت کے استحکام میں عمر رضی اللہ عنہ کے نظام احتساب کا بڑا کردار اور امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان ہے آپ رضی اللہ عنہ کے احتساب کے جو اثرات مسلمانوں پر ظاہر ہوئے انکی وضاحت کچھ اس طرح سے ہے۔

مسلمانوں کے درمیان تعلیم وتفقہ کی اشاعت:۔

عمر فاروقؓ اپنے عمال کو جو ذمہ داریاں سونپتے تھے ان میں سے ایک اہم ذمہ داری کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے جیسا کہ جب کسی خطاکار وغلط کار کا احتساب کیا جاتا تھا تو اس کے ساتھ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے مطابق اصلاح کی جاتی تھی جس سے اسلام کے ان دو بنیادی مصادر کی اشاعت ہوتی تھی۔اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ بذات خود لوگوں کی تعلیم کے لیے کوشاں رہتے تھے جو غلطی کرتا اس کا احتساب کرتے اور اس کے ساتھ شریعت کے مطابق اصلاح فرماتے چنانچہ ایک آدمی کی قول میں غلطی پر فرمایا: زبان کی خطا تیر پھینکنے کی خطا سے بڑی خطا ہے۔[1] اسی طرح ابو موسی اشعریؓ کے کاتب نے لکھنے میں غلطی کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ کو حکم دیا کہ اسے کوڑا مارے کیونکہ یہ کتابت کی غلطی ہے جو لغت میں غلطی پیدا کرے گی جس کا اسلامی سلطنت پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔[2] اسی طرح شعائر اللہ کی حفاظت کے لیے جو آپ رضی اللہ عنہ کے احتسابی کارنامے ہیں جیسے اگر کسی نے نماز میں تاخیر کی یا زکاۃ، حج وجہاد جیسے اہم دینی امور میں کوتاہی کرنے والوں کا احتساب کیا اس کے ساتھ ساتھ دین کی نبوی تربیت کے مطابق تشریح کرتے تھے جس سے تعلیم دین کی اشاعت ہوئی۔اسی طرح رمضان المبارک میں قیام اور اس پر لوگوں کو جمع کرنا بھی عمر رضی اللہ عنہ کا ہی کارنامہ ہے جس کے لیے آپ نے قاری مقرر کیے تھے جو لوگوں کو قیام اللیل کی جماعت کرواتے تھے[3] اور اس طرح قرآن مجید کی اشاعت ہوئی۔

---

[1] طبقات ابن سعد، 215/3

[2] وفیات الأعیان وأبناء الزمان، 357/6

[3] تاریخ طبری، 209/4۔ محض الصواب، 318/1

مسلمان فقرا و غربا کی معاش کا انتظام و ضمانت:۔

عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو فقرا و مساکین کو دینے، ان پر خرچ کرنے اور ان کے ساتھ لطف و مہربانی کرنے کا حکم دیتے تھے چنانچہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مجلس میں فرمایا: میں اس وقت تک نہیں اٹھوں گا جب تک ایک ایک مسلمان مرد کی کفالت کے لیے دو مد گندم کا انتظام نہیں ہو جاتا اسی طرح سرکہ اور زیتون سے بھی حصہ مقرر کیا[1]، جبکہ دوسری روایت کے مطابق ایک آدمی نے کہا: ایک ایک غلام بھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں غلام بھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے زکاۃ کی ادائیگی کی ترغیب دی اور زکاۃ کے نظام کو اتنا سہل کیا کہ فقرا مستغنی ہو جاتے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم زکاۃ دو تو فقرا غنی ہو جائیں گے۔[2] علاوہ ازیں آپ نے قبائل کے افراد کے الگ الگ رجسٹر تیار کیے اور خود گشت کرتے اور جہاں کوئی ضرورت مند ہوتا اسے رزق پہنچاتے تھے جیسا کہ لقیط کا حصہ مقرر کیا اور لقیط کے لیے وصیت بھی کی۔[3]

مسلمانوں کی معاشی حالت کی بہتری:۔

آپ کا احتسابی کارنامہ ہے کہ آپ خود بھی اور آپ کے عمال و نمائندے گلیوں، شہروں دیہاتوں میں گشت کرتے تھے اور حاجت مندوں کو تلاش کر کے ان کو صدقات و زکاۃ دیتے تھے یہاں تک کہ ایسا وقت بھی آیا کہ کوئی زکاۃ لینے والا نہ رہا چنانچہ معاذ بن جبلؓ[4] کو آپ رضی اللہ عنہ نے صدقات دینے بھیجا تو وہ واپس آئے اور کہا کہ میں نے ایسا کوئی نہیں پایا جو صدقہ سے کوئی چیز لے۔[5] ایک روایت کے مطابق اموال کی کثرت کی وجہ سے آپ نے ان ہی لوگوں کے لیے صدقات کی تقسیم کا حکم دیا جن سے صدقات وصول کیے تھے۔[6] آپ کے صدقات کی وصولی پر مامور عمال کہتے تھے کہ ہم صدقات لینے گئے تو ہم نہیں لوٹے مگر اپنے سیاط کے ساتھ۔[7] اس سے معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے عہد زریں میں مسلمان بہت خوشحال تھے اور اس خوشحالی کا اصل سبب زکاۃ و صدقات کی وصولی اور

---

[1] کتاب الاموال لابی عبید، 1/107

[2] طبقات ابن سعد، 3/298

[3] البدایۃ والنہایہ، 7/48

[4] معاذ بن جبلؓ: معاذ بن جبل بن عمرو بن آوس بن عائذ بن عدي بن کعب الانصاری الخزرجی عظیم صحابی، علم الفرائض کے ماہر اور فقیہ صحابہ میں سے ہیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے تمام غزوات میں حصہ لیا، رسول اللہ ﷺ نے یمن قاضی بنا کر بھیجا، عہد صدیقی میں فتوحات میں حصہ لیا اور طاعون عمواس ۱۸ھ شام میں فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، 3/437)

[5] کتاب الاموال لابی عبید، 1/238

[6] تاریخ طبری، 5/80

[7] الکامل لابن اثیر، 2/482

اس کی صحیح تقسیم کا نظام تھا جس کی وجہ سے لوگوں کے پاس نہ صرف دولت تھی بلکہ لوگوں میں فقرا و مساکین پر خرچ کرنے کا جذبہ بیدار تھا۔

مسلمانوں میں اللہ کا خوف اور منکرات کے ارتکاب سے اجتناب کی کوشش:۔

عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ احتساب میں حدود و قصاص اور تعزیرات بھی شامل ہیں جس کی وجہ سے منکرات کی روک تھام ہوتی تھی لوگ منکرات سے اجتناب کرتے تھے اسی طرح آپ کی ہیبت و جلال کی وجہ سے بھی لوگوں پر خوف طاری رہتا تھا جس کی وجہ سے لوگ فسق و فجور، بدعات وغیرہ سے بچتے تھے اسی کے ساتھ ساتھ آپ کے خطبات وعظ و ارشاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مشتمل ہوتے تھے جس کی وجہ سے نہ صرف لوگ منکرات سے اجتناب کرتے تھے بلکہ لوگوں میں اللہ کا خوف پیدا ہوتا تھا چنانچہ مجرم خود آکر جرم کا اعتراف کرتے تھے جیسے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ اس سے کوئی جرم ہوا اس نے آکر عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا تاکہ اسے سزا دی جائے، آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ لوگوں کو بھی اس بارے علم ہے؟ تو اس نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا: پوشیدہ رکھ اللہ بھی اس عیب پر پردہ ڈالے اور توبہ کر۔[1] آپ کے طریقہ احتساب سے لوگوں میں اللہ کا خوف پیدا ہوا جیسا کہ ایک عورت نے اپنی بیٹی کو دودھ میں پانی ملانے کا کہا تو اس پر اس کی بیٹی نے کہا: اگرچہ عمر ہمیں نہیں دیکھ رہا، اللہ تو دیکھ رہا ہے۔[2]

مسلمانوں میں امن کا پرچار اور امان کا شعور:۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال و نائبین کو وصیت کی تھی کہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کریں، لوگوں کو تکلیف سے بچائیں، لوگوں کو تکلیف و اذیت نہ دیں اور نہ ہی لوگوں پر بے جا سختی کریں، کمزور و ضعیف مسلمانوں کی مدد کریں، کمزوروں کو ان کا حق دلائیں، ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں یہاں تک کہ لوگوں سے پوچھتے تھے کہ عمال کی کوئی شکایت ہو تو بیان کی جائے تاکہ اس کا ازالہ کیا جائے۔ اسی طرح منکرات کے اسباب کو مٹانے کی کوشش کرنا بھی آپ کے احتسابی کاموں میں سے ہے چنانچہ فقر و فاقہ، مردوں و عورتوں کا اختلاط، عورتوں کا بازینت گھروں سے نکلنا وغیرہ جیسے کاموں کو مٹا دیا گیا۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی الزانی کم مرۃ یرد، 5/539، ح:28778

[2] تاریخ الاسلام للذہبی 4، /342

خلاصہ کلام:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاورسل علیہم السلام کو جس مقصد کے لیے بھیجا وہ اس کے دین کی سربلندی اور اس کے قوانین کا نفاذ ہے ،ہر نبی علیہ السلام نے اپنی عمر مبارکہ میں اس جلیل کام کو بحسن وخوبی نبھایا تا آنکہ رسالت محمدی ﷺ پر دین کی تکمیل ہوگئی اور اللہ نے اس دین کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دیا کیونکہ اسلام ہی کو غالب ہونا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾[1]

ترجمہ: تاکہ اسے ہر دوسرے دین پر غالب کر دے۔

لیکن یہ کام بتدریج جاری رہتا ہے اسلام اپنے محاسن کو پھیلاتا ہے اس کے لیے جہاد ،دعوت اور دوسرے احکام مشروع کیے گئے۔ عہد نبوی،عہد صدیقی میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی مگر جو کام عہد فاروقی میں ہوا اس سے اسلام دنیا کے ایک بڑے حصے تک متعارف ہوا، جناب امیر المومنین کے طرق واسالیب کی وضاحت سے واضح ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ طرق نہ صرف خود استعمال کیے بلکہ اپنے نائیبین کو بھی اسی طرح اصلاح کا حکم دیا کرتے تھے جس سے آپ کے زمانہ خلافت میں برائی کبھی نہیں پھیلی بلکہ آپ کے احتساب کی امتیازی حیثیت آئیندہ ازمنہ کے لیے بھی نمونہ رہاہے اور قیامت تک اس سے راہنمائی لی جاسکتی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جملہ شخصی اوصاف سے نوازا تھا جن کی بدولت آپ نے معاشرے اور ریاست کو منکرات سے پاک کیا اسلام کو مضبوط کیا اور اسلام کی اشاعت کی۔ آپ کی شخصیت پر وقار رعب وجلال والی تھی،اسی کے ساتھ ساتھ آپ کے رعب وجلال میں اضافہ کرنے والی اور چیزیں بھی تھیں جیسے ہر وقت درہ ہاتھ میں رکھتے اور گشت کرتے رہنا۔ والیوں کے تقرر میں بھی آپ کی شرائط ایسی تھیں کہ وہ آپ کے معیار کے مطابق اترتے اور اس کے مطابق برائی کا قلع قمع کرتے تھے۔ شرعی سزاوں کے نفاذ میں سختی سے کام لیتے تھے ان تمام وسائل کے ساتھ ساتھ جو اہم وسیلہ تھا وہ آپ بذات خود منکرات کو اپنے ہاتھ سے روکتے تھے، جہاں برائی کو دیکھتے فوری طور پر اپنے ہاتھ سے اس کا تدارک کرتے تھے۔

اسی کے ساتھ ساتھ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایسے اصلاحی کام کیے جس سے نہ صرف اسلام کی اشاعت آسان ہوئی بلکہ مسلمانوں کو دینی،جانی ومالی تحفظ بھی ملا اور ایسا عادلانہ نظام قائم ہوا جس کے سایہ میں کافر بھی پناہ لیتے تھے۔ مذکورہ فصل کی ابحاث سے واضح ہوتا ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دور میں ایسی اصلاحات نافذ کیں، ایسی اہم امور انجام دیے جن سے اسلام اور مسلمان دونوں پر گہرے نقوش چھوڑے

---

[1] سورۃ توبہ: 9/33

جیسے جہاد جیسے اہم فریضہ کی اہمیت اور اس کے ذریعے اسلام کی راہ ہموار کرنا، جو اسلام کے عادلانہ نظام کو متعارف کروانے کا سب سے بڑا سبب ہے جس کی وجہ سے اسلام قلیل مدت میں ساری دنیا میں پھیلا، جزیرہ عرب کو کفر سے مکمل طور پر پاک کر دیا، خلاف شرع وبدعات سے اسلام کی حفاظت کر دی گئی، قرآن مجید کو تحریف سے محفوظ بنادیا، تعلیم و تعلم کو عام کر دیا، مسلمان غربا وفقرا کی معاش کا انتظام کر دیا، مسلمانوں کی معاشی حالت کو سدھارنے کے لیے اقدامات اٹھائے، مسلمانوں میں خوف خدا کی اہمیت کو اجاگر کیا اور امن وامان کا پرچار اور اس کا شعور اجاگر کیا۔

باب چہارم

عہد فاروقی کے منہج حسبہ کی خصوصیات وعلامات اور عصری استفادہ

فصل اول: حضرت عمرؓ کے منہج حسبہ کی علامات و خصوصیات

فصل دوم: محتسب اور محتسب علیہ کے لیے آپؓ کے منہج حسبہ سے استفادہ

فصل سوم: مروجہ احتساب میں آپؓ کے منہج حسبہ سے استفادہ

فصل اول

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ کی خصوصیات اور علامات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ کی خصوصیات اور علامات

کسی بھی کام کی پہچان اور اس کا امتیاز اس کی خصوصیات اور علامات سے ہوتی ہے ،اسلام مکمل اطاعت ووفاشعاری کا دین ہے اور اس میں اللہ کے احکام کو سنت نبوی ﷺ کے مطابق عمل کرنے میں ہی کامیابی و بھلائی ہے اور ہمیشہ کی نجات کا ذریعہ بھی ،چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے متبعین یعنی اصحاب کا یہی شیوہ زندگی تھا اسی لیے تمام اصحاب کی زندگی آئندہ نسلوں کے لیے مشعل ہدایت ہیں۔یہ مقالہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حسبہ سے متعلق ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس میں آپ کے منہج حسبہ کی خصوصیات وعلامات کو واضح کر دیا جائے تا کہ معاصر نظام حسبہ کے لیے استفادہ کرنا آسان ہو جائے۔اس فصل میں آپ رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ کی خصوصیات وعلامات کو دو ذیلی مباحث میں ذکر کیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ کی خصوصیات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظام حسبہ ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے اور اس کی اپنی خصوصیات ہیں جو کہ درجہ ذیل ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ کی پہلی خصوصیت: وضاحت کرنا اور ثابت کرنا۔

امام طبری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اس وصف سے خاص کیا ہے جو یقین رکھنے والی ہے کیونکہ ایسی قوم کے افراد اپنے کاموں میں اہل الثبت ہیں اور یقین وصحت کے طور پر اشیا کے حقائق کے عرفان کے طالب ہیں۔[1] اور بیان وتثبیت ایسا خاصہ ہے جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نظام احتساب کو دوسرے امر اوحکام کے نظام احتساب سے ممتاز کرتا ہے اس لیے یہاں عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حسبہ کی اس خصوصیت پر بحث کی جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احتساب سے پہلے لوگوں کی تربیت کے لیے وضاحت کرنا اور ثبوت دینا۔

احتساب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ اجتماعی طور پر وضاحت اور ثبوت کے ذریعے لوگوں کی تربیت کرتے تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دن ایک مجمع سے خطاب کرنے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اس وقت ان پر ایک لباس تھا جو دو یمنی چادروں سے بنایا گیا تھا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کے بندو! سنو! اللہ تم پر رحم فرمائے۔ تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ ہم نہیں سنیں گے کیونکہ آپؓ نے ہم میں ایک ایک یمنی چادر تقسیم کی ہے اور خود اپنے لیے دو چادریں رکھیں جن کا لباس آپؓ نے پہنا ہوا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ ایک چادر میری ہے اور ایک والد کی پھر عمر رضی اللہ عنہ نے وضاحت کی کہ میں نے اپنا پرانا لباس دھویا اور اپنے بیٹے عبد اللہ سے اس کی چادر عاریتاً لی ہے۔ آپؓ کے جواب سے وہ شخص مطمئن ہوا اور کہا کہ اب ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔[2] یہاں آپؓ نے پورے مجمع کو تعلیم دی اور ان کی تربیت کی کہ کبھی بھی جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرنا اور کسی پر الزام لگانے سے پہلے تحقیق کر لی جائے اور اہم بات یہ سکھادی کہ حاکم وقت ہو یا رعایا وہ سب حقوق میں برابر ہیں اور حکام کا احتساب بھی کیا جانا چاہیے تاکہ حکام صحیح کام کر سکیں۔ یہاں آپؓ نے مجمع عام کی عمومی اور اس آدمی کی خصوصی تعلیم وتربیت کی ہے اور منکر کی حقیقت کو احتساب سے پہلے ہی بیان کر دیا۔

انفرادی طور پر احتساب سے پہلے اپنے بیان وتثبیت کے ساتھ منکر اور اس کے وجود کی حقیقت بیان کر کے اس شخص کو تعلیم دی کہ تم نے جلد بازی کی ہے کیونکہ جلد بازی شیطانی وصف ہے[3] اور اکثر جلد بازی سے غلطیاں سرزد ہوتی

---

[1] جامع البيان في تأويل القرآن، 2/557

[2] الرياض النضرة في مناقب العشرہ، 1/389

[3] حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، 8/78

ہیں۔اسی طرح ایک شخص نے اپنی لونڈی پر فحاشی کا الزام عائد کرتے ہوئے لونڈی کو آگ پر بٹھادیا جس سے لونڈی کی شرم گاہ جل گئی لونڈی کی شکایت پر آپؓ نے اس کے مالک سے فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ غلام کو آقا کی طرف سے نہ بٹھاو اور نہ بیٹے کو والد کی طرف سے تو میں تجھے ضرور اس کی وجہ سے بٹھاتا، پھر اس کو سو کوڑے مارے اور لونڈی سے کہا جاتو اللہ اور اس کے رسول کی لونڈی ہے تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔[1] یہاں بھی عمرؓ نے اس شخص کو عجلت کی وجہ سے سزادی کیونکہ اس نے بغیر تحقیق اپنی لونڈی پر الزام عائد کیا تھا اور پھر لونڈی کو سزادینے میں بھی عجلت سے کام لیا کیونکہ کسی بھی خبر کو بیان کرنے اور اس پر فیصلہ کرنے سے پہلے اس کی تحقیق ضروری ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے پاس اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔

اور ساتھ اس کے سزادینے کے برے فعل کی درستگی کے لیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی سنایا جو بجا طور پر اچھی تربیت اور ایک واضح ہدایت ہے۔

منکر کے قباحت اور اس کے وجود کے متعلق بیان کرنا اور منکر کے ثابت ہونے پر مواخذہ کرنا:۔

حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ جب ان کو کسی منکر کی خبر ملتی یا کوئی شکایت کی جاتی تو وہ احتساب سے پہلے منکر کی تردید کرتے، اس کے قبائح اور قباحت کے اسباب واضح کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ صحیح کام کی نشاندہی بھی کرتے تھے جیسا کہ سعد بن ابی وقاصؓ کی اہل کوفہ نے شکایت کی تو آپؓ نے قاصد بھیج کر سعد سے استفسار کیا اور ان سے کہا کہ یہ لوگوں کا تم سے گمان ہے اگر احتیاط کی جاتی تو راستہ ہمارے پاس ہے[3]، اسی طرح ابو موسیٰ اشعریؓ کی ضبۃ بن محصن[4] نے شکایت کی تو آپؓ نے ضبہ کو بلایا اور اس سے کہا کہ جو شکایت تو نے کی ہے اسے خود پڑھ، وہ شکایت پڑھتا گیا اور ابو موسیٰ جواب دیتے گئے یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کو بصرہ کی ولایت سونپی، زیاد کو خط لکھا اور

[1] سنن بیہقی، باب ماروی فی من قتل عبدہ او مثل بہ، 8/65، ح:15948

[2] سورۃ الحجرات: 49/6

[3] تاریخ ابن اثیر، 3/6

[4] ضبۃ بن محصن: ضبۃ بن محصن بن خفاش بن سلامۃ بن مالک بن حبیب بن کعب العنزی نام ونسب ہے ابو الشموس کنیت ہے۔ قلیل الحدیث ہیں۔ عمر ابن الخطابؓ اور ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں، ابن حبان نے الثقات میں شمار کیا ہے۔ (طبقات خلیفۃ بن خیاط، أبو عمرو خلیفۃ بن خیاط الشیبانی العصفری البصری (المتوفی:240ھ)، روایۃ: أبی عمران موسی بن زکریا التستری (ت ق 3ھ)، محمد بن أحمد بن محمد الأزدی (ت ق 3ھ)، المحقق: د سھیل زکار، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1414ھ-1993م، 1/339)

ابو موسیؓ کے احوال پوچھے جب زیاد نے آپؓ کے فقیہ ہونے کی گواہی دی جس پر ابو موسیؓ کو ان کی ولایت پر بحال کر دیا اور بصرہ کے امرا کو زیاد اور ابو موسیؓ سے مشاورت کرنے کا حکم دیا۔[1]

آپؓ کا طریقہ کار ایسا تھا کہ پہلے وہ کسی شکایت یا کسی بھی قابل مواخذہ بات کی وضاحت طلب کرتے تھے اور جس سے غلطی صادر ہوئی یا جس سے متعلق شکایت موصول ہوئی اس سے وضاحت طلب کرتے تھے جیسا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہاں آپؓ نے احتساب سے پہلے عجلت سے کام نہیں لیا بلکہ شکایت کے مطابق تحقیق کی، لیکن اگر تحقیق سے پہلے احتساب و مواخذہ کیا جاتا تو یہ صبر کے منافی تھا اور مہمات اہمہ اور سیاسی مسائل میں صبر سے کام نہ لینا نظام کی خرابی اور عمل احتساب کی خامی ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تبیین و تثبیت محتسب کا خاصہ ہے کیونکہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسے عظیم کام کو انجام دیتا ہے اور بغیر تحقیق جلد بازی سے مواخذہ کرنا داعی اور محتسب کے لیے نامناسب امور ہیں چونکہ اللہ جل وعلا نے تحقیق کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ [2]

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جلد بازی کو شیطان کا فعل قرار دیا ہے۔

اسی طرح جہاد کے لیے جب لشکر تیار کرتے یا لوگوں کو جہاد کی طرف دعوت دیتے تو جامع تقریر کرتے اور لشکر کشی والی جگہ کے احوال دریافت فرماتے چنانچہ مسلمانوں نے اہل فارس کے لشکر کو شکست دی اور ایک قاصد خوشخبری لے کر آیا تو اس نے کہا کہ امیر المومنین اس کے پہاڑ آسان، اس کا پانی تھوڑا، اس کی کھجور ردی، اس کے دشمن بہادر و جری، اس کی خیر کم، اس کا شر زیادہ، اس کا قلیل زیادہ اور اس کا قلیل بھی بے کار ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ صرف اس کا شر ہے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ایسے جیش کو جنگ کے لیے نہیں بھیجتا جو میری اطاعت نہیں کرتا پھر امرا کو لکھا کہ نہر کے علاوہ شہروں پر اقتصار کریں۔[3]

آپ رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ کی دوسری خصوصیت: زور دینا اور سرعت سے کام لینا:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے داعیین کی شان بلند کی کیونکہ وہ اس کے راستے میں اجر و ثواب کے طالب ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں اجر عظیم کا وعدہ فرماتے ہوئے فرمایا۔

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾[4]

---

[1] تاریخ طبری، 5/176

[2] سورۃ الحجرات، آیت:6

[3] تاریخ طبری، 5/173

[4] سورۃ فصلت: 41/33

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے، نیک کام کرے اور کہے میں تو مسلمان ہوں۔ اور یہی سبب ایک مسلمان کو دعوت الیٰ اللہ کے لیے پر جوش بناتا ہے اور وہ لوگوں کی رہنمائی وہدایت کے لیے حریص بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کئی فضائل داعیین کے ساتھ خاص ہیں، اسی لیے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اجتماعی زندگی کو منکرات سے پاک کرنے کے لیے بہت زیادہ حریص تھے اور اس معاملہ میں احتساب میں سرعت سے کام لیتے تھے۔ ذیل میں اس کے متعلق چند امثلہ ذکر کی جاتی ہیں۔

(الف) عقائد کی اصلاح کے لیے زور دینا اور ان کی حفاظت کے لیے سرعت سے کام لینا:۔

عقائد و نظریات انسانی اعمال اور ان اعمال کی اللہ کے ہاں قبولیت کے لیے بنیاد ہیں اس لیے ان کی اصلاح اور ان کی حفاظت سب سے اہم فریضہ ہے محتسب، خلیفہ اور ذمہ دار کو اس طرف سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ ذمہ دار و نگران، خلیفہ یا محتسب اللہ کے ہاں مسئول ہے۔ محتسب کو چاہیے کہ ہر وہ منکر جو عقائد کی خرابی کا باعث بنے اس کا سرعت سے احتساب کرے اور امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں بہتر اقدامات کرنے والے تھے چنانچہ ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے کہا: یہ کون سی احادیث ہیں جو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر جگہ پھیلا رکھی ہیں، تو صحابہ نے کہا: کیا آپ ہمیں روکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں، میرے پاس قائم کرو، اللہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں تم مجھ سے جدا نہیں ہوگے اور ہم جانتے ہیں کہ کیا لیا جائے اور کیا رد کیا جائے، تو وہ لوگ ان سے الگ نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپؓ فوت ہوگئے۔[1] یہاں آپؓ نے بدعات کو روکنے اور سنت سے تمسک کرنے کے لیے لوگوں کو ترغیب دی ہے۔ اسی طرح امام بخاری نے قرات سے متعلق ہشام بن حکیم[2] کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ہشام نے سورہ فرقان پڑھی اور اس میں وہ حروف نہ تھے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے تھے چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ یہ قرات تم نے کہاں سے سیکھی، اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، مختصر یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی قرات کو صحیح قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

(إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَءُوا مِنْهُ مَا تَيَسَّرَ)[3]

---

[1] طبقات ابن سعد، 4/218

[2] ھشام بن حکیم: ھشام بن حکیم بن حزام بن خویلد القرشي الاسدي مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ اپنے والد کے ساتھ فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور اسلام کے وفادار بن کر زندگی گزاری، فتوح شام میں عیاض بن غنم کے ماتحت تھے۔ ۱۵ھ اپنے والد سے پہلے بے اولاد فوت ہوئے۔ (اسد الغابۃ، 5/61)

[3] صحیح بخاری، باب کلام الخصوم بعضہم فی بعض، 3/122، ح:2419

ترجمہ: قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے پس تم جس طرح آسانی سمجھو پڑھو۔

یہاں بھی عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے ہشام کی تردید کی اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا کہ انہیں فتنہ اور بدعت کا اندیشہ تھا، لیکن جب معاملہ صاف ہو گیا تو خاموشی اختیار کرلی۔ اسی طرح نقل روایت کے معاملے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے اور جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کوئی روایت بیان کرتا تو اس کی تحقیق کرتے اس پر گواہی لیتے، راوی سے قسم لیتے جیسے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آپ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے مگر تین دفعہ دستک دینے کے بعد واپس چلے گئے جب آپ کو اطلاع ملی تو ان سے واپسی کی وجہ پوچھی جس پر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ، فَلْيَرْجِعْ)[1]

ترجمہ: تم میں سے جب کوئی اجازت مانگے تو تین دفعہ اجازت مانگے نہ ملے تو واپس چلا جائے۔

جب عمر رضی اللہ عنہ نے روایت سنی تو صحابہ سے گواہی طلب کی، جس پر اصحاب نے گواہی دی ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اسی طرح جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی۔ اس کے نیچے لوگوں نے نماز پڑھنا شروع کر دی تھی تو اسے بھی کاٹ دیا[2] تاکہ لوگوں میں اس درخت کے متعلق غلط اعتقاد نہ پیدا ہو سکے۔ مذکورہ تمام روایات سے واضح ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے عقائد کو محفوظ بنانے کے لیے ہر اس چیز کا احتساب کیا جس سے آئندہ کوئی خرابی، بدعقیدگی، بد اعتقادی، یا بدعات کے لیے راستہ کھل سکتا ہو، اس کو ختم کر دیا اور ہر وقت کوشاں رہتے تھے کہ کہیں مسلمانوں کے عقائد خراب نہ ہو جائیں اسی لیے جلیل القدر اصحاب کی بھی تردید کرتے تھے اور خوب تحقیق سے کام لیتے تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ)[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی بات کی خوب چھان بین کرتے تھے جس کی وجہ سے عقائد محفوظ ہو جاتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی پوری سعی رہتی تھی کہ عقائد میں بدعات کو راستہ نہ ملے کیونکہ دین مکمل ہو چکا تھا اور انسانی زندگی سے متعلق مکمل رہنمائی آچکی تھی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

---

[1] مسند الحميدي،2/6،ح:751۔ مسند امام احمد،32/388،ح:19611

[2] أبو عبد الله محمد بن إسحاق المكي الفاكهي (المتوفى:272ه)، أخبار مكة في قديم الدهر وحديثه، المحقق: د. عبد الملك عبد الله دهيش، دار خضر- بيروت،1414،5/48،ح:2876

[3] سنن ابن ماجه، باب اتباع سنة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم،1/4،ح:5

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[1]

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

(ب) عبادات کی اصلاح، رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع اور آپؐ کی مخالفت سے روکنے کے لیے سعی کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے امور دین و شرائع اسلام کو واضح کر دیا ہے، ہمیں امور دین کا حکم دیا ہے اور اپنی سنت سے جڑے رہنے کا حکم دیا جیسا کہ فرمایا۔

(خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ)[2]

مجھ سے اپنے مناسک لے لو۔

اسی لیے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عبادات وبقیہ امور دین کی اصلاح اور ان کی حفاظت پر کوشاں رہتے تھے، اس کے لیے جو اقدامات آپ اٹھاتے تھے وہ ذیل ہیں۔

عبادات کی صحت واصلاح کے لیے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی تعلیمات کو عام کرنا۔

جیسا کہ آپ سنت کی تعلیم دینے کی خود کوشش کرتے ہوئے۔

(سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ)[3]

کے بارے فرمایا: یہ قرات سے پہلے پڑھی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت کرنے سے روکنا۔

جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سفر میں عصر کے بعد دو رکعات پڑھیں تو آپ غضبناک ہوئے اور فرمایا۔

" أَمَا وَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنْهَى عَنْ هَذَا "[4]

تو جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عبادات کی ادائیگی پر زور دینا اور اس کے چھوڑنے پر احتساب کرنا۔

جیسا کہ ایک شخص ایک دن صبح کی نماز سے غائب تھے، تو اس کی طرف قاصد بھیجا اور استفسار کیا اس نے کہا کہ میں بیمار تھا اگر آپ کا قاصد میرے پاس نہ آتا تو میں گھر سے نہ نکلتا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو کسی کی طرف نکل سکتا

---

[1] سورۃ المائدہ:5/3

[2] سنن کبریٰ للبیہقی، باب الایضاح فی وادی محسر، 5/204، ح:9524

[3] مصنف عبد الرزاق، باب استفتاح الصلاۃ، 2/75، ح:2555

[4] مصنف عبد الرزاق، باب الساعۃ التی یکرہ فیہا الصلاۃ، 2/430، ح:3967

ہے تو نماز کے لیے نکلا کر۔[1] یہاں آپ نے صحت و کمال عبادت پر زور دیا ہے کیونکہ نماز اجتماعی فریضہ ہے اور ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

(صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي)[2]

نماز باجماعت ہی رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے اور انفرادی طور پر فرائض ادا کرنا اتباع سنت نہیں حالانکہ اتباع رسول فرض اور عمل صالح کی قبولیت کی شرط ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾[3]

ترجمہ: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

اسی طرح آپ نے عبادات کی صحیح طور پر ادائیگی پر زور دیا ہے کیونکہ مومن کے لیے اپنے ایمان کی حفاظت اور نجات کے لیے صرف ایمان کا اقرار کافی نہیں بلکہ عمل صالح بھی ضروری ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ﴾[4]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے وہی لوگ جنت والے ہیں۔

(ج) اخلاق و معاملات میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے اصلاح پر زور دینا:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر وقت اس بات کے لیے کوشاں رہتے تھے معاشرے کی ہر اچھی و عمدہ خصلت کی تربیت ہو، عمدہ خصائل پروان چڑھیں اور ہر بری خصلت، برا طور طریقہ یا برائی کی طرف لے جانے والا عمل معاشرے سے دور ہو اسی لیے آپ احتساب کے لیے سرعت سے کام لیتے تھے تاکہ معاشرے صالح بن جائے، اس کی چند امثلہ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

اخلاق و اعمال کے فضائل کی تعلیم کو عام کرنا:۔

مثال نمبر ا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زبالہ (گندگی کا ڈھیر) کے پاس سے گزرے تو فرمایا۔

" هَذِهِ دُنْيَاكُمْ الَّتِي تَحْرِصُونَ عَلَيْهَا"[5]

یہ تمہاری دنیا ہے جس کی تم حرص کرتے ہو اور پھر رونے لگے۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، 1/303، ح:3462

[2] سنن دار قطنی، باب فی ذکر الامر بالاذان والامامۃ واحقہما، 2/10، ح:1069

[3] سورۃ النسا: 4/59

[4] سورۃ البقرہ: 2/82

[5] محض الصواب، 2/583

مثال نمبر۲۔ ایک مرتبہ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو آٹے کا شیرہ بنا رہی تھی تو اس سے فرمایا۔

"لَيْسَ هَكَذَا تَعْصِدِينَ"[1]

تو اس طرح شیرہ نہ بنا، پھر کوڑا لیا اور اس سے کہا ایسے شیرہ بنا۔

مثال نمبر۳۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔

"لَا تَعْرِضْ مَا لَا يَعْنِيكَ، وَاحْذَرْ عَدُوَّكَ۔۔"[2]

بے کار باتوں میں نہ پڑو اپنے دشمن سے بچتے رہو، اپنے دوست سے الگ رہے، فاجر کو مصاحب نہ بنا کیونکہ وہ تجھے فجور ہی سکھائے گا اور فاجر کے سامنے اپنا راز نہ ظاہر کر بلکہ اپنے معاملات میں خشیت الٰہی رکھنے والوں سے مشورہ طلب کر۔ تجھ سے تیرا وہی دوست محفوظ ہے جو امانت دار ہو اور امانت دار وہی ہے جو اللہ سے ڈرے کیونکہ اللہ فرماتے ہیں۔

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾[3]

اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے ڈرنے والے علما ہیں۔

مثال نمبر۴۔ ایک بیمار آدمی نے نکاح کیا تو اس سے کہا: کیا تو جانتا ہے کہ تو بیمار ہے، اس نے کہا: نہیں تو آپ نے فرمایا۔

"فَانْطَلِقْ فَأَعْلِمْهَا ثُمَّ خَيِّرْهَا"[4]

چل جا اپنی بیماری کے بارے جان اور پھر اپنے لیے خاتون پسند کر۔

ہر بری خصلت و برے عمل سے معاشرے کو بچانے کے لیے ہر منکر پر احتساب کرنا:۔

مثال نمبر۱۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی باندی نے سونا فروخت کیا اور چاندی لے لی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

" لاَ تَأْخُذِي إِلَّا الَّذِي بِعْت بِهِ"[5]

تو صرف وہی لے سکتی ہے جو تو نے اس میں سے فروخت کیا ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد، 3/239

[2] مصنف ابن ابی شیبہ، باب کلام عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ، 7/94، ح:34450۔ شعب الایمان، 12/46، ح:8995

[3] سورۃ الفاطر: 35/28

[4] سنن سعید بن منصور، باب ماجاء فی العنین، 2/81، ح:2021

[5] مصنف عبد الرزاق، باب الرجل علیہ فضۃ ایاخذ مکانہ ذہبا، 8/127، ح:14583

ان تمام روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ معاشرے کی اصلاح اور اخلاق و معاملات کو منکرات سے پاک کرنے پر زور دیتے تھے اور ہر اس اچھی خصلت و عمل کے لیے بذریعہ تعلیم تربیت کرتے تھے جس کا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا جیسے زہد واتقاء، امانت میں عدم خیانت وغیرہ۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

"وَكُلُّ بَنِي آدَمَ لَا تَتِمُّ مَصْلَحَتُهُمْ لَا فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ"[1]

انسانوں کی مصالح بغیر اجتماع، تعاون اور باہمی مدد کبھی پوری نہیں ہوتیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

اور تعاون منافع کے طلب کرنے اور تناصر مضرت کو دور کرنے میں ہے اگر ایسا ہو جائے تو لوگ منافع کے ساتھ حکم کرنے والے اور مفاسد سے روکنے والے کے مطیع ہو جائیں اور تمام بنی آدم کے لیے ضروری ہے کہ ان میں ایک جماعت حکم کرنے والی ہو۔

اور عمرؓ کا ادراک ہے کہ معاشرہ کی اصلاح اور نجات کا راستہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر زور دینا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کے لیے احتساب کی ضرورت کو بیان کیا ہے، اور معاشرے کی سلامتی اور سعادت کے دوام کے لیے یہی واحد راستہ ہے۔ حرص ومبادرۃ کی خاصیت عمر رضی اللہ عنہ کے احتساب میں عیاں ہے اور یہ آپ کی لوگوں سے محبت ہے اور خیر کے کاموں میں ترغیب ہے اور ہر اس کام سے ڈرانا ہے جو اللہ کی نافرمانی اور احکام شرع کی مخالفت کی طرف لے جائے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[2]

ترجمہ: اور نیکی و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ و سرکشی میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔

چنانچہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

"الْمُعَاوَنَةِ عَلَى فِعْلِ الْخَيْرَاتِ وَهُوَ الْبِرُّ"[3]

خیر کے کاموں میں تعاون البر ہے اور منکرات سے روکنا تقویٰ ہے اسی طرح باطل کی مدد کرنے اور گناہ و حرام کاموں میں تعاون کرنے سے روکنا بھی نیکی ہے۔

---

[1] مجموع الفتاوی، 28/62۔ الحسبۃ فی الإسلام، 1/7

[2] سورۃ المائدہ: 5/2

[3] تفسیر ابن کثیر، 3/10

(ج)جرائم اوران کے اسباب پر نظر رکھتے ہوئے ریاستی امن پر زور دینا:۔

حضرت عمرؓ بخوبی جانتے تھے کہ ریاستی امن واستحکام امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بغیر ممکن نہیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر تب ہی ممکن ہے جب جرائم اور ان کے اسباب پر گہری نظر ہو اور فرقہ بندی واختلافات کو مٹادیا جائے اس لیے آپ اپنی زندگی میں اس مقصد کے حصول کے لیے بہتر اقدام کرتے تھے ذیل میں اس کی چند امثلہ پیش کی جاتی ہیں۔

مثال نمبرا۔ ایک دفعہ آپ ایک گھر کے پاس سے گزرے تو اندر سے ایک عورت کے اشعار پڑھنے کی آواز آئی وہ یہ اشعار پڑھ رہی تھی:

تَطَاوَلَ هَذَا اللَّيْلُ وَاسْوَدَّ جَانِبُهْ ... وَطَالَ عَلَيَّ أَنْ لَا خَلِيلَ أُلَاعِبُهْ

فَوَاللَّهِ لَوْلَا خَشْيَةُ اللَّهِ وَحْدَهْ ... لَحُرِّكَ مِنْ هَذَا السَّرِيرِ جَوَانِبُهْ

تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس عورت کا شوہر چار ماہ سے جہاد کے لیے گیا ہوا ہے اور ام المومنین حفصہؓ سے معلوم کیا کہ ایک عورت کتنا عرصہ شوہر کی دوری برداشت کرسکتی ہے تو انہوں نے چار ماہ بتایا تب آپ نے عساکر کے سربراہوں کو لکھا کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ گھر سے دور نہ رہے۔[1]

مثال نمبر۲۔ جن خواتین کے مرد گھر پر موجود نہیں ان کے گھروں میں داخل ہونے سے حضرت عمرؓ نے منع فرمایا۔[2]

مثال نمبر۳۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ۔

"اسْتَعِينُوا عَلَى النِّسَاءِ بِالْعُرْيِ"[3]

خواتین کی العریٰ کے ذریعے مدد کرو۔

کیونکہ جب ان کے کپڑے زیادہ ہوجائیں اور ان کی زینت میں اضافہ ہوجائے تو انہیں گھروں سے باہر نکلنا اچھا لگتا ہے۔

[1] مصنف عبد الرزاق، باب حق المراة علی زوجہا وفی کم تشتاق، 7/151، ح:12593

[2] علي بن الجَعْد بن عبيد الجَوْهَري البغدادي (المتوفى:230ه)، مسند ابن الجعد، تحقیق: عامر أحمد حيدر، مؤسسة نادر- بيروت، 1410-1990، 1/336، ح:2311

[3] مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی الغیرۃ وماذکر فیہا، 4/53، ح:17711

مثال نمبر۴۔ ایک حوض پر خواتین وحضرات اکٹھے وضو کر رہے تھے تو آپ نے انہیں کوڑے مارے اور پھر مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ حوض بنوائے۔[1]

مثال نمبر۵۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا اس وجہ سے احتساب کیا کہ ان کا غلام بھوکا تھا اور بھوک چوری کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔[2]

مذکورہ تمام روایات سے واضح ہے کہ آپ جرائم اور ان کے اسباب پر گہری نظر رکھتے تھے اور ان کے اسباب کو جانچ کر اسباب جرائم کے تدارک پر زور دیتے تھے تاکہ معاشرے میں جرائم راہ نہ پکڑیں جیسے خواتین کے معاملے میں غیر مردوں سے اختلاط، گھر میں شوہر نہ ہو تو غیر کا گھر میں داخل ہونا، زیب وزینت کی اشیا کا کثیر مقدار میں ہونا، شوہر کا چار ماہ سے زیادہ گھر سے غائب ہونا وغیرہ ان کاموں سے عورت اور مرد جنسی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناجائز طریقے کی طرف مائل ہو سکتے ہیں جس سے زنا جیسے قبیح فعل کے پھیلنے کا اندیشہ ہے اور جس معاشرے میں زنا عام ہو جائے وہاں نسل ونسب کی پاکدامنی اور خاندانی نظام باقی نہیں رہتی اور اگر خاندانی نظام ہی تباہ ہو جائے تو معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے اور معاشرے کی تباہی ریاستی امن استحکام کی ہلاکت ہے۔ بھوک وافلاس کو چوری کا سبب قرار دیا کیونکہ بھوک مٹانے کے لیے انسان ناجائز طریقہ اپنا سکتا ہے یہاں تک کہ کفر تک بھی جانے کا امکان ہے جیسا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

(كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا)[3]

اسی لیے امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حاطب رضی اللہ عنہ کا مواخذہ کیا ان کا غلام بھوکا تھا اور وہ بھوک مٹانے کے لیے چوری بھی کر سکتا ہے۔

(د) ریاستی امن واستحکام کے لیے فرقہ بندی اور آپسی بلا دلیل اختلافات کو مٹانا:۔

مثال نمبر۱۔ آپ نے وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر انصار مدینہ کے ثقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر سعد بن عبادہ کی بیعت پر زور دینے کی مخالفت کرنا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے منتخب کرنا اور ان کے حق میں دلائل دینا اہم اقدام تھا چونکہ قریش کی سیادت عرب میں مشہور تھی اور انصار کو عرب کے تمام قبائل میں قریش جیسی حیثیت نہیں ملی تھی اور اس بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی موجود تھا کہ الائمۃ من قریش، اسی طرح قریش میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو مقام ومرتبہ حاصل تھا وہ کسی اور مہاجر یا قریشی کو حاصل نہیں تھا اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

---

[1] مناقب امیر المومنین، ابن جوزی، ص:181

[2] ایضا، ص:82

[3] شعب الإیمان، باب الحث علی ترک الغل والحسد، 9/12، ح:6188

"فَأَيُّكُمْ تَطِيبُ نَفْسُهُ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَبَا بَكْرٍ؟"[1]

تم میں سے کون ابو بکر سے مقدم ہونا چاہتا ہے۔

تو انصار نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت و نسبت کو دیکھتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس طرح فرقہ بندی سے مسلمان بچ گئے۔

مثال نمبر ۲۔ اسی طرح یہی طریقہ آپ نے اپنی خلافت میں بھی اپناتے ہوئے عشرہ مبشرہ میں جو زندہ تھے اپنے بعد خلافت کو ان کے لیے مختص کر دیا اور فرمایا۔

"فَمَنْ تَأَمَّرَ مِنْكُمْ عَلَى غَيْرِ مَشُورَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَاضْرِبُوا عُنُقَهُ"[2]

تین دن تک صہیب نماز پڑھائیں اور تم خلافت کے معاملے میں جمع ہو جاو اور جو بغیر مشورہ مسلمانوں کا امیر بننے کی کوشش کرے تو اس کی گردن اڑادو۔

یہ اس لیے کیا کہ آئندہ کوئی انتشار و اختلاف پیدا نہ ہو اور مسلمان متحد رہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ کی تیسری خصوصیت: نرمی و شفقت اور سہولت:۔

قرآن مجید اور سنت نبوی کے مطابق داعی و محتسب کو رفق اور تیسیر کے وصف سے متصف ہونا چاہیے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾[3]

ترجمہ: اور اگر تو تند خو اور سخت دل ہوتا تو البتہ تیرے گرد سے بھاگ جاتے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے دعوتی امور میں رفق و تیسیر کی امثلہ پیش کی ہیں اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی ہے اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی عموما اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے احتساب کی اہم خصوصیت رفق و تیسیر ہے جس سے آپ کے احتساب کو دوسرے حضرات کے احتساب سے ممتاز کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

(الف) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے احتساب میں نرمی و شفقت اور سہولت:۔

گناہ گار سے کوئی گناہ تب ہی سرزد ہوتا ہے جب وہ اس گناہ سے محبت کرتا ہے یا وہ اس بات سے ناواقف ہوتا ہے یہ گناہ ہے یا شیطان گناہ کو اس کے لیے مزین کر کے پیش کر دیتا ہے تو گناہگار کی طبیعت اس گناہ کو برائی سمجھتی

---

[1] سنن نسائی، باب امامۃ اہل العلم والفضل، 2/74، ح:777

[2] طبقات ابن سعد، 3/262

[3] سورۃ آل عمران: 3/159

ہے اس لیے ضروری ہے کہ منکرات اور اس کے اسباب کے تدارک کے لیے رفق وتیسیر سے کام لیا جائے تا کہ گناہگار احتساب کو قبول کر سکے، ذیل میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے احتساب میں تیسیر کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

عقائد کی اصلاح کے لیے احتساب کرتے ہوئے نرمی وشفقت اور سہولت سے کام لینا:۔

مثال نمبر ا۔ مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے بری طرح پیش آیا تو آپ نے فرمایا: کیا تو اس قبر والے (رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو جانتا ہے وہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں اور یہ علی بن ابی طالب بن عبد المطلب ہیں جن کا تذکرہ صرف خیر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

"فَإِنَّكَ إِنْ أَبْغَضْتَهُ " آذَيْتَ هَذَا فِي قَبْرِهِ"[1]

اگر تو نے علی کو اذیت دی تو اس قبر والے کو اذیت دی۔

مثال نمبر ۲۔ ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ ایک گھر کے پاس سے گزر رہے تھے کہ اس گھر کے کنارے سے پانی بہہ رہا تھا، جس پر جابر رضی اللہ عنہ نے کہا اے صاحب الجناح کیا تیرا پانی صاف ہے؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے صاحب الجناح تو اس کو نہ بتا کیونکہ یہ اس پر لازم نہیں۔

عبادات کی اصلاح کے لیے احتساب کرتے ہوئے نرمی وشفقت اور سہولت:۔

مثال نمبر ا۔ ایک مرتبہ ایک نابینہ آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے امیر المومنین نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جمعہ اور نماز نہ چھوڑنا، تو نابینے نے کہا: میرے پاس کوئی رہبر نہیں تو آپ نے فرمایا۔

"نَحْنُ نَبْعَثُ إِلَيْكَ بقائد"[2]

ہم آپ کی طرف رہبر بھیجیں گے۔

اور پھر ایک لڑکے کو اس نابینے کی رہبری کے لیے بھیج دیا۔

مثال نمبر ۲۔ ایک مرتبہ آپ نے نافع کو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا کیا تمہارے پاس دو کپڑے نہیں؟ تو نافع نے کہا کیوں نہیں، تو آپ نے اس سے پوچھا اگر تجھے گھر بھیجا جائے تو کیا تو اسی ایک کپڑے میں جائے گا تو اس نے کہا نہیں تب آپ نے فرمایا۔

" فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَزَيَّنَ لَهُ أَمْ النَّاسُ "[3]

---

[1] الشيباني، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل (المتوفى:241ھ)، فضائل الصحابة، المحقق: د. وصي الله محمد عباس، مؤسسة الرسالة- بيروت، 1403–1983، من فضائل علي رضی اللہ عنہ، 2/641، ح:1089

[2] المستدرک علی الصحیحین، 3/559، ح:6076

[3] صهيب عبد الجبار، الجامع الصحيح للسنن والمسانيد، 2014، باب صفة مايلبسه الرجل في الصلاة، 24/346

کیا اللہ کا زیادہ حق ہے کہ اس کے لیے زینت اختیار کی جائے یا لوگوں کا زیادہ حق ہے؟

تو نافع نے کہا: بلکہ اللہ ہی کا زیادہ حق ہے۔

اخلاق وآداب کی اصلاح کے لیے احتساب کرتے ہوئے نرمی وشفقت اور سہولت سے کام لینا:۔

ایک مرتبہ آپ نے جذام والی عورت کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

"يَا أَمَةَ اللهِ. لاَ تُؤْذِي النَّاسَ. لَوْ جَلَسْتِ فِي بَيْتِكِ "[1]

اے اللہ کی بندی اگر تو گھر میں بیٹھ جاتی تو اللہ کے بندوں کو اذیت نہ دیتی۔

عقوبات شرعیہ کے قائم کرنے کے ساتھ احتساب کرتے ہوئے نرمی وشفقت اور سہولت:۔

مروی ہے کہ قحط والے سال آپ حد سرقہ کے نفاذ سے رک گئے تھے اور فرماتے تھے اس سال کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا[2]، کیونکہ بھوک لوگوں کو چوری کرنے کے فعل کی طرف لے جاتی ہے۔

مذکورہ روایات سے واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احتساب میں رفق وتیسیر کی خاصیت کافی عیاں تھی کیونکہ رفق ان عوامل میں سے جو دلوں میں جاذب ہوتے ہیں سب سے بڑا عامل ہے اور رفق ہی کی وجہ سے لوگ خیر وبھلائی کو قبول کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾[3]

ترجمہ: اور اگر تو تند خو اور سخت دل ہوتا تو البتہ تیرے گرد سے بھاگ جاتے۔

اسی طرح تیسیر ان عوامل میں سے ہے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں جیسا کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے کدورت رکھنے والے سے کہا: اگر تو نے اس کو اذیت دی تو اس صاحب قبر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیت دی اسی طرح نابینے سے فرمایا: ہم تیرے لیے قائد بھیجتے ہیں۔ چونکہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کتاب اللہ کے صحیح عامل اور کامل متبع سنت تھے اور آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور ان کے ساتھ گزرے ایام ایک واضح نمونہ تھے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا)[4]

آسانی پیدا کرو اور تنگی پیدا نہ کرو۔

---

[1] موطا امام مالک، باب جامع الحج، 3/625، ح:1603

[2] مصنف عبد الرزاق، باب القطع فی عام السنہ، 10/242، ح:18990

[3] سورۃ آل عمران: 3/159

[4] مسند ابوداود، 3/560، ح:2199

اسی طرح آپ یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ احتساب جیسے اہم کام میں غصہ، شدت، تنگی و سختی آئندہ برائی کی جڑیں ختم نہیں کرتیں بلکہ اس سے عناد کے بیج پیدا ہوتے ہیں اور شریعت عناد پیدا کرنے کے بجائے رفق وتیسیر کے ساتھ جزاو سزا کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے اور اللہ تعالی نے اپنے حبیب کو بھی رفق وتیسیر کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾[1]

ترجمہ: اور نیکی اور برائی برابر نہ ہو جائیں گی اے سننے والے برائی کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست۔

(ب) اپنی ذات پر احتساب کو قبول کرتے ہوئے محتسب کے لیے نرمی وشفقت اور سہولت سے کام لینا:

منکرات کو ختم کرنے کا جذبہ، اللہ کے لیے غضب ناک ہونا، اللہ کے لیے غیرت کھانا اور اس کی عظمت وسربلندی کی کوشش کرنا دل کے زندہ ہونے سے پیدا ہوتا ہے جیسا کہ اپنی ذات پر احتساب کو قبول کرنا کامل ایمان، منہج الہٰی پر استقامت اور ربانی منہج سے عدم انحراف کی دلیل ہے یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اس شخص پر انتہائی شفیق ومہربان تھے جو ان کا احتساب کرتا تھا ذیل میں اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

مثال نمبر ا۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے آداب کا اگر جناب امیر المومنین کو اپنی ذات سے مخالفت کا اندیشہ ہوتا تو اس کے لیے آپ اپنی ذات پر احتساب قبول کرتے ہوئے نرمی وشفقت اور سہولت سے کام لیتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ ایک گھر کے پاس سے گزرے جس میں چند لوگ شراب پی رہے تھے تو آپ نے جوش وغصے سے کہا۔

" فَثَارَ بِهِمْ «أفسقا أفسقاً "[2]

یعنی فاسقو: فاسقو تو ان میں سے کسی نے کہا۔

کیوں نہیں، ہم فاسق ہیں لیکن اللہ نے اس کام سے منع کیا ہے، تو آپ انہیں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

مثال نمبر ۲۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اموال کی تقسیم میں معترض کی طرف سے اپنے اوپر احتساب قبول کرتے ہوئے نرمی وشفقت اور سہولت سے کام لیتے تھے۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے دو قریشیوں کو دیکھا کہ ان پر وہ دو چادریں ہیں جو جناب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دی تھیں جبکہ ایک انصاری کو دیکھا کہ اس پر ایک چادر ہے تو ابن مسلمہ نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا، اللہ اکبر۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی

---

[1] سورۃ فصلت: 34/41

[2] مصنف عبد الرزاق، باب التجسس، 10/231، ح: 18942

اونچی آواز سن کر قاصد بھیجا اور پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اونچی آواز سے بول رہے ہو تو انہوں نے وجہ بتائی اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا۔

(أَمَا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً)[1]

اور کہا: اے امیر المومنین! مجھے پسند نہیں کہ آپ کے ہاتھوں سے ایسا کام ہو، تو امیر المومنین رونے لگے اور استغفار کی اور کہا کہ آئندہ ایسا نہ ہو گا۔[2]

مذکورہ روایات سے واضح ہوتا ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اپنی ذات پر احتساب کو قبول کرتے تھے اور جو ان کا احتساب کرتا اس کے ساتھ رفق وتیسیر سے پیش آتے تھے۔ ان روایات سے یہ بھی واضح ہوا کہ جیسے نصیحت کرنا اور نصیحت سے نفع اٹھانا رعایا کے لیے ہے ایسے ہی امراء وحکام کے لیے بھی اسی طرح ضروری ہے کہ ان کو نصیحت کی جائے اور وہ نصیحت کو قبول کریں کیونکہ حاکم ورعایا کے درمیان گہرا رشتہ ونسبت ہوتی ہے جیسا کہ احادیث نبویہ ﷺ راعی ورعایا کے احکام میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے دعا کریں ایک دوسرے سے محبت کریں اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے ہی جلیل القدر حکمران تھے جو نصیحت کرتے بھی تھے اور رعایا کی نصیحت سنتے اور اسے قبول بھی کرتے تھے اور ناصح یا محتسب کے ساتھ شفقت ومہربانی سے پیش آتے تھے۔

(ج) احتساب کرنے والوں کو نرمی وشفقت اور آسانی کرنے کا حکم دینا:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ احتساب کے وقت رفق وتیسیر پر زور دیتے تھے یہاں تک کہ امو امر ونواہی اچھی طرح پورے ہوتے تھے۔ ذیل میں اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

اپنے عمال کو خراج لینے میں نرمی وشفقت اور آسانی پیدا کرنے کا حکم دینا:۔

مروی ہے کہ جب آپ نے عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان کو خراج کا والی بنا کر بھیجا تو فرمایا۔

"انْظُرَا أَنْ لَا تَكُونَا حَمَّلْتُمَا الْأَرْضَ مَا لَا تُطِيقُ"[3]

پہلے یہ دیکھ لو جو تم خراج لے رہے ہو کیا اس خراج کی ادائیگی کی زمین میں طاقت بھی ہے یا نہیں۔

---

[1] مسند امام احمد، 20/ 243، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ح:12885

[2] الأموال لابن زنجویہ، 2/ 551، ح:915

[3] صحیح ابن حبان، باب ذکر رضا المصطفیٰ ﷺ عن عثمان ابن عفانؓ، 15/ 350، ح:6917

قیام حدود کے وقت جلاد کو نرمی وشفقت اور آسانی کا حکم دینا:۔

مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک جلاد کے پاس سے گزرے جو شرابی کو حد لگا رہا تھا، جلاد کوڑے مارے جارہا تھا اور محدود تسبیح کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا: تسبیح کرنے والے پر نرمی (کوڑے کی ضرب ہلکی رکھ) کر کیونکہ۔

"فَإِنَّ التَّسْبِيحَ لَا يَسْتَقِرُّ، إِلَّا فِي قَلْبِ مُؤْمِنٍ"[1]

تسبیح صرف مومن کے دل ہی میں ٹھہرتی ہے۔

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ احتساب کرنے کے وقت رفق وتیسیر کا حکم دیتے تھے اور یہ آپ کے احتساب کی خاصیت ہے کیونکہ لوگ نرمی اور آسانی کرنے والے کی طرف مائل ہوتے ہیں، جیسا کہ ایک مقولہ ہے: تیرا چہرہ کشادہ ہو اور تیرے الفاظ نرم ہوں تو تو لوگوں کا محبوب بن جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ احتساب میں رفق وتیسیر کی اہمیت کو بخوبی جانتے تھے کیونکہ اکثر محتسب احتسابی عمل کے دوران سختی ودرشتی سے کام لیتے ہیں تو اس وجہ سے محتسب علیہم کے دل میں انتقام ونفرت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ احتساب کو بآسانی قبول نہیں کرتے جبکہ رفق وتیسیر سے نفرت وعداوت کے جذبات نہیں پیدا ہوتے۔

---

[1] شعب الایمان، باب فضل فی ادامۃ ذکر اللہ، 2/144، ح:625

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ کی علامات

کسی بھی اہم امر، اہم معاملے کی پہچان اس کی علامات سے ہوتی ہے، علامت ایسی نشانی ہوتی ہے جس سے اس کی پہچان کی جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی پہچان و معرفت کے لیے صفا و مروہ کو اپنے شعار یعنی علامت قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾[1]

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ کی مخصوص علامات ہیں جن سے آپ کے منہج کی پہچان کی جاسکتی ہے۔ ذیل میں وہ علامات ذکر کی جاتی ہیں۔

ا۔ اللہ کے دین کے لیے غیرت کھانا اور محرمات سے بچنا:

بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا اور ہمارے لیے رزق مقرر کیا، ہمارے لیے اسباب معاش پیدا فرمائے، تمام معاملات و مخلوقات صرف اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اسی لیے اللہ ہی اس بات کا حقدار ہے کہ اسی ہی کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی سے اجتناب کیا جائے، اسی کا شکر بجالایا جائے، اس کی نعمتوں کی ناشکری نہ کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَٰلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [2]

ترجمہ: اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا، وہی تمہیں موت دے گا پھر دوبارہ زندہ کرے گا کیا تمہارے پاس ایسے معبود ہیں جو اللہ کے ان افعال میں اس کے شریک ہو حالانکہ اللہ کی ذات ان سب چیزوں سے پاک و بالا و برتر ہے جو مشرک اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

---

[1] سورۃ البقرہ:2/158

[2] سورۃ الروم:30/40

امام ابن قیم[1] فرماتے ہیں؛ وہ کونسا دین و بھلائی ہے جس میں کوئی اللہ کے محارم کو دیکھے اور اس کی حدود کو ضائع کردے اور اس کے دین کو چھوڑ دے اور اللہ کے رسول کی سنت سے اعراض کرے۔[2] امیر المومنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام مستقیم تھا۔ ان کے دل میں اسلامی حمیت و غیرت، کفار و مشرکین اور کافرانہ طرز زندگی پر احتساب سب سے زیادہ نمایاں تھا جیسا کہ ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے غزوہ احد کے موقع پر ہبل بت کو اعلیٰ کہا تو اس کی تردید میں عمر رضی اللہ عنہ نے سخت جواب دیتے ہوئے کہا۔

"كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللَّهِ"[3]

تو نے جھوٹ کہا اے اللہ کے دشمن۔

کیونکہ کفار توحید کے نور کو مٹانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ختم کرنے کے لیے قتل و غارت کرتے تھے۔

۲۔ اللہ کی شریعت کے سامنے ٹھہر جانا (سر تسلیم خم کرنا):۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے احتسابی نظام سے زمین پر اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے کا ہدف رکھتے تھے اور اس کو عملی طور پر ثابت کیا یہاں تک کہ اگر دین میں کوئی چیز مخفی تھی تو اس کی شریعت میں جو حیثیت تھی اس کو اسی حالت میں برقرار رکھا، اپنے قول و عمل سے اس کی تشہیر کی جیسے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا استیذان کے مسئلہ میں احتساب کیا ابوموسیٰ کے عمل سے ان کا قول ثابت ہوا تو آپ نے فرمایا۔

"خَفِيَ هَذَا عَلَيَّ مِنْ أَمْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"[4]

مجھ پر یہ معاملہ (یعنی تجارت کے لیے نکلنے والا معاملہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مخفی ہے۔ اسی طرح ہر متجاوز پر شریعت کی وجہ سے احتساب کیا۔

---

[1] ابن قیم: أبو عبداللہ شمس الدین محمد بن أبي بکر ابن القیم الجوزیہ، کثیر التصانیف حنبلی فقیہ، داعی، واعظ، مفسر، متکلم، محقق اور امام ابن تیمیہ کے خاص شاگرد ہیں۔ ۶۹۱ھ دمشق میں پیدا ہوئے اور ۷۵۱ھ فوت ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ، 14/234)

[2] محمد بن أبي بکر ابن قیم الجوزیۃ (المتوفی: 751ھ)، إعلام الموقعین عن رب العالمین، تحقیق: محمد عبد السلام إبراہیم، دار الکتب العلمیۃ - بیروت، 1411ھ - 1991م، 2/121

[3] مسند ابوداود، باب البراء ابن عاذب، 2/95، ح: 761

[4] مسند امام احمد، 32/352، مسند ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، ح: 19581

۳۔ مسلمانوں کے لیے مہربانی اور محبت:۔

ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[1]

ترجمہ: مومن مرد و عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ نیکی کا حکم کرتے اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔

موالات ایمان والوں کی صفات میں سے ہے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ثابت ہوتی ہے اور اس میں محبت و نصیحت کا مفہوم ہے، امام ابن تیمیہ مذکورۃ آیت کے متعلق فرماتے ہیں۔

" فَبَيَّنَ سُبْحَانَهُ أَنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ خَيْرُ الأُمَمِ لِلنَّاسِ"[2]

یہ امت اسلامیہ لوگوں کے لیے بہترین امت ہے، ان کا نفع اور احسان انہی کے لیے ہے کیونکہ وہ کامل طور پر لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں اور اس امر کی قدردانی بھی کرتے ہیں اور یہ مخلوق کے لیے کمال نفع ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے احتساب کا یہ اہم پہلو ہے کہ آپ کے احتساب میں لوگوں کے لیے محبت اور مسلمانوں کے لیے رحمت ہوتی تھی۔

مثال نمبر ا۔ خالد بن ولید کو جب قنسرین کی امارت سے معزول کیا اور احتساب کیا تو فرمایا۔

"وَإِنَّكَ عِنْدِي لِعَزِيزٌ"[3]

تم میرے عزیز ہو۔

اس کے بعد میری طرف سے آپ کو کوئی ایسا حکم نہیں ملے گا۔

جس سے آپ ناراض ہوں یا اسے اچھا نہ سمجھتے ہوں۔

مثال نمبر ۲۔ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ میں نے قتل کیا ہے کیا میرے لیے توبہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔

" نَعَمْ،فَلاَ تَيْأَسَ "[4]

ہاں توبہ ہے، ناامید نہ ہو۔

آپ کے اس قول میں اس شخص کے لیے رحمت اور اچھائی کی ترغیب ہے۔

---

[1] سورۃ التوبہ: 9/71

[2] تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم ابن تيمية الحراني الحنبلي الدمشقي (المتوفى: 728ه)، الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد - المملكة العربية السعودية، 1418ه، 1/7

[3] تاریخ ابن کثیر (البدایۃ والنہایہ)، 7/131

[4] مصنف ابن ابی شیبہ، 5/434، ح: 27748

۴۔ اللہ کی ذات اور اس کی مدد پر کامل بھروسہ ویقین:۔

حضرت عمرؓ کو ادراک تھا کہ خیر و بھلائی اللہ عزوجل کے قبضہ قدرت میں ہی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے نصرت و تمکین کا وعدہ فرمایا ہے، اسی لیے ان کا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہیں چنانچہ آپ نے عساکر اسلام کے لیے خط لکھوایا، جس میں یہ قول بھی ہے کہ۔

" وَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَيْسَ بِالْجَمْعِ الْكَثِيرَ كُنَّا نهزم الجمعُ الكثيرُ"[1]

جان لو کہ یہ مجمع کثیر کے لیے نہیں کہ ہم بہت سے لشکروں کو شکست دیں، اللہ تعالیٰ بڑے لشکروں کی مدد نہیں فرماتا پس تو کمزور اور سست ہو گیا، تو نے بزدلی اختیار کی، بلکہ اللہ تعالیٰ اس چھوٹی جماعت کی مدد فرماتا ہے جس میں اس کے نیک بندے ہوں، اگرچہ ان کی تعداد کم ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کو دشمنوں کی کثیر تعداد پر فتح دیتا ہے۔ حضرت عمرؓ احتساب کرتے ہوئے اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے، نہ ہی ظالم کو آزاد چھوڑتے مبادا کہ وہ کسی پر ہاتھ اٹھائے یا اس پر کوئی ہاتھ بڑھائے، نہ ہی مہاجر کو اس کے گناہ و نافرمانی کی وجہ سے چھوڑتے، نہ ہی جاہل کو اس کی جہالت کی وجہ سے چھوڑتے تھے بلکہ وہ اپنے ہاتھ سے سب کو سیدھا کرتے تھے اور ہر معاملے میں اللہ ہی کی ذات پر، اسی کی نصرت و تائید پر اعتماد کرتے تھے کیونکہ مدد تو صرف اللہ ہی کی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ضرور اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اللہ کی مدد کرتا ہے بیشک اللہ صاحب قوت اور غالب ہے۔

۵۔ شورائیت:۔

یہ حکومت الٰہیہ و اسلامیہ کے بنیادی اصول و قواعد میں سے ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اسی کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾[3]

یعنی وہ آپسی معاملات میں مشاورت کرتے ہیں۔

---

[1] محمد حمید اللہ الحیدر آبادي الهندي (المتوفى: 1424ه)، مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة، دار النفائس-بيروت- 1407ه، 472/1

[2] سورۃ الحج: 40/22

[3] سورۃ آل عمران: 159/3

اسی لیے عمرؓ مشورہ طلب کرتے تھے اور ان کے احتساب کے مطابق لوگوں سے رائے پوچھی جاتی تھی یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں سے بھی مشورہ کرتے تھے اور قاصد بھیج کر عساکر سے بھی مشورہ طلب کرتے تھے[1]۔

۶۔ بہترین نگرانی اور غور وفکر:۔

متابعت وتحری اور معلم کا دوام المراقبہ ہونا عمرؓ کے احتساب کے منہج کی اہم علامت ہے کیونکہ اس میں ملکی امور کی مکمل دیکھ بھال ہے چاہے یہ مراقبہ انفرادی طور پر ہو یا جماعتی صورت میں اور نہ ہی اس امر سے ریاستی امور کا حسن اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسی اہم ذمہ داری زائل ہوتی ہے بلکہ عمرؓ کے احتساب میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر بنیاد تھے اسی طرح آپ نے اپنے قول اور ذاتی رائے سے کبھی احتساب پر دلیل نہیں لی جیسا کہ آپ کا قول ہے۔

" إِنَّ اللهَ ابْتَلَانِي بِكُمْوَابْتَلَاكُمْ بِي "[2]

بیشک اللہ نے تمہارے ذریعے مجھے اور میرے ذریعے تمہیں آزمایا ہے اور اللہ کی قسم تمہارے امور میں کوئی چیز میرے پاس موجود نہیں اور نہ ہی کوئی چیز مجھ سے غائب ہے۔

آپؓ کا معمول تھا کہ وہ نماز پڑھ کر بیٹھ جاتے اور جس سے چاہے بات کرتے یعنی آپؓ کے سامنے نہ کوئی حجاب تھا اور نہ ہی آپ کے سامنے پیش ہونے کے لیے کوئی رکاوٹ تھی۔[3]

۷عدل وانصاف:۔

خلافت راشدہ کی عمومی اور آپؓ کی خلافت کی خصوصی خوبی عدل وانصاف کی آسان انداز سے فراہمی اور عدل وانصاف کا پرچار تھا یہی وجہ ہے کہ آپؓ کے منہج احتساب کی بھی یہ علامت ہے کہ آپؓ نے عدل کی بالادستی کے لیے مسلمانوں اور معاہدین کے ساتھ عدل انصاف کیا جیسے خود عدالت کے وصف جلی سے معروف تھے ایسے ہی اپنے عمال ونائبین کو بھی عدل کرنے کی تلقین کرتے تھے اور اپنے عمال کی دست درازیوں کے بارے چھان بین کرتے اور شکایات سنتے تھے ،اگر کسی بھی ماتحت عامل وذمہ دار کی شکایت موصول ہوتی تو اس کا بھی عدل کے ساتھ احتساب کرتے تھے چنانچہ آپؓ کا ارشاد ہے: اہل امصار اسلام کی چادر اور مال کے واجبات میں دشمن کا غصہ

---

[1] سنن کبریٰ للبیہقی، باب مشاورة الوالی والقاضی فی الامر، 10/187، ح:20305

[2] مصنف عبدالرزاق، 11/326

[3] تاریخ طبری، 5/17

ہیں۔[1] اسی طرح آپ اغنیا و فقرا، اطفال و نساء سب کا احتساب عدل کے ساتھ کرتے تھے اور اس بارے ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

اس فصل میں دو ابحاث مذکور ہیں، مبحث اول میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احتساب کی خصوصیات اور مبحث دوم میں آپ کے نظام حسبہ کی علامات ذکر کی گئی ہیں۔ خصوصیات یہ ہیں: احتساب سے پہلے وضاحت کر دینا اور ثابت کرنا، زور دینا اور سرعت سے کام لینا، نرمی و شفقت اور آسانی۔ علامات یہ ہیں: اللہ کے دین لیے غیرت کھانا اور محرمات سے بچنا، اللہ کی شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، مسلمانوں کے لیے مہربانی و محبت، اللہ کی ذات اور اس کی مدد پر کامل بھروسہ و یقین، شورائیت، نگرانی و غور و فکر، عدل و انصاف۔

[1] الاموال لابی عبید، ص:166

فصل دوم

محتسب اور محتسب علیہ کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ سے استفادہ

محتسب اور محتسب علیہ کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ سے استفادہ

ابواب سابقہ اور ان کی فصول میں احتساب کا مفہوم ،ضرورت واہمیت اور اس کے معاشرتی اثرات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احتساب ،ان کا احتسابی دائرہ کار ،احتسابی طریقہ کار ،احتسابی وسائل ،احتسابی اوصاف اور ان کے احتساب کے معاشرتی اثرات وغیرہ کو بتفصیل بیان کر دیا گیا ہے اس باب کی فصل اول میں عمر رضی اللہ عنہ کے منہج احتساب کی خصوصیات وعلامات ذکر کی ہیں جس سے عصر حاضر میں ان کے احتساب کرنے کے عمل وطریقہ کار کا مکمل نمونہ واضح ہو چکا ہے اور وہ فوائد بھی عیاں ہو چکے ہیں جن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے ،اس لیے اس فصل میں آپؓ کے منہج حسبہ سے وجوہ استفادہ ذیل میں دو ابحاث کے طور پر نقل کی جائیں گی۔

محتسب کے لیے وجوہ استفادہ

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق گزارے۔ اگر سنت نبوی سے اعراض کیا جائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ ایسے قبیح افعال کی صورت میں نکلے گا جس سے پورا معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے گا اور جو مسلمان کو اللہ کی طرف سے دنیا و آخرت میں اعزازات سے نوازا گیا ہے، ان تمام انعامات واعزازات سے محروم کر دیا جائے گا۔ آج کے مسلمان اور قرون اولیٰ کے مسلمان کے احوال کا موازنہ کیا جائے تو فرق واضح ہے یہی وجہ ہے کہ آج جیسے فرد کی انفرادی زندگی خلفشار، ظلم وجور، فسق وفجور سے بھری پڑی ہے ایسے ہی اجتماعی نظام کی حالت بھی ہو چکی ہے کیونکہ اجتماعی نظام افراد ہی سے تشکیل پاتے ہیں۔ چنانچہ آج کا نظام حسبہ اور خلافت راشدہ کا نظام حسبہ ایک جیسا نہیں اگرچہ دونوں کے مقاصد برائی کو مٹانا اور بھلائی کو فروغ دینا ہی ہیں لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نتائج حاصل نہیں ہوتے جو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ سے حاصل ہوئے تھے، اس مبحث میں ان وجوہ اور اہم امور کو بیان کیا جائے گا جو کہ ایک محتسب کے لیے جناب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حسبہ میں بہترین نمونہ ہیں کہ اگر ان وجوہ سے استفادہ کیا جائے تو آج بھی نظام حسبہ خلافت راشدہ جیسا ہو سکتا ہے اور معاشرے کی اصلاح انہی خطوط پر کی جا سکتی ہے۔ ذیل میں وہ وجوہ استفادہ مذکور ہیں۔

(الف) ایمان کامل اور ذات خداوندی پر مکمل بھروسہ:۔

محتسب تقدیر پر اور اللہ پر کامل ایمان رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ثقہ بھی ہو اور اس کا مقصد اجتماعی اصلاح اور اشاعت خیر ہو۔ محتسب کے فعل سے اذیت وتکلیف دور ہو اور ان تمام امور مہمہ پر صرف اللہ تعالیٰ سے اجر کا طلب گار رہے جیسا کہ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کا طرز عمل تھا چنانچہ آپ کبھی اپنے قلب کو ایمان سے مضبوط کرنے کے لیے اللہ کی طرف بلاتے ایمان ویقین کی پختگی کی تلقین کرتے، لوگوں کے اختلافات وخصومات کا تصفیہ کرتے اور اصلاح معاشرہ کے لیے اقدامات اٹھاتے تھے اور ان تمام امور مہمہ میں صرف اللہ ہی پر ایمان ویقین کرتے اور دنیا و آخرت کی فلاح کے طلبگار رہتے تھے۔ اگر آج بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے دور کے محتسبین کی طرح ایمان کامل اور ذات باری جل جلالہ پر بھروسہ رکھنے والے محتسب بنائیں جائیں یا ایسے ہی لوگوں کا بطور محتسب انتخاب کیا جائے جن میں یہ خوبی ہو تو نہ صرف احتسابی عمل اچھی طرح نبھایا جا سکتا ہے بلکہ معاشرہ بھی اصلاح پا سکتا ہے۔

(ب) اوامر ومنہیات شرعیہ سے گہری واقفیت:۔

محتسب کو اوامر شرعیہ ومنہیات الٰہیہ سے مکمل واقفیت ہونی چاہیے اور اس بارے علم ویقین کو علمی مجالس سے تقویت دیتے رہنا چاہیے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ محتسب کتاب وسنت اور ان سے اخذ شدہ تعلیمات کے فہم وادراک کے لیے جستجو کرتا رہے اور اصحاب علم وفن سے مجالس منعقد کرے اور مشاورت کرتا رہے اور اپنے قول

وعمل میں مطابقت پیدا کرے جیسا کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل تھا چنانچہ انہوں نے یہود کا احتساب کرتے ہوئے انہیں مدینہ سے نکال دیا مفتوحہ زمینوں کو تقسیم کرنے کے بجائے اصل حالت میں رہنے دیا اس کے علاوہ جو بھی امور تھے وہ کتاب وسنت کے وسیع علم کی روشنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشمہ ہدایت سے فیض یافتہ لوگوں کی آرا ومشاورت سے حل کیے اسی طرح تمام منکرات پر کتاب وسنت کے کامل علم وفہم کے ذریعے ہی احتساب فرماتے تھے۔امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

معروف ومنکر کا علم ہونا، ان کے درمیان تمیز کرنے کا علم اور تمام اوامر ومنہیات کے احوال سے واقفیت ضروری ہے۔عصر حاضر میں امور احتساب اور ان سے متعلق عدم علم ہی سب سے زیادہ نقصان دہ ہے جس کی وجہ سے شکوک شبہات پیدا ہوئے، اوامر چھوٹ گئے، اور جس چیز میں اللہ نے وسعت رکھی تھی اسے مقید کر دیا گیا اور جن امور سے اللہ تعالی نے منع کیا تھا ان سے رکنے میں غفلت پیدا ہوئی۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منتخب شدہ عمال شریعت کے عالم اور باعمل لوگ ہوا کرتے تھے جیسا کہ مکہ مکرمہ کی ولایت پر نافع بن حارث کو غلام ہونے کے باوجود مقرر کیا کیونکہ آپ قاری قرآن، علم میراث کے عالم اور قاضی بھی تھے۔

(ج) آداب احتساب سے واقفیت اور آداب کا پاس ولحاظ:۔

محتسب کے لیے ضروری ہے کہ وہ آداب احتساب سے واقف ہو اور ان آداب سے تجاوز نہ کرے محتسب سے تجسس نہ کرے لوگوں کے گھروں کی چھتوں پر نہ چڑھے نہ ہی لوگوں کے گھروں میں جھانکے جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ آداب احتساب کا لحاظ کرتے ہوئے ان امور سے بچتے تھے۔اسی طرح احتساب سے پہلے تحقیق وثبوت کو بروئے کار لائے تاکہ کسی پر کوئی ظلم وزیادتی نہ ہو اور حق سے متجاوز نہ ہو۔اسی طرح اپنی ذات کو احتساب سے مبرا نہ سمجھے بلکہ اپنی ذات پر احتساب کے لیے بھی تیار رہے، دوسرے کی نصیحت کو قبول کرے اور گناہ کے آگے اپنی عزت وعہدہ کو ڈھال نہ بنائے کیونکہ محتسب بھی بشری تقاضوں کے ساتھ گناہ میں ملوث ہو سکتا ہے اور انبیا کے علاوہ کوئی انسان معصوم نہیں جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنی رعایا سے اپنے بارے احتساب کے لیے تیار رہتے اور عوام کی نصح اور احتساب کو قبول کرتے تھے۔

---

[1] الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، 19/1

(د) اخلاق فاضلہ سے متصف ہونا:۔

محتسب کو اخلاق کریمہ جیسے تواضع وانکسار سے متصف ہونا چاہیے کیونکہ لوگ اپنی حقارت وذلت اور اپنی شان کی تنقیص کو قبول نہیں کرتے اگرچہ بات حق وسچ ہی ہو بلکہ اپنی عزت کو گناہ کے آگے ڈھال بناتے ہیں اس لیے محتسب کو عوام کے ساتھ تواضع وانکسار سے پیش آنا چاہیے اور تحقیر وتذلیل سے اجتناب کرنا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ کی خصوصیات میں گزر چکا ہے کہ آپ عقائد، عبادات اور اخلاق میں احتساب کرتے ہوئے سب سے پہلے آپ اپنے ذاتی اسوہ کو بہترین انداز میں پیش کرتے تھے چنانچہ آپ عدل، ایثار و قربانی، زہد وتقویٰ، تواضع و انکساری جیسی صفات سے متصف تھے۔ انہی صفات کی بدولت یہ وقت بھی آیا کہ خطاکار بذات خود آپ کے سامنے احتساب کے لیے حاضر ہو جاتا تھا۔

(ر) حکمت ووسعت ظرفی کا عملی نمونہ:۔

محتسب کو حکمت سے بھرپور، ضبط نفس کا پیکر، وسعت صدر، بردباری واحسان کا مالک ہونا چاہیے کیونکہ لوگوں کی حاجات پورا کرنے لیے بسااوقات ضبط نفس، ہمیشہ حکمت اور وسعت ظرفی کی ضرورت ہوتی ہے اور لوگوں کی جہالت کو بردباری واحسان سے ختم کیا جاسکتا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی صفات عالیہ ہیں کہ ظلم وستم کو بردباری واحسان سے سہتے اور اپنی قوم کے لیے دعا کرتے ہوئے فرماتے۔

(اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ)[1]

اے اللہ میری قوم کو معاف فرما کیونکہ یہ جانتے نہیں ہیں۔

ایسے ہی محتسب کو ہونا چاہیے کیونکہ محتسب اعلیٰ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے اور احتساب کا عمل آپ کی سنت مطہرہ سے جڑا ہوا ہے۔

محتسب دعوی کی نوبت سے پہلے گلیوں اور بازاروں میں جا کر جائزہ لگائے کہ کسی مکان سے شراب پینے کی وجہ سے ناگوار بو تو نہیں آرہی، اگر ایسا ہو تو وہ اسے خود توڑ دے، راتوں کو جا کر کھوج لگائے کہیں سے طبلے سارنگی کی آواز تو نہیں آرہی اگر ایسا ہو تو آلات موسیقی برآمد کرے اور ضروری ہے کہ وہ انہیں موقع پر ہی توڑ دے۔ یہ باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے نظام حسبہ کے اصولوں سے اخذ کی گئی ہیں جو وضاحت سے بیان کی جاچکی ہیں کہ آپ بازار جاتے تھے بذات خود محتسب کا کام کرتے تھے، گلی محلوں میں جا کر مسلمانوں کے احوال سے از خود باخبر رہتے تھے۔

---

[1] صحیح البخاري، کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، 8/28، ح:6114

(س) قول و فعل میں مطابقت:۔

محتسب کو اپنے دیئے گئے حکم کے موافق اپنے عمل اور طریقہ کو بنانا چاہیے تاکہ اس کے قول کی اس کا عمل تصدیق کرے کیونکہ لوگ محتسب کے اوامر اور اس کے ظاہری عمل کی مطابقت کو دیکھ کر احتساب کو قبول کرتے ہیں اگر محتسب کے قول و عمل میں مطابقت ہو تو لوگ محتسب اور اس کے عمل کو محبوب سمجھیں گے اور اس طرح معاشرہ کی اصلاح آسان ہو گی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت مطاہرہ ہے کہ آپ کے قول و عمل میں ایسی مطابقت تھی کہ کسی نے آپ کے اخلاق کے بارے ام المومنین سے پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

(كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ، أَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ)[1]

رسول اللہ کا اخلاق قرآن ہے، کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔

یعنی آپ کا عمل قرآن مجید کے عین مطابق تھا۔

اگر عالم اپنے حاصل کردہ علم کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس کی عظمت و توقیر لوگوں کے دلوں سے مٹ جاتی ہے۔ ایسے ہی احتسابی عمل میں محتسب کے قول و فعل کا حال ہے کہ اگر محتسب اپنے قول کو اپنے عمل سے ثابت نہیں کرتا تو احتساب کی عظمت لوگوں کے دلوں میں نہیں رہے گی اور عمل احتساب مشکل ہو گا لیکن اگر اس کے قول و فعل میں مطابقت ہے تو لوگ احتساب کو قبول کریں گے اور نظام احتساب بہتر بنے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس چیز کا حکم کرتے تھے خود اس پر عمل بھی کرتے تھے جیسا کہ آپ کا سفر شام پر آپ کے استقبال کے لیے انتظام کیا گیا تو آپ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم ذلیل و حقیر تھے مگر اللہ نے تمہیں اسلام کے ذریعے عزت دی تو تم ان چیزوں کے ذریعے عزت طلب کرنا چھوڑ دو ورنہ اللہ تمہیں ذلیل کر دے گا۔ یہاں آپ نے یہ پیغام دیا کہ ظاہر اور باطن ایک جیسا ہونا چاہیے۔

محتسب کا میدان عمل:۔

محتسب کو چاہیے کہ نماز سے غفلت برتنے والوں کو مسجد میں لائے بغیر نہ چھوڑے، عبادت میں کوتائی کرنے والوں کو حکمت اور نرمی سے عبادت کا شوق دلائے حسب ضرورت سخت کارروائی بھی کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسوہ سے معلوم ہوتا ہے۔

شاہراہوں کی نگرانی کرنا، بازار میں خرید و فروخت کے دوران خواتین اور مرد کا اختلاط نہ ہونے دینا، مشکوک حرکات پر نظر رکھنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بازار اور عوامی راستوں پر محتسب کا وجود اسی طرح معمولی بات تھی جیسے تاجر اپنی اپنی دکانوں پر معمول کے مطابق کام کرتے تھے۔

---

[1] مسند امام احمد، 41/148، مسند الصدیقۃ عائشۃ بنت الصدیق رضی اللہ عنہما، ح:24610

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی محتسب کے فرائض انجام دیتے تھے بازار کو ملاوٹی سامان سے پاک کر کے مسلمانوں کے لیے صحت بخش غذا، خالص اشیاء کی فراہمی کو ممکن بنا رکھا تھا۔ جبکہ ہمارے ہاں یہہ کام صحافت کر رہی ہے نہ جانے یہ حقیقت پر مبنی بیانات ہوتے ہیں یا صرف الزامات جن سے کسی کو بلیک میل کیا جاتا ہے۔ بہر حال ان کے لکھنے اور بولنے سے تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ عہد فاروقی میں نظام حسبہ اتنا مؤثر تھا کہ ہر شخص چوکنا سوتا تھا۔ محتسب کے ڈر سے محلے اور بازار ان تمام بیماریوں سے پاک تھے، ہر کوئی جانتا تھا کہ ہمارے اوپر نگرانی کرنے والے دیانتدار افراد موجود ہیں۔

محتسب علیہ کے لیے وجوہ استفادہ

ایک اچھے نظام کے لیے ضروری ہے کہ جن افراد کو اس نظام سے مربوط کیا جائے یا جو افراد کسی بھی طرح اس نظام سے منسلک ہوں ان کے بارے میں گہری واقفیت ،ان کی صلاحیتوں کا ادراک اور ان سے گہری وابستگی ہو۔نظام حسبہ ہو یا کوئی بھی اجتماعی نظام یا ادارتی سسٹم ،اس کے سربراہ کے لیے لازم ہے کہ وہ ادارتی و اجتماعی نظام سے منسلک افراد کے بارے واقفیت تامہ رکھتا ہو تا کہ ادارے یا نظام کو چلانے میں آسانی پیدا ہو اور افراد نظام کو دل وجان سے قبول کر سکیں۔اس بحث میں ان وجوہ کو بیان کیا جائے گا جو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے منہج سے محتسب علیہ کے لیے مستنبط ہیں یعنی اگر ان امور سے واقفیت حاصل کرلی جائے تو محتسب علیہ آسانی سے احتساب کو قبول کرلیتا ہے۔ذیل میں ان وجوہ کو بیان کیا جاتا ہے۔

(الف) محتسب علیہ کی طبیعت وصلاحیت سے واقفیت حاصل جائے:۔

محتسب علیہم یعنی عوام الناس کی طبائع مختلف ہوتی ہیں ان کے نظریات و تفکرات بھی مختلف ہوتے ہیں اور تاثرات کو قبول کرنے کی صلاحیتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں بلکہ بعض لوگ صحیح بات کو اس وقت تک نہیں قبول کرتے جب تک اس بارے میں سوالات نہ کریں یا اپنے طور پر اس سے متعلق معلومات نہ لے لیں،کچھ لوگ صرف ترہیب یا ترغیب سے ہی راہ راست پر آجاتے ہیں جبکہ بعض لوگوں کو ترہیب وترغیب دونوں کی ضرورت ہوتی ہے،بعض لوگ ترغیب وترہیب سے درستی کی طرف نہیں آتے تو ان کے ساتھ اس سے زیادہ سخت اقدامات کیے جاتے ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ احتساب سے پہلے لوگوں کی طبائع اور اثر قبول کی صلاحیت کو پرکھ لیا جائے اور ان سے مکمل واقفیت حاصل کرلی جائے تاکہ احتساب کے عمل میں آسانی ہو۔جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ وہ محتسب علیہم کے بارے پہلے تحقیق کرتے تھے اور ان کے متعلق مکمل واقفیت حاصل کرتے تھے پھر احتساب کرتے تھے۔اگر آج بھی اس طرز عمل کو اپنایا جائے تو محتسب اور نظام احتساب کے لیے لوگوں کے دل کشادہ ہو جائیں اور لوگ احتساب کو بخوشی قبول کریں گے۔

(ب) محتسب علیہم کے جرائم کی نوعیت کے مطابق بتدریج مواخذہ:۔

لوگوں کی خطاوں پر غصہ ہونا اور ان خطاوں کو دور کرنا،کیونکہ اس طرح گناہگار وخطاکار کی اصلاح کرنا آسان ہوجاتی ہے یا منکرات کے حسب حال فیصلہ کرنا آسان ہوجاتا ہے چنانچہ عمرؓ کا یہی طرز عمل تھا آپؓ حدود کے معاملات میں شبہات کو دور کرتے تھے اور پوشیدہ اسرار کے پیچھے پڑنے سے منع کرتے تھے،سب سے پہلے گناہگار کو توبہ کرنے کی تلقین کرتے تھے پھر اگر ایسا جرم ہو جو توبہ سے ہی مٹ جائے تو اس پر کوئی سختی نہ کرتے تھے اور اگر جرم سخت ہو تو اس پر مزید احتساب کرتے تھے۔اگر آج دیکھا جائے تو عمل احتساب میں اس کا فقدان پایا جاتا ہے کبھی

تو مجرم بہت بڑا ہو تا ہے، جرم انتہائی قبیح ہو تا ہے مگر مجرم کا احتساب نہیں کیا جاتا یا اسے معمولی مواخذہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی چھوٹی سی غلطی پر سخت سزا سنائی جاتی ہے جس سے جرم میں کمی آنے کے بجائے مجرم کے لواحقین کے دلوں میں یا مجرم کے دل میں کینہ وبغض اور انتقام کی آگ بھڑک جاتی ہے جس کی وجہ سے مجرم یا تو مخصوص ادارے یا ریاست سے ہی بغاوت کرنا شروع ہو جاتا ہے، لیکن اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرز احتساب کو اپنایا جائے یعنی جرم کی نوعیت کے مطابق احتساب کیا جائے تو بہتری لائی جاسکتی ہے۔

(ج) محتسب علیہ کو وعظ و نصیحت کرتے رہنا:۔

لوگوں سے مجرم و مخطی کے بارے پوچھ گچھ کرنا جیسے اوقات نماز میں مسجد میں غیر حاضری پر پہلے لوگوں سے استفسار کیا جائے یا زکاۃ کی ادائیگی کے لیے لوگوں کو نصیحت کرنا، یا صدقہ وجہاد اور دوسرے امور خیر کے لیے بار بار نصیحت کرنا اور ان میں کوتاہی کرنے والوں کے بارے معلومات اکٹھی کرنا لوگوں سے پوچھ گچھ کرنا کیونکہ انسان بھول جاتا ہے اور اس کے دل ودماغ پر جہالت کا پردہ پڑ جاتا ہے تو نصیحت ووعظ سے جہالت دور ہو گی اور اصلاح کا کام آسان ہو جائے گا جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بازاروں میں پھرتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے نیکی کے لیے وعظ کرتے تھے۔

(د) محتسب علیہم سے نرمی اور سہولت کو مد نظر رکھنا:۔

لوگوں کے لیے نرمی پیدا کرنا اور بشارتیں سنانا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(يَسِّرُوا ولا تُعَسِّرُوا ، وبَشِّرُوا ولا تُنَفِّرُوا)[1]

ابن حجر فرماتے ہیں اس سے مراد ابتدا میں سختی نہ کرنا ہے، اسی طرح گناہوں پر ڈانٹ میں بھی نرمی ہونی چاہیے تاکہ وہ اسے قبول کرے۔ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ کی خصوصیات میں سے یہ بھی بیان ہوا کہ آپ نرمی، شفقت اور سہولت کو مد نظر رکھتے تھے چنانچہ نافع سے فرمایا تھا کہ اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لیے زینت اختیار کی جائے اور ایسے ہی نابینا آدمی کے لیے ایک رہبر مقرر کیا جو اسے مسجد تک لے کر جاتا تھا۔

---

[1] مسند ابوداود الطیالسی، 3/560، حدیث:2199

اس فصل میں دو ابحاث کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہج احتساب سے وجوہ استفادہ ذکر کی گئی ہیں۔ بحث اول میں محتسب کے لیے وجوہ استفادہ یہ مذکور ہیں: ایمان کامل اور ذات خداوندی پر مکمل بھروسہ، اوامر و منہیات شرعیہ سے گہری واقفیت، آداب احتساب سے واقفیت، اخلاق فاضلہ سے متصف ہونا، حکمت و وسعت ظرفی کا عملی نمونہ اور قول و فعل میں مطابقت۔

دوسری بحث میں محتسب علیہ کے لیے وجوہ استفادہ یہ مذکور ہیں: محتسب علیہ کی طبیعت و صلاحیت سے کامل واقفیت حاصل کی جائے، محتسب علیہم کے جرائم کی نوعیت کے مطابق مواخذہ کیا جائے، محتسب علیہ کے بارے تحقیق کی جائے اور محتسب علیہم سے نرمی و سہولت کو مد نظر رکھا جائے۔

اگر ان امور کو احتساب کے عمل میں اپنایا جائے یا ان خطوط پر احتساب کے نظام کو قائم کیا جائے تو محتسب علیہ احتساب کو بآسانی قبول کرے گا اور نظام احتساب کی اہمیت بڑھے گی، احتساب سے معاشرہ برائی سے پاک ہو سکے گا۔

فصل سوم

مروجہ احتساب میں آپؐ کے منہج حسبہ سے استفادہ

معاصر نظام حسبہ اور اس کے ادارے

نظام حسبہ جیسا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اہم ترین اور ہمہ جہت نظام اوائل اسلام یا خلافت راشدہ میں تھا وہ آج اس طرح نہیں رہا بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور جو خاص الخاص احتساب یا حسبہ کا لفظ معاصر نظام میں صرف مالی جرائم کے لیے مقرر ہے بہر حال یہاں اختصار کے ساتھ ذیل میں کچھ اداروں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ عدلیہ یا شعبہ قانون وانصاف:۔

عدلیہ کا نظام تمام جرائم کی روک تھام کے لیے پاکستان اور تمام دنیا میں قائم ہے۔ نظام عدلیہ کو بہتر بنانے اور عوام کو سستہ انصاف فراہم کرنے کے لیے پاکستان میں ہر تحصیل میں سیشن کورٹ، ڈسٹرکٹ کورٹ، صوبائی سطح کی سب سے بڑی عدالت ہائی کورٹ اور پوری ریاست کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ قائم کی گئی ہے اور تمام مقدمات میں سہولت کے پیش نظر اور انصاف کی تشفی کے لیے کوئی بھی شخص سیشن کورٹ میں عدم تسلی پر درجہ بدرجہ بالائی عدالتوں میں درخواست دائر کر سکتا ہے۔ عدلیہ ہی کے ماتحت وفاقی شرعی عدالت بھی قائم ہے جس میں عمومی طور پر شرعی مقدمات جیسے نکاح وطلاق، حدود وقصاص کے مقدمات فیصل ہوتے ہیں جبکہ ریاست آزاد جموں وکشمیر کی ہر سیشن کورٹ میں فوجداری مقدمات کے لیے باقاعدہ قضاہ کا تقرر کیا جاتا ہے اور جج اور قاضی دونوں مقدمات کے فیصلوں میں ایک دوسرے سے مشاورت کرتے ہیں۔ اگرچہ عدلیہ کا نظام لوگوں کو انصاف فراہم کرنے اور جرائم کی روک تھام کے لیے بنایا گیا ہے مگر ہمارے نظام عدلیہ میں عموما انصاف سستا اور جلد فراہم نہیں ہوتا بلکہ ایک چھوٹے سے مقدمے پر کئی سال بیت جاتے ہیں اس کے علاوہ سیاسی عمائدین بھی کمزور طبقے یا مظلوم پر مقدمہ ختم کرنے کے لیے دباو ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے انصاف فراہم نہیں ہو پاتا یا انصاف کی فراہمی میں زیادہ وقت صرف ہو جاتا ہے۔ ججز مقدمات کے فیصلے سنانے میں سیاسی دباو کا شکار بھی ہوتے ہیں اس لیے عصر حاضر میں اس نظام کو بہتر بنانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور خلافت راشدہ کے نظام تربیت سے استفادہ کی اشد ضرورت ہے جسے مبحث دوم میں ذکر کیا جائے گا۔

۲۔ قومی احتساب بیورو یعنی NAB:۔

The National Accountability Bureau is Pakistan's apex anti-corruption organization .It is charged with the responsibility of elimination of corruption through a holistic approach of awareness, prevention and enforcement .It operates under the National

Accountability Ordinance-1999. With it headquarter at Islamabad, it has seven regional offices at Karachi, Lahore, Peshawar, Quetta, Rawalpindi, Multan and Sukkur .It takes cognizance of all offences falling within the National Accountability Ordinance (NAO)[1].

ترجمہ: قومی احتساب بیورو پاکستان کا سب سے بڑا انسداد بدعنوانی کا ادارہ ہے۔ اس پر بیداری، روک تھام اور نفاذ کے جامع نقطہ نظر کے ذریعے بدعنوانی کے خاتمے کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ یہ قومی احتساب آرڈیننس 1999 کے تحت کام کرتی ہے۔ اس کا صدر دفتر اسلام آباد میں ہے، اس کے کراچی، لاہور، پشاور، کوئٹہ، راولپنڈی، ملتان اور سکھر میں سات علاقائی دفاتر ہیں۔ اس میں قومی احتساب آرڈیننس (این اے او) کے تحت آنے والے تمام جرائم کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

یہ ادارہ خصوصی طور پر مالی بدعنوانیوں اور کرپشن کے خاتمے کے لیے 2000ء میں تشکیل دیا گیا تھا اور اس میں خاص الخاص حکومتی عہدے داروں کے مقدمات کی تحقیقات کی جاتی ہیں اور جرم کے مطابق سزائیں دی جاتی ہیں، کرپشن کیا گیا مال واپس لینے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہ یہ ادارہ اگرچہ اچھے مقاصد کا حامل ہے مگر نہ تو مالی بدعنوانی دور کی جا سکی اور نہ ہی لوٹی گئی رقم واپس لی جا سکی بلکہ اس ادارے کو طاقت وروں کا کٹ پتلی بنا دیا گیا اور ہر آنے والی حکومت اس کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہے اپنے سیاسی انتقام کے لیے نیب کو استعمال کرتی ہے۔ عرصہ دراز تک اس میں مقدمات کی تحقیق کا عنوان چلایا جاتا ہے مگر پھر کوئی خاص نتائج برآمد نہیں ہو پائے۔

۳۔وفاقی تحقیقاتی ادارہ FIA :۔

A law enforcement agency which not only enjoys the respect of the society, for its integrity, professional competence, and impartiality but also serves as a role model for provincial police forces.[2]

ترجمہ: قانون نافذ کرنے والی ایک ایجنسی جو نہ صرف معاشرے کی سالمیت، پیشہ ورانہ اہلیت اور غیر جانبداری کے لیے عزت حاصل کرتی ہے بلکہ یہ صوبائی پولیس فورس کے لئے ایک ماڈل کے طور پر بھی کام کرتی ہے۔

اس ادارے کا مقصد انسانی سمگلنگ، سائبر کرائمز کی روک تھام ہے اور مالی بدعنوانیوں کو روکنے کے لیے بھی اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر صوبے میں انسداد بدعنوانی کا محکمہ موجود ہے جس کا مقصد ہر طرح کی بدعنوانی کا

---

[1] https://nab.gov.pk/home/introduction, Accessed: Feb 20,2020

[2] http://www.fia.gov.pk/en/vision, Accessed: Feb 15,2020

خاتمہ ہے اور بدعنوانی کے خاتمے کے لیے بدعنوانی کے اسباب کو زیر غور لانا اور تحقیقات کرنا بھی اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔

۴۔ فیڈرل بورڈ آف ریونیو FBR :۔ یہ ادارہ ٹیکس ادا نہ کرنے والوں کے خلاف کاروائی کرتا ہے۔

The Federal Board of Revenue (FBR) is a special government association of Pakistan to investigate money laundering and tax evasion crimes .The FBR works with all individuals and organizations to strengthen tax assessment in the nation[1].

فیڈرل بورڈ آف ریونیو (ایف بی آر) منی لانڈرنگ اور ٹیکس چوری کے جرائم کی تحقیقات کے لئے پاکستان کی ایک خصوصی حکومت ایسوسی ایشن ہے۔ ایف بی آر قوم میں ٹیکس کی تشخیص کو مستحکم کرنے کے لئے تمام افراد اور اداروں کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔

۵۔ انٹیلی جنس بیورو:۔

The Intelligence Bureau (Urduپاکستان ، سررشتہِ سراغرسانی): Reporting name: IB), is a civilian intelligence agency in Pakistan.Established in 1947, the IB is Pakistan's oldest intelligence agency. Appointments and supervision of its operations are authorized by the Prime Minister of Pakistan[2].

ترجمہ: انٹیلیجنس بیورو (اردو: سررشتہِ سراغرسانی، پاکستان)؛ رپورٹنگ کا نام: IB)، پاکستان میں ایک سویلین انٹیلی جنس ایجنسی ہے۔ 1947 میں قائم کیا گیا، آئی بی پاکستان کی سب سے قدیم خفیہ ایجنسی ہے۔ اس کی کارروائیوں کی تقرری اور نگرانی وزیر اعظم پاکستان کے ذریعہ کی جاتی ہے۔

جرائم کی روک تھام یا مالی جرائم کی تحقیقات کے لیے جو بھی ادارے قائم کیے گئے ان کے لیے اضافی امداد یا معاون ادارے کے طور پر قائم کیا گیا ہے۔

۷۔ دیگر احتساب کرنے والے ادارے:۔

عصر حاضر میں پولیس اور فوج کے ادارے جہاں ملک کے داخلی وخارجی مصالح کے تحفظ کے لیے بنائے گئے ہیں اور وہی ان کی ذمہ داریاں بھی ہیں تاہم جب حالات خراب ہو جائیں ، امن واستحکام کو خطرہ ہو، بغاوتوں اور

1 https://www.filer.pk/federal-board-of-revenue, Accessed: jun 15,2020

2 https://en.wikipedia.org/wiki/Intelligence_Bureau_(Pakistan),Accessed: March 18,2020

شورشوں کا زور ہو وہاں افواج اور پولیس کی مدد لی جاتی ہے، علاوہ ازیں پولیس کا ایک اہم کام بھی معاشرتی جرائم کی ابتدائی روک تھام ہے۔

مروجہ احتساب میں آپؓ کے منہج حسبہ سے استفادہ

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نظام حسبہ پر بڑا گہرا اثر ہے یہاں تک کہ نظام حسبہ منسوب ہی آپؓ کی طرف ہے حالانکہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نیکی کے کاموں کا حکم کرتے اور برائیوں سے روکتے تھے۔ ذیل میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ سے معاصر نظام حسبہ کی بہتری کے لیے وجوہ استفادہ بیان کی جاتی ہیں۔

ا۔ احتساب کے لیے ایسے عوامل کا تعین کیا جائے جن سے احتساب میں مدد لی جاسکے:۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں میں تعاون کرنے کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾[1]

نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور برائی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تعاون علی البر ہی تو ہے تو اسواق و شوارع یا دوسرے مقامات پر جو منکرات ظاہر ہوتی ہیں ان کا احتساب کرنا اعوان کے خلل سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ مثلا وعظ وارشاد، اصلاحی خطبات، تعلیم و تعلم کو عام کرنا، اخلاقیات اور نیکی کے کاموں، برائی کے انسداد کے لیے کانفرسیں، پروگرامز تشکیل دیے جائیں تو ان سے احتساب میں مدد لی جاسکتی ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احتسابی نظام میں مختلف وسائل کے استعمال سے معاشرے کو برائیوں سے پاک کیا۔

۲۔ احتسابی عمل میں ترتیب اور تدریج کی اہمیت کا لحاظ رکھا جائے:۔

مراعاۃ التدریج و ترتیب الاولیات عمل احتساب کا اہم رکن ہے، ترتیب التدریج یہ ہے کہ احتسابی عمل سے اصل مقصد اصلاح ہی ہوتا ہے تو اس میں اصلاح کا کام بتدریج جاری رہے، ایسا نہیں کہ یک دم سختی سے احتساب کیا جائے اور ترتیب الاولیات یہ ہے کہ احکام واوامر میں سے جس کا مقام و درجہ مقدم ہے یا جس چیز کی ضرورت مقدم سمجھی جاتی ہے اسے مقدم کیا جائے جیسے سب سے پہلے عقائد کی اصلاح پھر عبادات اور دوسرے احکام و معاملات اور جہاد وغیرہ چنانچہ یہی طرز عمل جناب رسالت مآب ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین کا تھا جیسا کہ آپ ﷺ کی سیرت کا مکی دور صرف عقائد و عبادات کی اصلاح پر گزرا اور مدنی دور میں باقی اعمال کی اصلاح کی گئی۔ عمر رضی اللہ عنہ بھی

[1] سورۃ المائدۃ:5/2

ایسے ہی احتساب کرتے تھے یعنی فرائض وواجبات سب سے پہلے پھر سنن ومستحبات وغیرہ کیونکہ حکمت کا یہی تقاضا ہے۔

۳۔احتساب کے لیے صحیح وقت کا انتخاب کیا جائے:۔

کیونکہ احتساب کے لیے مناسب اوقات کی تعیین اور مناسبت کا جائزہ لینا اس لیے ضروری ہے کہ یہ انسانی دلوں کو پسندیدہ ہے اور اس سے قلوب کو راحت وتسکین ملتی ہے اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ احتساب کے لیے مناسب اوقات کے لیے غور وفکر کرتے تھے تو جب وہ دیکھتے کہ لوگ ذکر اللہ کی طرف مائل ہیں تو اس وقت ذکر وعبادات کی اصلاح کی کوشش کرتے اور اگر جہاد کا موقعہ ہوتا تو جہاد وصدقہ پر ابھارتے اور ان امور کی اصلاح کی کوشش کرتے، اور اگر لوگوں کے کسی کام میں غفلت وکاہلی دیکھتے تو زہد وتقویٰ کی تلقین کرتے جیسا کہ جابر بن عبد اللہ جب گوشت خرید رہے تھے تو ان کے ساتھ معاملہ کیا۔ اسی طرح حذیفہ بن یمان والی یمن کے بارے میں جب خبر ملی کہ انہوں نے عیسائی عورت سے نکاح کر لیا ہے تو انھیں احتسابا طلاق دینے کا حکم کیا تاکہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ مجوسیوں سے نکاح جائز ہے کیونکہ وہ عورت مجوسیوں کے علاقے کی تھی۔

۴۔اسالیب احتساب مختلف اور ایک سے زائد استعمال کیے جائیں:۔

ہر وہ اسلوب جو لوگوں کے راستوں کو متاثر کرتا ہے وہ احتساب کے طرق میں شامل ہے، اسلوب مباشر جیسے ترغیب وترہیب کے ذریعہ اصلاح کرنا، اسلوب غیر مباشر جیسے قدوۃ الحسنۃ اور قول وعمل میں موافقت۔ خرید وفروخت کے معاملات میں عملی طور پر احتساب نہیں ہوتا بلکہ ایسی تربیت کی جاتی ہے جس سے مارکیٹ کی معاملات درست ہو جائیں اور بیع وشرا شریعت اسلام کے مطابق بن جائے، اسی لیے ضروری ہے مارکیٹ کی اصلاح کے لیے مختلف اسالب استعمال کیے جائیں اور ان میں عموم بھی ہو۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسالیب احتساب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قیام حسبہ میں ایک سے زائد طرق اور وسائل کا استعمال کرتے تھے جن میں ترغیب، ترہیب، مجادلہ اور اپنے ہاتھ سے منکر کا خاتمہ کرنا شامل ہیں۔

۵۔وسائل احتساب مختلف النوع ہوں:۔

محتسب کو احتساب کرنے کے مختلف وسائل سے مکمل واقفیت ہونی چاہیے جیسے خطابت، کتابت، وعظ وارشاد، تغییر بالید پر قدرت وغیرہ کیونکہ منکرات بھی کئی قسم کے ہیں اور ان منکرات کی قباحت ونحوست کی شدت بھی مختلف ہوتی ہے، چنانچہ محتسب کو منکر کی حالت کے مطابق اسلوب احتساب اختیار کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل تھا۔ محتسب کو ہر وقت احتساب ومواخذہ کے لیے تیار رہنا چاہیے اور ایسے تیار ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت

مختلف وسائل کو بروئے کار لاسکے تاکہ انسانی اجتماعی زندگی مفاسد سے پاک رہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مختلف وسائل کو بروکار لاتے ہوئے احتساب فرمایا کرتے تھے۔

اگر موجودہ نظام احتساب کو اس نظام حسبہ کے مطابق کیا جائے جو عہد فاروقی میں رائج تھا تو ایسے بہت سارے سرکاری محکموں کو صرف محکمہ احتساب میں ضم کیا جاسکتا ہے۔

محکمہ پولیس:۔

اکثر اسلامی ممالک میں محکمہ پولیس اور شہری حقوق کے دوسرے ادارے مغربی طرز پر کام کر رہے ہیں۔ آج کے دور میں تھانہ، چھاپے، تفتیش اور تشدد امن وامان کو برقرار رکھنے کے لیے ہنگامی اور معمولی ذمہ داریاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے بہت کم تعلق رکھتی ہیں بلکہ یہ صرف محکمانہ کارروائیاں ہیں۔ اگر ان محکموں کو حسبہ کے سپرد کر دیا جائے تو احتساب کے جامع فرائض کا تصور ممکن ہے۔

بلدیہ:۔

بلدیہ کے فرائض بھی حسبہ کے ضمن میں آتے ہیں، گندے پانی کی نکاسی، کھلے ندی نالے اور پینے کا پانی غرض بلدیہ کے جتنے فرائض ہیں وہ حسبہ کے ماتحت ہوں جس کی مثالیں عہد فاروقی کے نظام حسبہ سے ملتی ہیں جیسے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پولیس کا محکمہ قائم کیا جسے احداث کہا جاتا تھا جو زنا وسرقہ جیسے کاموں کی ابتدائی رپورٹ دیتا تھا اور پھر ان کے مقدمات شعبہ قضا کے ذریعے فیصل کیے جاتے تھے۔ "قدامہ کو مالگزاری پر مامور کیا اور ابوہریرہؓ کو پولیس کی افسری کے لیے مقرر کیا اور ان کے ذمہ یہ امور لگائے: دوکاندار ناپ تول میں دھوکہ نہ دینے پائیں، کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادے، شراب اعلانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ"۔[1]

محکمہ تعلیم:۔

محکمہ تعلیم کے فرائض بے شمار ہیں ایسا تو نہیں کہا جاسکتا کہ پورا محکمہ ہی حسبہ کے ماتحت کیا جائے لیکن تعلیم سے متعلق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے کے زمرے میں جتنے شعبے آتے ہیں انہیں حسبہ کی نگرانی میں کر دیا جائے۔ مخلوط نظام تعلیم کی نگرانی کرنا، اقامتی اداروں میں بچوں کی تربیت کا ریکارڈ رکھنا، اس بات کو یقینی بنانا کہ کوئی مدرس شیطان کے بہکاوے میں آکر طالب علم کو جنسی تشدد کا نشانہ نہ بنائے۔ حسبہ کے اہلکار جائزہ لیں کہ کہیں کوئی مدرس نشے کا عادی تو نہیں، اسی طرح نصاب کا جائزہ لیا جائے کہ اس میں شرک وبدعت پر مبنی مواد شامل تو نہیں۔ جیسے اجتماعی اخلاق وآداب سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احتسابی عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ عورتوں کو

---

[1] اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ص:250

قبطی لباس پہننے سے منع فرماتے تھے کیونکہ اس سے پردہ ذائل ہو تا تھا، ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آپ نے شرابی کے لیے اسی کوڑے کی سزا مقرر کیونکہ جب وہ شراب پیے گا تو اس پر نشہ ہو گا اور اس حالت میں شرابی ہذیان بکے گا اور تہمتیں لگائے گا۔ پھر یہی سزا شرابی کے لیے مختص کر دی گئی، اور ایسی ہی جنسی تشدد کرنے والوں پر حد جاری فرماتے تھے جس کی بدولت جرائم کا مکمل خاتمہ ہو چکا تھا۔

ابلاغ عامہ کی نگرانی:۔

اخبارات اور رسائل میں کس قسم کا مواد شائع ہو رہا ہے، عریاں تصاویر، ممنوعہ اور غیر شرعی اشیاء کے اشتہارات، پرینٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کو شرعی ضوابط میں لانا وزارت حسبہ کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ اسی طرح اس فصل میں ان وجوہ کو بیان کیا گیا جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہج حسبہ سے معاصر و مروجہ نظام حسبہ کی بہتری کے لیے اخذ کیا گیا ہے اور وہ ذیل ہیں:۔

احتساب کے لیے ایسے عوامل کا تعین کیا جائے جن سے احتساب میں مدد لی جاسکے، احتسابی عمل میں تدریج، قابل احتساب امر کی اہمیت کا لحاظ رکھا جائے، احتساب کے لیے صحیح وقت کا انتخاب کیا جائے، اسالیب احتساب مختلف اور ایک سے زائد استعمال کیے جائیں، وسائل احتساب مختلف النوع ہوں۔ اگر ان وجوہ کو نظام احتساب میں بروئے کار لایا جائے تو معاصر نظام میں بھی وہی جھلک نظر آئے گی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حسبہ کی خوبیاں ہیں اور اسی طرح کا معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے جیسے عہد فاروقی میں تھا۔

خلاصہ کلام:۔

حضرت عمرؓ کا نظام حسبہ منفرد خصوصیات اور علامات کا عامل تھا، آپ احتساب سے پہلے اجتماعی طور پر واضح دلائل کے ساتھ لوگوں کی تعلیم و تربیت کرتے تھے۔ جب بھی آپ کو کسی منکر کی اطلاع ملتی تو پہلے اسکے اسباب کو واضح کرتے اور قابل گرفت بات کی وضاحت طلب کرتے،بغیر تحقیق اور جلد بازی سے فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ آپ معاشرے کی اصلاح اور نجات کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر زور دیتے تھے،اس کے ساتھ ساتھ آپ نہایت نرمی اور شفقت سے احتساب فرماتے تھے۔ یہ آپ کے منہج حسبہ کی خصوصیات تھیں جن کی بدولت لوگ آپ کی طرف مائل ہوتے تھے اور احتساب کو قبول کرتے تھے۔

آپ کے منہج حسبہ کی کچھ علامات بھی واضح ہوئی جن سے آپ کے منہج حسبہ کی پہچان ہوتی ہے۔ آپ کے دل میں اسلامی حمیت و غیرت موجود تھی، مسلمانوں کے ساتھ مہربانی اور محبت و شفقت والا معاملہ فرماتے تھے، اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ اور یقین رکھتے تھے، اپنے اصحاب سے مشورہ بھی کرتے تھے۔ آپ نے عدل و انصاف کو آسان انداز میں لوگوں میں پیش کیا، خود بھی عادل خلیفہ تھے اور اپنے عمال کو بھی عدل کا حکم دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے منہج حسبہ کو مد نظر رکھتے ہوئے محتسب کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ذات باری تعالیٰ پر مکمل بھروسہ رکھے، علوم شرعیہ سے گہری واقفیت رکھتا ہو اور جس چیز کا حکم دے پہلے خود اس پر عمل کرنے والا ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ کا اسوہ تھا۔ جسکا احتساب کیا جارہا ہے اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق مکمل تحقیق کے بعد تدریجا مواخذہ کیا جائے، نرمی اور سہولت والا معاملہ کیا جائے۔ احتساب کے لیے مناسب وقت کا انتخاب بھی ضروری ہے، مختلف وسائل اور اسالیب کو بروئے کار لایا جائے تو معاصر نظام حسبہ میں بھی وہی جھلک نظر آسکتی ہے جو کہ عہد فاروقی کے نظام حسبہ میں تھی۔

نتائج بحث

- حسبہ واحتساب اسلامی ریاست میں ایسا نگران ادارہ ہے جس کی بنیاد اوامر اور منہیات کی عظمت کو معاشرے میں قائم کرنا ہے اور اس سے معاشرے کی اصلاح وابستہ ہے۔اس کا دائرہ کار اتنا وسیع ہے کہ اسی نظام کے تحت حاکم وقت کا بھی احتساب ہوتا ہے اور رعایا کا بھی،سب افراد کی اصلاح کا ضامن نظام الحسبہ ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو صالحین کا وصف قرار دیا ہے اور معاشرے کی ترقی ہی اسی میں ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو پیدا کرے جن میں ایسی صفات ہوں جو معاشرے کو صالح بنا کر اللہ کی خوشنودی اور ابدی راحت بصورت جنت حاصل کریں۔ اللہ تعالی نے جا بجا امت کی بقاء کا راز امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو قرار دیا ہے۔اور نظام حسبہ کا بنیادی کام ہی یہی ہے۔
- آپ ﷺ نے معاشرے کی اصلاح کے لیے محتسب کا کردار عملی طور پر ادا کیا اور ایسے فرامین ارشاد فرمائے جن پر عمل پیرا ہو کر ایک اسلامی ریاست احتساب کے نظام کو بہتر انداز سے اپنا سکتی ہے۔
- عہد نبوت اور عہد خلافت راشدہ میں تو حسبہ کا نظام احسن طریقے پر چلتا رہا اور معاشرہ مثالی معاشرہ کہلایا۔عہد اموی اور عہد عباس میں بھی کسی نہ کسی صورت میں حسبہ کی شکل قائم رہی اور اپنا وجود بر قرار رکھا۔
- امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک بہترین انسان،شریعت مطہرہ کے پابند،سنت مطہرہ کے صحیح معنوں میں عامل،بہترین محتسب،عادل خلیفہ ہیں اور انہوں نے اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اخلاف کے لیے بہترین اسوہ چھوڑا ہے۔
- امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے انفرادی واجتماعی طور پر نظام حسبہ کو قوی بنیادوں پر قائم کرکے اپنے زمانے میں معاشرے کو معاصی سے پاک کیا اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ترویج کی جس سے انفرادی، اجتماعی،سماجی اور ریاستی سطح پر شریعت مطہرہ کی حفاظت یقینی ہوئی۔
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احتساب کرتے ہوئے مختلف طرق جیسے ترغیب،ترہیب،مجادلہ حسنہ اور قدوۃ حسنہ استعمال کیے اور اس طرح ایک محتسب حسب جرم،حسب جنایت بلا افراط و تفریط عدل اجتماعی کے نظام کو نہ صرف آسانی سے نافذ کر سکتا ہے بلکہ محتسب علیہم بخوشی احتساب کو قبول کر پاتے ہیں اور ان میں بجائے نفرت،بغض وعناد،کینہ،جذبہ انتقام کے محبت کی فضا پیدا ہوتی ہے اور مظلوموں پر ظالموں کی دسترس کمزور ہو جاتی ہے جس سے معاشرہ اور ریاست بدامنی وانتشار سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنفیذ احتساب میں خطبہ ، بہترین صفات والے خدا ترس ولاۃ کا انتخاب، اپنے اور اپنے مقرر کردہ محتسبین کے پر جلال و پر وقار ہیبت ، شرعی سزاوں کی تنفیذ اور منکرات کی فوری روک تھام جیسے وسائل کا استعمال کیا ہے جن سے احتسابی عمل میں نہ صرف آسانی ملی بلکہ شرعی سزاوں اور شریعت مطہرہ کے مقاصد کی بھی حفاظت ہوئی۔
- عصر حاضر میں احتساب کی وہ جامع صور باقی نہیں رہی بلکہ صرف مالی جنایات اور مخصوص جرائم پر احتساب کے ادارہ کو پابند کیا گیا ہے اور اس میں بھی وہ خوبیاں موجود نہیں جو نظام حسبہ کے فاروقی عہد کی تھیں۔ اگر آج بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حسبہ کی طرح، ان ہی بنیادوں اور خطوط پر احتساب کا نظام قائم کیا جائے تو معاشرہ برائیوں سے پاک ہو سکتا ہے اور اچھائی کی ترویج میں ترقی مل سکتی ہے۔
- اگر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ جیسے محتسب ہوں اور اسی طرح کی اصلاحات نظام حسبہ میں کی جائیں تو نہ صرف معاشرہ بلکہ انفرادی واجتماعی زندگی تمام شعبہ جات کو عدل اجتماعی میسر آئے گا اور ریاست میں ظلم وناانصافی کے بجائے عدل مساوات اور صلح وآشتی کی فضا پیدا ہو گی، ریاست کے اندرون وبیرون اسلام کی ترویج، شریعت مطہرہ کی حفاظت ہو گی ، آج پھر مسلمان پوری دنیا کو ظلم وتاریکی سے نکال سکے گا اور پوری دنیا پر اسلام کا غلبہ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے انتم الاعلون ان کنتم مومنین۔
- حضرت عمرؓ نے زندگی کے ہر شعبہ میں احتساب کو اپنایا۔ مثلاً،عقیدہ،عبادات،اخلاقیات،ادب وآداب،انفرادی واجتماعی زندگی،ریاست وسیاست۔ آپ نے معاشرے کی اصلاح پر بھرپور توجہ دی۔ شریعت محمدی پر عمل کا درس دیا اور خود پہلے عمل کر کے مثال بنے اور آنے والوں کے لیے راہیں متعین فرمائیں۔
- ریاست مدینہ میں اسلام کے نفاذ سے ایسی ریاست قائم ہوئی جہاں نیکی کا اچھا تصور تھا اور برائی نام کی چیز نظر نہ آتی تھی۔ ایک دوسرے کے حقوق کیا خیال رکھا جاتا تھا۔ ایک مثالی ریاست قائم تھی۔ کیونکہ احتساب بلا تفریق تھا۔

سفارشات

- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جو روایات مروی ہیں یا آپ کی ذات سے متعلق جو کچھ روایت کیا گیا ان پر ہر شعبہ کے لحاظ سے تحقیق کی جائے اور ان کو تدریس کا حصہ بنایا جائے بالخصوص نظام حسبہ سے متعلق مواد کی تشہیر بہت ضروری ہے تا کہ عصر حاضر میں نظام حسبہ کی اصلاح کر کے معاشرہ کو معاصی سے پاک کیا جاسکے۔
- یہ مقالہ چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے نظام حسبہ سے متعلق ہے، یہ آپ کے نظام حسبہ کو اردو زبان میں منتقل کرنے کی ادنیٰ سی کاوش ہے، اس موضوع پر مزید بھی کام کی ضرورت ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کا نظام حسبہ ایک جامع نظام تھا اور اس کے ہر پہلو پر کام کیا جائے تو زیادہ فائدہ بخش ہو گا۔
- اکثر اسلامی ممالک میں سرے سے "وزارت حسبہ" جو سرکاری سطح پر اپنا فریضہ انجام دے، موجود ہی نہیں ہے۔ عصر حاضر میں احتساب کی وہ جامع صورت باقی نہیں رہی بلکہ صرف مالی جنایات اور مخصوص جرائم پر احتساب کے ادارہ کو پابند کیا گیا ہے اور اس میں بھی وہ خوبیاں موجود نہیں جو عہد فاروقی میں نظام حسبہ کی تھیں۔ اگر آج بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حسبہ کی طرح، ان ہی بنیادوں اور خطوط پر احتساب کا نظام قائم کیا جائے تو معاشرہ برائیوں سے پاک ہو سکتا ہے اور اچھائی کی ترویج میں ترقی مل سکتی ہے۔
- اکثر اسلامی ممالک میں محکمہ پولیس اور شہری حقوق کے ادارے مغربی ممالک کی طرز پر کام کرتے ہیں ان کا حسبہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اگر ان تمام محکموں کو حسبہ کے سپرد کر دیا جائے تو حسبہ کے وسیع فرائض کا تصور کیا جاسکتا ہے۔
- موجودہ زمانے میں محکمہ تعلیم کے فرائض بے شمار ہیں پورا محکمہ تعلیم تو حسبہ کے ماتحت نہیں کیا جاسکتا لیکن تعلیم سے متعلق اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت جتنے شعبے آتے ہیں وہ سب حسبہ کی نگرانی میں کام کریں۔
- ابلاغ عامہ کی نگرانی، اخبارات ورسائل، پرنٹ و الیکٹرونک میڈیا کو شرعی ضوابط میں لانا، وزارت حسبہ کے سپرد ہو مزید براں اخبارات، رسائل اور ابلاغ عامہ سے متعلق دوسرے ذرائع ابلاغ کے لیے لائیسنس وزارت حسبہ کی منظوری سے جاری ہوں۔

- ہر شعبہ زندگی مثلاً سکول، مدرسہ، کالج اور جامعات میں اسلامی تعلیم کی ترویج کے ساتھ بلخصوص حسبہ کی افادیت کو اجاگر کرنے کے لیے اقدام کیے جائیں۔
- اسلاف کی زندگیوں کے مطالعہ پر زور دیا جائے۔اور خصوصاً خلافت راشدہ کی تعلیمات کو عام کیا جائے تاکہ ان کے نقش قدم پر چل کر معاشرے کو برائیوں سے پاک کیا جاسکے۔

فہارس

- فہرست آیات
- فہرست احادیث
- فہرست اعلام
- فہرست اماکن
- فہرست اصطلاحات
- فہرست مصادر و مراجع

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت کریمہ	نام سورت	صفحہ نمبر
1.	ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ-----	النحل	81
2.	أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا-----	الاحقاف	59
3.	أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ-----	النساء	145
4.	أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا-----	ق	97
5.	اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا-----	الاسراء	03
6.	أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ-----	الکہف	03
7.	إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ-----	الحجرات	48
8.	إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ، وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي-----	الانفطار	09
9.	اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ-----	البقرۃ	156
10.	إِنَّ اللَّهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذلِكَ لِمَنْ يَشاءُ۔	النساء	93
11.	إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ-----	النحل	13
12.	إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ-----	آل عمران	81
13.	إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ-----	یوسف	91
14.	إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلادُكُمْ فِتْنَةٌ-----	انفال	47
15.	إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ-----	الفاطر	73
16.	أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى-----	القیامہ	20
17.	حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ-----	التوبہ	83
18.	ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ-----	البقرہ	41
19.	الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ-----	الحج	15
20.	الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ-----	الرحمٰن	06
21.	يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لا تَقْنَطُوا-----	الزمر	185

.22	فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْراً-----	النور	118
.23	فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا-----	محمد	64
.24	قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَرَزَقَنِي------	ہود	186
.25	كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ------	آل عمران	13
.26	لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُودَ-----	المائدہ	15
.27	اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ-----	الروم	156
.28	لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ-----	التوبہ	80
.29	مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا-----	الغافر	95
.30	مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ-----	الفتح	77
.31	مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ-----	البقرہ	98
.32	مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ-----	الشوریٰ	52
.33	هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ-----	الزمر	73
.34	هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ-----	التوبہ	80
.35	وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ-----	آل عمران	40
.36	وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ-----	انفال	81
.37	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ-----	البقرہ	145
.38	وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ-----	التوبہ	20
.39	وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ-----	الکہف	04
.40	وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ-----	المائدہ	147
.41	وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ-----	الحدید	97
.42	وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ-----	آل عمران	159
.43	وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ-----	العنکبوت	95
.44	وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ-----	فصلت	153
.45	وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ-----	آل عمران	14

20	النحل	وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ-----	46.
57	آل عمران	وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا-----	47.
150	آل عمران	وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ-----	48.
79	التوبہ	وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ-----	49.
159	الحج	وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ-----	50.
21	الشوریٰ	وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ-----	51.
70	آل عمران	وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ-----	52.
141	فصلت	وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا-----	53.
05	الکھف	ويُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبانا مِن السَّماءِ-----	54.
140	الحجرات	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا-----	55.
03	الانفال	يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ-----	56.
79	التوبہ	يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ-----	57.
19	الاعراف	يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ-----	58.
03	الھمزہ	يَحْسَبُ أَن مَالَه أخلده-----	59.
144	المائدہ	الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي-----	60.
14	آل عمران	يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ-----	61.

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث شریف	کتاب	صفحہ نمبر
1.	أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ-----	مسند امام احمد	44
2.	إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ، فَلْيَرْجِعْ-----	مسند الحميدي	143
3.	إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ شَيْءٌ، تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ-----	مسند امام احمد	74
4.	إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ: أَنْصِتْ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ-----	موطا امام مالک	45
5.	أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ-----	الإبانة الکبری	40
6.	أَفْضَلُ شُهَدَاءِ أُمَّتِي رَجُلٌ قَامَ إِلَى إِمَامٍ جَائِرٍ-----	مسند الشاميين	16
7.	أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ-----	الترمذي	18
8.	إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَءُوا مِنْهُ مَا تَيَسَّرَ-----	صحیح بخاری	142
9.	إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ-----	صحیح مسلم	108
10.	إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ-----	مسند الشهاب	73
11.	الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ، وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ-----	ابن ماجه	17
12.	خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ-----	البیهقی	144
13.	خَلِّلُوا بَيْنَ أَصَابِعِكُمْ -----	دار قطني	53
14.	دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ اللَّهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ-----	ترمذي	17
15.	رَأَيْتُ النَّاسَ يُضْرَبُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-----	أبوداود	27
16.	صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي-----	ابن ابی شیبه	145
17.	عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ بَعْدِي-----	السنة	99
18.	فَاقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ-----	ترمذی	99
19.	فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ، --	صحیح بخاري	27
20.	كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا-----	شعب الإيمان	149
21.	كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ، أَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ-----	مسند امام احمد	167
22.	لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي-----	ایضا	40
23.	لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي-----	ابوداود	39

89	مسند امام احمد	لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَا وُضُوءَ لَهُ-----	24.
17	ابن اَبي شيبة	لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ-----	25.
17	موطأ امام مالک	لا يَمْنَعُ أَحَدُكُمْ جَارَهُ أن يغرز خشبته فِي جِدَارِهِ-----	26.
16	مسند امام أحمد	لتأمرنَّ بالمعروف ولتنهونَّ عن المنكر-----	27.
143	ابن ماجه	لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ-----	28.
15	صحیح مسلم	مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ -----	29.
4	اَبو داود	مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ-----	30.
54	صحیح مسلم	الْمُؤَذِّنُونَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ-----	31.
102	ایضا	وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ-----	32.
42	ابو داود	وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ-----	33.
152	ایضا	يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا-----	34.

فہرست اعلام

نمبر شمار	نام شخصیت	صفحہ نمبر
1.	ابن خلدون	7
2.	ابن سعد	80
3.	ابن عباس رضی اللہ عنہ	45
4.	ابن قیم	157
5.	ابن کثیر	54
6.	ابن مسعود رضی اللہ عنہ	40
7.	ابوالدرداء رضی اللہ عنہ	79
8.	ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ	69
9.	اَبووائل	56
10.	ابوجندل رضی اللہ عنہ	93
11.	ابوعبید بن مسعود ثقفی	127
12.	ام سلیط	68
13.	ام کلثوم رضی اللہ عنہا	68
14.	باذان بن سامان	26
15.	برا ابن عاذب رضی اللہ عنہ	47
16.	حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ	74
17.	حضرت علی رضی اللہ عنہ	39
18.	حفصہ رضی اللہ عنہا	101
19.	خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ	124
20.	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	62
21.	ربیعہ بن امیہ رضی اللہ عنہ	62
22.	زبرقان رضی اللہ عنہ	121
23.	زبیر رضی اللہ عنہ	42

24.	زید بن خالد رضی اللہ عنہ	44
25.	سائب بن یزید	123
26.	سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	48
27.	سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	48
28.	سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ	116
29.	سلیمان	43
30.	السنامی	09
31.	شرحبیل رضی اللہ عنہ	109
32.	الشفا بنت عبد اللہ عدوی رضی اللہ عنہا	43
33.	شوکانی	60
34.	شیخ عبد الرحمان تمیمی	52
35.	صاحب المقاییس اللغۃ	06
36.	صبیغ	41
37.	صفوان بن أمیۃ	49
38.	ضبۃ بن محصن	140
39.	طلحۃ رضی اللہ عنہ	63
40.	عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ	47
41.	عبد اللہ ابن ابی بن سلول	78
42.	عبد اللہ بن امیہ مخزومی	120
43.	عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	63
44.	عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	120
45.	عمران بن حصین	102
46.	عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	46
47.	قیس بن أبي حازم	54
48.	کعبؓ	38

49.	الماوردی	5
50.	مثنی	70
51.	معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	132
52.	معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ	109
53.	مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	109
54.	منکدر	44
55.	نافع بن حارث رضی اللہ عنہ	108
56.	نحاس	05
57.	ھشام بن حکیم	142
58.	یعلیٰ بن ابی امیہ	82

فہرست اماکن

نمبر شمار	مکان	صفحہ نمبر
1.	ایلیا	38
2.	جابیہ	38
3.	سرع	69
4.	صنعاء	63
5.	کوفہ	71
6.	مدینہ	62

اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
.1	الحسبہ	03
.2	احتساب	04
.3	درہ، کوڑہ	Xii
.4	عمال وولاۃ	69
.5	عقوبات وتعزیرات	61
.6	ترہیب	89
.7	مجادلہ ومناظرہ	95
.8	خطبہ	106
.9	قصاص	61
.10	NAB	173
.11	FIA	174
.12	FBR	175

فہرست مصادر و مراجع

1. القرآن الكريم،

2. إبراهيم مصطفى / أحمد الزيات / حامد عبد القادر، المعجم الوسيط، مجمع اللغة العربية بالقاهرة، دار الدعوة، (س-ن)،

3. ابن أبي شيبة، أبو بكر، عبد الله بن محمد العبسي (المتوفى: 235ه)، مسند ابن أبي شيبة، المحقق: عادل بن يوسف العزازي وأحمد بن فريد المزيدي، دار الوطن – الرياض، 1997م،

4. ابن الأثير، أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد الشيباني الجزري، عز الدين (المتوفى: 630ه)، الكامل في التاريخ، تحقيق: عمر عبد السلام تدمري، دار الكتاب العربي، بيروت - لبنان، 1417ه 1997م،

5. ابن البيع، أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد الطهماني النيسابوري (المتوفى: 405ه)، المستدرك على الصحيحين، تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية - بيروت، 1411ه – 1990م،

6. ابن الطقطقي، محمد بن علي بن طبا (المتوفى: 709ه)، الفخري في الآداب السلطانية والدول الإسلامية، المحقق: عبد القادر محمد مايو، دار القلم العربي، بيروت، 1418ه - 1997م،

7. ابن المبرد، يوسف بن حسن بن أحمد، جمال الدين، الحنبلي (المتوفى: 909ه)، محض الصواب في فضائل أمير المؤمنين عمر بن الخطاب، المحقق: عبد العزيز بن محمد بن عبد المحسن، عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية، 1420ه 2000م،

8. ابن المقرئ، أبو بكر محمد بن إبراهيم بن علي بن عاصم بن زاذان الأصبهاني الخازن، (المتوفى: 381ه)، المعجم لابن المقرئ، مكتبة الرشد، الرياض، شركة الرياض للنشر والتوزيع، 1419ه - 1998م،

9. ابن بطة، أبو عبد الله عبيد الله بن محمد المعروف بابن بَطَّة العكبري (المتوفى: 387ه)، الإبانة الكبرى، ا، دار الراية للنشر والتوزيع، الرياض، (س-ن)،

10. ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم (المتوفى: 728ه)، مجموع الفتاوى، المحقق: عبد الرحمن بن محمد بن قاسم، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية، 1416ه/1995م،

11. ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم أبي القاسم بن محمد الدمشقي (المتوفى: 728ه)، الفتاوى الكبرى لابن تيمية، دار الكتب العلمية، 1408ه - 1987م،

12. ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن عبد الله بن أبي القاسم بن محمد ابن تيمية الدمشقي (المتوفى: 728ه)، الحسبة في الإسلام، أو وظيفة الحكومة الإسلامية، دار الكتب العلمية، (س-ن)

13. ابن حجر العسقلاني، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد (المتوفى: 852ه)، لسان الميزان، المحقق: دائرة المعرف النظامية – الهند، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت - لبنان، 1390ه 1971م،

14. ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد بن محمد، أبو زيد، ولي الدين الحضرمي الإشبيلي (المتوفى: 808ه)، ديوان المبتدأ والخبر في تاريخ العرب، المحقق: خليل شحادة، دار الفكر، بيروت، 1408ه-1988م،

15. ابن سعد، أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي (المتوفى: 230ه)، الطبقات الكبرى، تحقيق: محمد عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية-بيروت، 1410ه-1990م،

16. ابن عساكر، أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله (المتوفى: 571ه)، تاريخ دمشق، المحقق: عمرو بن غرامة العمروي، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، 1415ه-1995م

17. ابن قدامه، أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد الدمشقي الحنبلي، (المتوفى: 620ه)، المغني لابن قدامة، مكتبة القاهرة، 1388ه-1968م،

18. ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر القرشي الدمشقي (المتوفى: 774ه)، مسند أمير المؤمنين أبي حفص عمر بن الخطاب رضي الله عنه وأقواله على أبواب العلم، المحقق: عبد المعطي قلعجي، دار الوفاء-المنصورة، 1411ه-1991م،

19. ابن ماجة، أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني (المتوفى: 273ه)، سنن ابن ماجه، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء الكتب العربية -فيصل عيسى البابي الحلبي، (س-ن)،

20. أبو أحمد حميد بن مخلد الخرساني المعروف بابن زنجويه (المتوفى: 251ه)، الأموال لابن زنجويه، مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الإسلامية، السعودية، 1406ه-1986م

21. أبو البركات، كمال الدين الأنباري، عبد الرحمن بن محمد بن عبيد الله الأنصاري، (المتوفى: 577ه)، نزهة الألباء في طبقات الأدباء، المحقق: إبراهيم السامرائي، مكتبة المنار، الزرقاء-الأردن، 1405ه-1985م،

22. أبو الحسن الهلال بن المحسن الصابي (المتوفى: 448ه)، تحفة الأمراء في تاريخ الوزراء، المحقق: عبد الستار أحمد فراج، مكتبة الأعيان، (س-ن)

23. أبو الحسن علي بن أبي الكرم الجزري، عز الدين ابن الأثير (المتوفى: 630ه)، أسد الغابة في معرفة الصحابة، دار الكتب العلمية، 1415ه-1994م

24. أبو الحسن علي بن إسماعيل بن سيده المرسي (المتوفى: 458ه)، المحكم والمحيط الأعظم، المحقق: عبد الحميد هنداوي، دار الكتب العلمية-بيروت، 1421ه-2000م،

25. أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (المتوفى: 774ه)، البداية والنهاية، المحقق: علي شيري، دار إحياء التراث العربي، 1408ه-1988م

26. أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري (المتوفى: 774ه)، طبقات الشافعيين، تحقيق: د أحمد عمر هاشم، د محمد زينهم محمد عزب، مكتبة الثقافة الدينية، 1413ه-1993م،

27. أبو الفداء، إسماعيل حقي بن مصطفى الإستانبولي، المولى (المتوفى: 1127ه)، روح البيان، دار الفكر-بيروت، (س-ن)

28. أبو بكر أحمد بن محمد بن هارون البغدادي الحنبلي (المتوفى: 311ه)، أحكام أهل الملل والردة من الجامع لمسائل الإمام أحمد بن حنبل، دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان، 1414ه-1994م،

29. أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم العبسي (المتوفى:235ه)، الأدب لابن أبي شيبة، دار البشائر الإسلامية-لبنان، 1420ه-1999م

30. أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (المتوفى: 235ه)، الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، المحقق: كمال يوسف الحوت، مكتبة الرشد-الرياض، 1409،

31. أبو بكر محمد بن يحيى بن عبد الله الصولي (المتوفى:335ه)، أخبار الراضي بالله والمتقي لله = تاريخ الدولة العباسية، مطبعة الصاوي-مصر1935م

32. أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى:275ه)، سنن أبي داود، المحقق: محمد محيي الدين عبد الحميد، المكتبة العصرية، صيدا-بيروت، (س-ن)،

33. أبو داود، سليمان بن داود بن الجارود الطيالسي البصري (المتوفى: 204ه)، مسند أبي داود الطيالسي، المحقق: الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي، دار هجر-مصر، 1419ه-1999م،

34. أبو عبد الله الحسين بن الحسن بن حرب السلمي المروزي (المتوفى:246ه)، البر والصلة (عن ابن المبارك وغيره)، المحقق: محمد سعيد بخاري، دار الوطن-الرياض، 1419،

35. أبو عبد الله محمد بن إسحاق المكي الفاكهي (المتوفى:272ه)، أخبار مكة في قديم الدهر وحديثه، دار خضر-بيروت، 1414ه

36. أبو عبد الله محمد بن نصر بن الحجاج المَرْوَزِي (المتوفى:294ه)، السنة، المحقق: سالم أحمد السلفي، مؤسسة الكتب الثقافية-بيروت، 1408ه،

37. أبو عبيد عبد الله بن عبد العزيز بن محمد البكري الأندلسي (المتوفى:487ه)، المسالك والممالك، دار الغرب الإسلامي، 1992م،

38. أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد القرطبي (المتوفى:463ه)، الاستيعاب في معرفة الأصحاب، دار الجيل، بيروت، 1412ه-1992 م،

39. أبو عمرو خليفة بن خياط الشيباني العصفري البصري (المتوفى: 240ه)، طبقات خليفة بن خياط، رواية: أبي عمران موسى بن زكريا التستري (ت ق 3ه)، محمد بن أحمد بن محمد الأزدي (ت ق 3ه)، المحقق: د سهيل زكار، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، 1414ه. 1993م،

40. أبو محمد الحارث بن محمد بن داهر التميمي البغدادي الخصيب المعروف بابن أبي أسامة (المتوفى: 282ه)، بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، المنتقي: أبو الحسن نور الدين علي (المتوفى: 807ه)، مركز خدمة السنة والسيرة النبوية - المدينة المنورة، 1413ه-1992م،

41. أحمد بن إسحاق (أبي يعقوب) بن جعفر بن وهب بن واضح اليعقوبي (المتوفى: بعد 292ھ)، البلدان، دار الكتب العلمية، بيروت، 1422ھ،

42. أحمد مختار عبد الحميد عمر (المتوفى: 1424ھ) معجم اللغة العربية المعاصرة، بمساعدة فريق عمل، عالم الكتب، 1429ھ-2008م

43. الإربلي، أبو العباس، شمس الدين أحمد بن محمد بن إبراهيم البرمكي (المتوفى: 681ھ)، وفيات الأعيان وأنباء الزمان، المحقق: إحسان عباس، دار صادر- بيروت، 1994،

44. إسحاق بن الحسين المنجم (المتوفى: ق 4ھ)، آكام المرجان في ذكر المدائن المشهورة في كل مكان، عالم الكتب، بيروت، 1408ھ،

45. إسماعيل الكاندهلوي، محمد يوسف بن محمد إلياس بن محمد إسماعيل الكاندهلوي (المتوفى: 1384ھ)، حياة الصحابة، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت- لبنان، 1420ھ-1999م

46. أكرم بن ضياء العمري، عصر الخلافة الراشدة، مكتبة العبيكان- الرياض، 1430ھ-2009م،

47. بخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري الجعفي، المحقق: محمد زهير بن ناصر، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه، دار طوق النجاة (مصورة عن السلطانية بإضافة ترقيم ترقيم محمد فؤاد عبد الباقي)، 1422ھ،

48. بزار، أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق العتكي (المتوفى: 292ھ)، مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، المحقق: محفوظ الرحمن زين الله، مكتبة العلوم والحكم- المدينة المنورة، (بدأت 1988م، وانتهت 2009م)،

49. البزّاز، أبو بكر محمد بن عبد الله بن إبراهيم الشافعي (المتوفى 354ھ)، كتاب الفوائد (الغيلانيات)، حققه: حلمي كامل أسعد عبد الهادي، دار ابن الجوزي- السعودية / الرياض، 1417ھ-1997م،

50. البغدادي، أبو بكر محمد بن الحسين بن عبد الله الآجري (المتوفى: 360ھ)، الشريعة، المحقق: الدكتور عبد الله بن عمر بن سليمان الدميجي، دار الوطن- الرياض / السعودية، 1420ھ-1999م،

51. البكري، أبو عبيد عبد الله بن عبد العزيز بن محمد الأندلسي (المتوفى: 487ھ)، معجم ما استعجم من أسماء البلاد والمواضع، عالم الكتب، بيروت، 1403ھ،

52. بيهقي، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخراساني، (المتوفى: 458ھ)، فضائل الأوقات، المحقق: عدنان عبد الرحمن مجيد القيسي، مكتبة المنارة- مكة المكرمه، 1410،

53. بيهقي، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخراساني، أبو بكر (المتوفى: 458ھ)، معرفة السنن والآثار، المحقق: عبد المعطي أمين قلعجي، جامعة الدراسات الإسلامية (كراتشي - باكستان)، دار قتيبة (دمشق - بيروت)، دار الوعي (حلب - دمشق)، دار الوفاء (المنصورة- القاهرة)، 1412ھ-1991م،

54. بيهقي، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسروجردي الخراساني، أبو بكر (المتوفى: 458ھ)، شعب الإيمان، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند، 1423ھ-2003م،

55. پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری، تجارت کے اسلامی اصول وضوابط، شیخ الہند اکیڈمی کراچی، (س-ن)

56. پروفیسر شہباز احمد چشتی، پاکستان میں اسلامی نظام احتساب (خدوخال اور لائحہ عمل)، زاویہ پبلشر زلاہور، (س-ن)

57. ترمذي، محمد بن عيسى بن سَوْرة، الترمذي، أبو عيسى (المتوفى: 279ھ)، السنن الترمذي، المحقق: بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي-بيروت، 1998م،

58. تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم ابن تيمية الحراني (المتوفى: 728ھ)، الاستقامة، المحقق: د. محمد رشاد سالم، جامعة الإمام محمد بن سعود-المدينة المنورة، 1403ھ

59. تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم ابن تيمية الحراني الحنبلي الدمشقي (المتوفى: 728ھ)، الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد-المملكة العربية السعودية، 1418ھ

60. تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، اسلام کا نظام حسبہ، مترجم ڈاکٹر حافظ اکرام الحق یٰسین، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، مارچ 2016م

61. التميمي، عبد الرحمن بن حسن بن محمد بن عبد الوهاب بن سليمان (المتوفى: 1285ھ)، فتح المجيد شرح كتاب التوحيد، المحقق: محمد حامد الفقي، مطبعة السنة المحمدية، القاهرة، مصر، 1377ھ/1957م،

62. التونسي، محمد الطاهر بن محمد بن محمد الطاهر بن عاشور (المتوفى: 1393ھ)، التحرير والتنوير «تحرير المعنى السديد وتنوير العقل الجديد من تفسير الكتاب المجيد»، الدار التونسية للنشر-تونس، 1984ھ.

63. جواد علي (المتوفى: 1408ھ)، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام، الناشر: دار الساقي، 1422ھ/2001م،

64. الحاج خليفة، مصطفى بن عبد الله كاتب جلبي القسطنطيني (المتوفى: 1067ھ)، كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، مكتبة المثنى-بغداد (وصورتها عدة دور لبنانية، بنفس ترقيم صفحاتها، مثل: دار إحياء التراث العربي، ودار العلوم الحديثة، ودار الكتب العلمية)، 1941م،

65. الحميدي، أبو بكر عبد الله بن الزبير المكي (المتوفى: 219ھ)، مسند الحميدي، حقق نصوصه وخرج أحاديثه: حسن سليم أسد الدَّارَانيّ، دار السقا، دمشق-سوريا، 1996م،

66. الخزاعي، علي بن محمد بن أحمد بن موسى ابن مسعود، أبو الحسن ابن ذي الوزارتين (المتوفى: 789ھ)، تخريج الدلالات السمعية على ما كان في عهد رسول الله من الحرف والصنائع والعمالات الشرعية، المحقق: د. إحسان عباس، دار الغرب الإسلامي-بيروت، 1419 ھ،

67. الخطيب البغدادي، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد بن مهدي الخطيب البغدادي (المتوفى: 463ھ)، تاريخ بغداد، المحقق: الدكتور بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي-بيروت، 1422ھ.

68. خطيب البغدادي، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد بن مهدي الخطيب البغدادي (المتوفى: 463ھ)، تاريخ بغداد، المحقق: الدكتور بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي-بيروت، 1422ھ-2002م

69. خلّال بغدادي، أبو بكر أحمد بن محمد بن هارون بن يزيد الخَلّال البغدادي الحنبلي (المتوفى: 311ھ)، السنة، المحقق: د. عطية الزهراني، دار الراية-الرياض، 1410ھ-1989م،
70. خیر الدين بن محمود بن محمد بن علي الدمشقي (المتوفى: 1396ھ)، الأعلام، دار العلم للملايين، أيار / مايو 2002م
71. دارقطني، أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد البغدادي (المتوفى: 385ھ)، سنن الدارقطني، حققه وضبط نصه: شعيب الارنؤوط، حسن عبد المنعم شلبي، عبد اللطيف حرز الله، أحمد برهوم، مؤسسة الرسالة، بيروت-لبنان، 1424ھ-2004م،
72. دارقطني، أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي البغدادي الدارقطني (المتوفى: 385ھ)، سنن الدارقطني، حققه وضبط نصه وعلق عليه: شعيب الارنؤوط، حسن عبد المنعم شلبي، عبد اللطيف حرز الله، أحمد برهوم، مؤسسة الرسالة، بيروت - لبنان، 1424ھ-2004م،
73. دارمي، أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن، مسند الإمام الدارمي، درسه وضبط نصوصه وحققها: الدكتور / مرزوق بن هياس آل مرزوق الزهراني، بدون ناشر، 1436ھ-2015م،
74. الدارمي، محمد بن حبان بن أحمد التميمي، أبو حاتم (المتوفى: 354ھ)، الثقات، دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد الدكن الهند، 1393ھ-1973م،
75. الدكتورة نادية شريف العمري، أضواء على الثقافة الاسلامية، مؤسسة الرسالة، 1422ھ-2001م
76. الدينوري، أبو بكر أحمد بن مروان المالكي (المتوفى: 333ھ)، المجالسة وجواهر العلم، المحقق: أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان، جمعية التربية الإسلامية (البحرين - أم الحصم)، دار ابن حزم (بيروت-لبنان)، 1419ھ،
77. ڈاکٹر ایم ایس ناز، اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، 1999م
78. الرازي، أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني، أبو الحسين (المتوفى: 395ھ)، معجم مقاييس اللغة، المحقق: عبد السلام محمد هارون، دار الفكر، 1399ھ-1979م،
79. راغب الاصفهانی، ابو القاسم حسین بن محمد، المفردات فی غریب القران، دار المعرفۃ-بیروت، (س-ن)،
80. رزق الله بن يوسف بن عبد المسيح بن يعقوب شيخو (المتوفى: 1346ھ)، مجاني الأدب في حدائق العرب، مطبعة الآباء اليسوعيين، بيروت، 1913م،
81. الرُّوياني، أبو بكر محمد بن هارون (المتوفى: 307ھ)، مسند الروياني، المحقق: أيمن علي أبو يماني، مؤسسة قرطبة-القاهرة، 1416،
82. سجستاني، أبو داود سليمان بن الأشعث الأزدي (المتوفى: 275ھ)، الزهد لأبي داود السجستاني، تحقيق: أبو تميم ياسر بن ابراهيم بن محمد، أبو بلال غنيم بن عباس بن غنيم، دار المشكاة للنشر والتوزيع، حلوان، 1414ھ-1993م،
83. سليمان بن موسى بن سالم بن حسان الكلاعي الحميري، أبو الربيع (المتوفى: 634ھ)، الاكتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله - صلى الله عليه وسلم - والثلاثة الخلفاء، دار الكتب العلمية-بيروت، 1420ھ
84. السنامي، عمر بن محمد بن عوض الحنفي (المتوفى: 734ھ)، نصاب الاحتساب، (س-ن)،

85. شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله الرومي الحموي (المتوفى:626ه)، معجم البلدان، دار صادر، بيروت، 1995م،

86. شوكاني، محمد بن علي بن محمد بن عبد الله اليمني (المتوفى:1250ه)، نيل الأوطار، تحقيق: عصام الدين الصبابطي، دار الحديث، مصر، 1413ه-1993م،

87. الشيباني، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل (المتوفى: 241ه)، فضائل الصحابة، المحقق: د. وصي الله محمد عباس، مؤسسة الرسالة- بيروت، 1403ه-1983م،

88. شيباني، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد (المتوفى:241ه)، مسند الإمام أحمد بن حنبل، المحقق: شعيب الأرنووط -عادل مرشد، وآخرون، إشراف: د عبد الله بن عبد المحسن التركي، مؤسسة الرسالة، 1421ه- 2001م،

89. صلاح الدين خليل بن أيبک بن عبد الله الصفدي (المتوفى:764ه)، الوافي بالوفيات، المحقق: أحمد الأرناؤوط وتركي مصطفى، دار إحياء التراث-بيروت، 1420ه-2000م،

90. ضياء الدين، محمد بن محمد بن أحمد بن أبي زيد، (المتوفى:729ه)، معالم القربة في طلب الحسبة، دار الفنون «كمبر دج»، (س-ن)،

91. الطالبي، عبد الحي بن فخر الدين بن عبد العلي الحسني (المتوفى: 1341ه)، نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، دار ابن حزم - بيروت، لبنان، 1420ه، 1999م،

92. طبراني، سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير الشامي، أبو القاسم (المتوفى:360ه)، مسند الشاميين، المحقق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، مؤسسة الرسالة-بيروت، 1405-1984،

93. طبري، أبو العباس، أحمد بن عبد الله بن محمد، محب الدين الطبري (المتوفى:694ه)، الرياض النضرة في مناقب العشرة، دار الكتب العلمية،

94. طبري، محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى:310ه)، جامع البيان في تأويل القرآن، المحقق: أحمد محمد شاكر، مؤسسة الرسالة، 1420ه-2000م

95. الطحاوي، أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة المصري (المتوفى:321ه)، شرح مشكل الآثار، تحقيق: شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة- 1415ه، 1494م،

96. عبد الرحمن بن حسن حَبَنَّكَة الميداني الدمشقي (المتوفى: 1425ه)، الحضارة الإسلامية، أسسها ووسائلها وصور من تطبيقات المسلمين لها ولمحات من تأثيرها في سائر الأمم، دار القلم- دمشق، 1418ه-1998م،

97. عبد الرحمن بن عبد الله بن عبد الحكم، أبو القاسم المصري (المتوفى:257ه)، فتوح مصر والمغرب، مكتبة الثقافة الدينية، 1415ه،

98. عبد الرحمن بن محمد بن عبد الرحمن العليمي الحنبلي، أبو اليمن، مجير الدين (المتوفى:928ه)، الأنس الجليل بتاريخ القدس والخليل، المحقق: عدنان يونس عبد المجيد نباتة، مكتبة دنديس-عمان، (س-ن)

99. عبد الرزاق بن همام بن نافع، أبو بكر الحميري الصنعاني (المتوفى:211ه)، المصنف، المحقق: حبيب الرحمن الأعظمي، المجلس العلمي- الهند، المكتب الإسلامي-بيروت، 1403ه،

100. عبدالكريم زيدان، أصول الدعوة، مؤسسة الرسالة، 1421ه-2001م

101. عبد الملك بن حسين بن عبد الملك العصامي المكي (المتوفى: 1111ه)، سمط النجوم العوالي في أنباء الأوائل والتوالي، المحقق: عادل أحمد عبدالموجود- علي محمد معوض، دار الكتب العلمية- بيروت، 1419ه-1998م،

102. علي بن الجَعْد بن الجَوْهَري البغدادي (المتوفى: 230ه)، مسند ابن الجعد، تحقيق: عامر أحمد حيدر، مؤسسة نادر - بيروت، 1410-1990م،

103. عمر بن شبة (واسمه زيد) بن عبيدة بن ريطة النميري البصري، أبو زيد (المتوفى: 262ه)، تاريخ المدينة لابن شبة، حققه: فهيم محمد شلتوت، السيد حبيب محمود أحمد-جدة، 1399ه،

104. الفارابي، أبو نصر إسماعيل بن حماد الجوهري (المتوفى: 393ه)، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، تحقيق: أحمد عبد الغفور عطار، دار العلم للملايين-بيروت، 1407ه-1987م

105. الفاسي، محمد بن أحمد بن علي، تقي الدين، أبو الطيب الحسني (المتوفى: 832ه)، ذيل التقييد في رواة السنن والأسانيد، المحقق: كمال يوسف الحوت، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، 1410ه/1990م،

106. قرطبي، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري (المتوفى: 456ه)، حجة الوداع، المحقق: أبو صهيب الكرمي، بيت الأفكار الدولية للنشر والتوزيع-الرياض، 1998

107. القضاعي، أبو عبد الله محمد بن سلامة المصري (المتوفى: 454ه)، مسند الشهاب، المحقق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، مؤسسة الرسالة- بيروت، 1407ه-1986م،

108. مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى: 179ه)، موطأ الإمام مالك، المحقق: بشار عواد معروف - محمود خليل، مؤسسة الرسالة، 1412ه،

109. محمد بن أبي بكر ابن قيم الجوزية (المتوفى: 751ه)، إعلام الموقعين عن رب العالمين، دار الكتب العلمية - بيروت، 1411ه-1991م

110. محمد بن أحمد بن الأزهري الهروي، أبو منصور (المتوفى: 370ه)، تهذيب اللغة، المحقق: محمد عوض مرعب، دار إحياء التراث العربي- بيروت، 2001م،

111. محمد بن علي بن محمد الأصبحي الأندلسي، أبو عبد الله، شمس الدين الغرناطي ابن الأزرق (المتوفى: 896ه)، بدائع السلك في طبائع الملك، المحقق: د. علي سامي النشار، وزارة الإعلام-العراق، (س-ن)

112. محمد بن علي بن محمد المعروف بابن العمراني (المتوفى: 580ه)، الإنباء في تاريخ الخلفاء، المحقق: قاسم السامرائي، دار الآفاق العربية، القاهرة، 1421ه-2001م

113. محمد حميد الله الحيدر آبادي الهندي (المتوفى: 1424ه)، مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة، دار النفائس- بيروت، -1407ه،

114. محمد رأفت عثمان، النظام القضائي في الفقه الإسلامي، الناشر: دار البيان، 1415ھ1994م،

115. محمد يوسف بن محمد إلياس بن محمد إسماعيل الكاندهلوي (المتوفى: 1384ھ)، كتاب الاموال لابي عبيد، حياة الصحابة، حققه، وضبط نصه، وعلق عليه: الدكتور بشار عوّاد معروف، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت-لبنان، 1420ھ-1999م،

116. مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: 261ھ)، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، المحقق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء التراث العربي- بيروت، (س-ن)

117. معمر بن أبي عمرو راشد الأزدي مولاهم، أبو عروة البصري، نزيل اليمن (المتوفى: 153ھ)، الجامع (منشور كملحق بمصنف عبد الرزاق)، المحقق: حبيب الرحمن الأعظمي، المجلس العلمي بباكستان، وتوزيع المكتب الإسلامي ببيروت، 1403ھ

118. النحاس، أبو جعفر أحمد بن محمد بن إسماعيل النحوي (المتوفى: 338ھ)، عمدة الكتاب، المحقق: بسام عبد الوهاب الجابي، دار ابن حزم - الجفان والجابي للطباعة والنشر، 1425ھ-2004م،

119. النووي، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف (المتوفى: 676ھ)، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، دار إحياء التراث العربي -بيروت، 1392ھ،

120. النووي، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف (المتوفى: 676ھ)، تهذيب الأسماء واللغات، دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان، (س-ن)

121. وكيع، أبو بكر محمد بن خلف بن حيان، (المتوفى: 306ھ)، أخبار القضاة، المكتبة التجارية الكبرى، بشارع محمد علي بمصر لصاحبها: مصطفى محمد، 1366ھ1947م

122. يوسف بن حسن بن أحمد الصالحي، جمال الدين، ابن المِبْرَد الحنبلي (المتوفى: 909ھ)، إيضاح طرق الاستقامة في بيان أحكام الولاية والإمامة، دار النوادر، سوريا، 1432ھ- 2011م

Web sites.
https://nab.gov.pk
http://www.fia.gov.pk
https://www.filer.pk